MAIS212CCT

عہد عباسی اور چھوٹی خاندانی حکومتیں

(The Abbasids and the Petty Dynasties)

ایم۔اے۔(اسلامک اسٹڈیز)

(دوسرا سمسٹر)

نظامت فاصلاتی تعلیم

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی

حیدرآباد-32، تلنگانہ-انڈیا

© Maulana Azad National Urdu University, Hyderabad

Course: The Abbasids and the petty Dynasties

ISBN: 978-93-95203-93-7

First Edition :**October, 2023**

Publisher	:	Registrar, Maulana Azad National Urdu University
Publication	:	2023
Copies	:	600
Price	:	335/-(The price of the book is included in admission fees of distance mode students)
Copy Editing	:	Dr. Mohammad Haziq, DDE, MANUU, Hyderabad
Cover Designing	:	Dr. Mohd Akmal Khan, DDE, MANUU, Hyderabad
Printer	:	Print Time & Business Enterprises, Hyderabad

Masters in Islamic Studies

The Abbasids and the Petty Dynasties

2nd Semester

On behalf of the Registrar, Published by:

Directorate of Distance Education

Maulana Azad National Urdu University

Gachibowli, Hyderabad-500032 (TS), India

*Director:*dir.dde@manuu.edu.in*Publication:*ddepublication@manuu.edu.in

Phone number: 040-23008314 Website: manuu.edu.in

© All right reserved. No part of this publication may be reproduced or transmitted in any form or by any means, electronically or mechanically, including photocopying, recording or any information storage or retrieval system, without prior permission in writing form the publisher (registrar@manuu.edu.in)

Editors

Dr. Abdul Majeed Qadeer Khwaja
Assistant Professor (Islamic Studies)
DDE, MANUU, Hyderabad

ایڈیٹرس

ڈاکٹر عبدالمجید قدیر خواجہ
اسسٹنٹ پروفیسر (اسلامک اسٹڈیز)
نظامت فاصلاتی تعلیم، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

Language Editors

Dr. Mohammad Haziq
Guest Faculty/Assistant Professor (Contractual), Islamic Studies, DDE, MANUU
Dr. Mohd. Akmal Khan
Guest Faculty/Assistant Professor (Contractual), Urdu, DDE, MANUU

لینگوتج ایڈیٹرس

ڈاکٹر محمد حاذق
گیسٹ فیکلٹی / اسسٹنٹ پروفیسر (کانٹریکچول)، اسلامک اسٹڈیز، ڈی ڈی ای، مانو
ڈاکٹر محمد اکمل خان
گیسٹ فیکلٹی / اسسٹنٹ پروفیسر (کانٹریکچول)، اردو، نظامت فاصلاتی تعلیم، مانو

Editorial Board	مجلس ادارت
Prof. Abdul Ali *Former Head, Dept. of Islamic Studies, AMU, Aligarh*	پروفیسر عبدالعلی سابق صدر، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ
Prof. S. M. Azizuddin Husain *Former Head, Dept. of History & Culture JMI, New Delhi*	پروفیسر ایس۔ ایم۔ عزیزالدین حسین سابق صدر، شعبہ تاریخ وثقافت، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی
Prof. Mohammad Ishaque *Prof. of Islamic Studies, JMI, New Delhi*	پروفیسر محمد اسحاق پروفیسر، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی
Prof. Mohd. Fahim Akhter *Head, Dept. of Islamic Studies, MANUU*	پروفیسر محمد فہیم اختر صدر شعبہ اسلامک اسٹڈیز، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد
Prof. Ghazanfar Ali Khan *Prof., of Islamic Studies, Kashmir Campus, MANUU*	پروفیسر غضنفر علی خان پروفیسر، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، کشمیر کیمپس، مانو
Dr. Abdul Majeed Qadeer Khwaja *Asst. Prof., Islamic Studies, DDE, MANUU*	ڈاکٹر عبدالمجید قدیر خواجہ اسسٹنٹ پروفیسر، اسلامک اسٹڈیز، نظامت فاصلاتی تعلیم، مانو
Dr. Mohammad Haziq *Guest Faculty/Assistant Professor (Contractual), Islamic Studies, DDE, MANUU*	ڈاکٹر محمد حاذق گیسٹ فیکلٹی / اسسٹنٹ پروفیسر (کانٹریکچول)، اسلامک اسٹڈیز، نظامت فاصلاتی تعلیم، مانو
Dr. Syyeda Amina *Guest Faculty/Assistant Professor (Contractual), Islamic Studies, DDE, MANUU*	ڈاکٹر سیدہ آمنہ گیسٹ فیکلٹی / اسسٹنٹ پروفیسر (کانٹریکچول)، اسلامک اسٹڈیز، نظامت فاصلاتی تعلیم، مانو

کورس کوآرڈینیٹر

ڈاکٹر عبدالمجید قدیر خواجہ، اسسٹنٹ پروفیسر (اسلامک اسٹڈیز)
نظامت فاصلاتی تعلیم، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

مصنفین	اکائی نمبر
ڈاکٹر محمد حاذق، اسسٹنٹ پروفیسر (کانٹریکچول) / گیسٹ فیکلٹی، اسلامک اسٹڈیز، نظامتِ فاصلاتی تعلیم، مانو	1،2،3،4
مولانا فیروز اختر ندوی۔	5
ڈاکٹر محمد عرفان احمد، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد	6
ڈاکٹر سید عبدالرشید، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، عالیہ یونیورسٹی، کلکتہ	7
ڈاکٹر وارث متین مظہری، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ہمدرد، دہلی	8
ڈاکٹر محمد انظر ندوی۔	9،10
ڈاکٹر سیدہ آمنہ، اسسٹنٹ پروفیسر (کانٹریکچول) / گیسٹ فیکلٹی، اسلامک اسٹڈیز، نظامتِ فاصلاتی تعلیم، مانو	11،12،13،15،16
پروفیسر عبدالعلی۔	14

پروف ریڈرس:

اول : ڈاکٹر محمد حاذق

دوم : ڈاکٹر سیدہ آمنہ

فائنل : ڈاکٹر عبدالمجید قدیر خواجہ

فہرست

پیغام	وائس چانسلر	7
پیغام	ڈائرکٹر	8
کورس کا تعارف	کورس کوآرڈی نیٹر	9

بلاک 1 :عباسی حکومت-1

اکائی1	عباسی حکومت کا قیام واستحکام	11
اکائی 2	عباسی دور کے اہم حکمراں (حصہ اول)	26
اکائی3	عباسی دور کے اہم حکمراں (حصہ دوم)	41
اکائی4	عباسی حکومت کا زوال	56

بلاک 2 :عباسی حکومت-2

اکائی5	عباسی حکومت کا نظم ونسق	72
اکائی6	عباسی دور میں تعمیر وتمدن	84
اکائی7	عباسی دور میں نقلی علوم کا ارتقا	99
اکائی8	عباسی دور میں عقلی علوم کا ارتقا	114

بلاک 3 :اغلبی حکومت، سامانی حکومت، فاطمی حکومت

اکائی9	اغلبی حکومت	128
اکائی10	سامانی حکومت	141
اکائی11	فاطمی حکومت کا قیام و عروج	153
اکائی12	فاطمی حکومت میں علمی خدمات	174

بلاک 4 :ایوبی حکومت، صلیبی جنگیں، مملوک حکومت

اکائی13	ایوبی حکومت	196
اکائی 14	صلیبی جنگیں: اثرات و نتائج	212
اکائی 15	بحری ممالیک	226
اکائی 16	برجی ممالیک	242
	نمونہ امتحانی پرچہ	255

پیغام

مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی 1998 میں وطنِ عزیز کی پارلیمنٹ کے ایکٹ کے تحت قائم کی گئی۔ اس کے چار نکاتی مینڈیٹس یہ ہیں۔ (1) اردو زبان کی ترویج و ترقی (2) اردو میڈیم میں پیشہ ورانہ اور تکنیکی تعلیم کی فراہمی (3) روایتی اور فاصلاتی تدریس سے تعلیم کی فراہمی اور (4) تعلیم نسواں پر خصوصی توجہ۔ یہ وہ بنیادی نکات ہیں جو اِس مرکزی یونیورسٹی کو دیگر مرکزی جامعات سے منفرد اور ممتاز بناتے ہیں۔ قومی تعلیمی پالیسی 2020 میں بھی مادری اور علاقائی زبانوں میں تعلیم کی فراہمی پر کافی زور دیا گیا ہے۔

اُردو کے ذریعے علوم کو فروغ دینے کا واحد مقصد و منشا اُردو داں طبقے تک عصری علوم کو پہنچانا ہے۔ ایک طویل عرصے سے اُردو کا دامن علمی مواد سے لگ بھگ خالی رہا ہے۔ کسی بھی کتب خانے یا کتب فروش کی الماریوں کا سرسری جائزہ اس بات کی تصدیق کر دیتا ہے کہ اُردو زبان سمٹ کر چند "ادبی" اصناف تک محدود رہ گئی ہے۔ یہی کیفیت اکثر رسائل و اخبارات میں دیکھنے کو ملتی ہے۔ اُردو قاری اور اُردو سماج دورِ حاضر کے اہم ترین علمی موضوعات سے نابلد ہیں۔ چاہے یہ خود ان کی صحت و بقا سے متعلق ہوں یا معاشی اور تجارتی نظام سے، یا مشینی آلات ہوں یا ان کے گرد و پیش ماحول کے مسائل ہوں، عوامی سطح پر اِن شعبہ جات سے متعلق اردو میں مواد کی عدم دستیابی نے عصری علوم کے تئیں ایک عدم دلچسپی کی فضا پیدا کر دی ہے۔ یہی وہ چیلنجز ہیں جن سے اُردو یونیورسٹی کو نبرد آزما ہونا ہے۔ نصابی مواد کی صورت حال بھی کچھ مختلف نہیں ہے۔ اِسکولی سطح پر اُردو کتب کی عدم دستیابی کے چرچے ہر تعلیمی سال کے شروع میں زیر بحث آتے ہیں۔ چوں کہ اُردو یونیورسٹی کا ذریعہ تعلیم اُردو ہے اور اس میں عصری علوم کے تقریباً سبھی اہم شعبہ جات کے کورسز موجود ہیں لہٰذا اِن تمام علوم کے لیے نصابی کتابوں کی تیاری اِس یونیورسٹی کی اہم ترین ذمہ داری ہے۔

مجھے اِس بات کی بے حد خوشی ہے کہ یونیورسٹی کے ذمہ داران بشمول اساتذہ کرام کی انتھک محنت اور ماہرین علم کے بھرپور تعاون کی بنا پر کتب کی اشاعت کا سلسلہ بڑے پیمانے پر شروع ہو چکا ہے۔ ایک ایسے وقت میں جب کہ ہماری یونیورسٹی اپنی تاسیس کی 25ویں سالگرہ منا رہی ہے، مجھے اس بات کا انکشاف کرتے ہوئے بہت خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ یونیورسٹی کا نظامتِ فاصلاتی تعلیم از سرِ نو اپنی کارکردگی کے نئے سنگِ میل کی طرف رواں دواں ہے اور نظامتِ فاصلاتی تعلیم کی جانب سے کتابوں کی اشاعت اور ترویج میں بھی تیزی پیدا ہوئی ہے۔ نیز ملک کے کونے کونے میں موجود تشنگانِ علم فاصلاتی تعلیم کے مختلف پروگراموں سے فیضیاب ہو رہے ہیں۔ گرچہ گزشتہ دو برسوں کے دوران کووڈ کی تباہ کن صورتِ حال کے باعث انتظامی امور اور ترسیل و ابلاغ کے مراحل بھی کافی دشوار کن رہے تاہم یونیورسٹی نے اپنی حتی المقدور کوششوں کو بروئے کار لاتے ہوئے نظامتِ فاصلاتی تعلیم کے پروگراموں کو کامیابی کے ساتھ روبہ عمل کیا ہے۔ میں یونیورسٹی سے وابستہ تمام طلبا کو یونیورسٹی سے جڑنے کے لیے صمیم قلب کے ساتھ مبارک باد پیش کرتے ہوئے اس یقین کا اظہار کرتا ہوں کہ ان کی علمی تشنگی کو پورا کرنے کے لیے مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کا تعلیمی مشن ہر لمحہ ان کے لیے راستے ہموار کرے گا۔

پروفیسر سید عین الحسن

وائس چانسلر

پیغام

فاصلاتی طریقۂ تعلیم پوری دنیا میں ایک انتہائی کارگر اور مفید طریقۂ تعلیم کی حیثیت سے تسلیم کیا جاچکا ہے اور اس طریقۂ تعلیم سے بڑی تعداد میں لوگ مستفید ہورہے ہیں۔ مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی نے بھی اپنے قیام کے ابتدائی دنوں ہی سے اردو آبادی کی تعلیمی صورت حال کو محسوس کرتے ہوئے اِس طرزِ تعلیم کو اختیار کیا۔ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کا آغاز 1998 میں نظامتِ فاصلاتی تعلیم اور ٹرانسلیشن ڈِویژن سے ہوا اوراس کے بعد 2004 میں باقاعدہ روایتی طرز تعلیم کا آغاز ہوا اور بعد ازاں متعدد روایتی تدریس کے شعبہ جات قائم کیے گئے۔ نو قائم کردہ شعبہ جات اور ٹرانسلیشن ڈِویژن میں تقرریاں عمل میں آئیں۔ اس وقت کے اربابِ مجاز کے بھرپور تعاون سے مناسب تعداد میں خود مطالعاتی مواد تحریر و ترجمے کے ذریعے تیار کرائے گئے۔

گزشتہ کئی برسوں سے یو.جی.سی۔ ڈی ای بی UGC-DEB اس بات پر زور دیتا رہا ہے کہ فاصلاتی نظامِ تعلیم کے نصابات اور نظامات کو روایتی نظامِ تعلیم کے نصابات اور نظامات سے کما حقہ ہم آہنگ کر کے نظامتِ فاصلاتی تعلیم کے طلبا کے معیار کو بلند کیا جائے۔ چوں کہ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی فاصلاتی اور روایتی طرزِ تعلیم کی جامعہ ہے، لہٰذا اس مقصد کے حصول کے لیے یو.جی.سی۔ڈی ای بی کے رہنمایانہ اصولوں کے مطابق نظامتِ فاصلاتی تعلیم اور روایتی نظامِ تعلیم کے نصابات کو ہم آہنگ اور معیار بلند کر کے خود اکتسابی مواد SLM از سرِ نو بالترتیب یو.جی اور پی.جی طلبا کے لیے چھ بلاک چوبیس اکائیوں اور چار بلاک سولہ اکائیوں پر مشتمل نئے طرز کی ساخت پر تیار کرائے جارہے ہیں۔

نظامتِ فاصلاتی تعلیم یو.جی، پی.جی، بی ایڈ، ڈپلوما اور سرٹیفکیٹ کورسز پر مشتمل جملہ پندرہ کورسز چلارہا ہے۔ بہت جلد تکنیکی ہنر پر مبنی کورسز بھی شروع کیے جائیں گے۔ متعلمین کی سہولت کے لیے 9 علاقائی مراکز بنگلورو، بھوپال، دربھنگہ، دہلی، کولکاتا، ممبئی، پٹنہ، رانچی اور سری نگر اور 6 ذیلی علاقائی مراکز حیدرآباد، لکھنؤ، جموں، نوح، وارانسی اور امراوتی کا ایک بہت بڑا نیٹ ورک تیار کیا ہے۔ ان مراکز کے تحت سرِ دست 144 متعلم امدادی مراکز (Learner Support Centers) نیز 20 پروگرام سنٹرس (Programme Centers) کام کر رہے ہیں، جو طلبا کو تعلیمی اور انتظامی مدد فراہم کرتے ہیں۔ نظامت فاصلاتی تعلیم نے اپنی تعلیمی اور انتظامی سرگرمیوں میں آئی سی ٹی کا استعمال شروع کر دیا ہے، نیز اپنے تمام پروگراموں میں داخلے صرف آن لائن طریقے ہی سے دے رہا ہے۔

نظامتِ فاصلاتی تعلیم کی ویب سائٹ پر متعلمین کو خود اکتسابی مواد کی سافٹ کاپیاں بھی فراہم کی جارہی ہیں، نیز جلد ہی آڈیو۔ ویڈیو ریکارڈنگ کا لنک بھی ویب سائٹ پر فراہم کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ متعلمین کے درمیان رابطے کے لیے ایس ایم ایس کی سہولت فراہم کی جارہی ہے، جس کے ذریعے متعلمین کو پروگرام کے مختلف پہلوؤں جیسے کورس کے رجسٹریشن، مفوضات، کونسلنگ، امتحانات وغیرہ کے بارے میں مطلع کیا جاتا ہے۔

امید ہے کہ ملک کی تعلیمی اور معاشی حیثیت سے پچھڑی اردو آبادی کو مرکزی دھارے میں لانے میں نظامتِ فاصلاتی تعلیم کا بھی نمایاں رول ہو گا۔

پروفیسر محمد رضاء اللہ خان

ڈائرکٹر، نظامت فاصلاتی تعلیم

کورس کا تعارف

نظامت فاصلاتی تعلیم، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد کے لیے یہ بات انتہائی باعث مسرت ہے کہ یونیورسٹی گرانٹس کمیشن (یو جی سی)، ڈسٹنس ایجوکیشن بیورو (ڈی ای بی) کے 2017 ضابطوں اور دوسرے ترمیمی ضوابط 2018 کے مطابق اسلامک اسٹڈیز کے موضوع پر اردو زبان میں درسی مواد تیار کیا گیا ہے۔ یو جی سی ہدایت کے تحت یونیورسٹی کے روایتی اور فاصلاتی نظام تعلیم کے لیے ایک ہی نصاب لازمی قرار دیا گیا ہے؛ تاکہ نہ صرف ان دونوں نظام تعلیم کے طلبہ کا معیار یکساں ہو، بلکہ حصول تعلیم کے لیے فراہم کی جانے والی مختلف سہولیات کے اس دور میں ایک نظام تعلیم کے طلبہ کے لیے دوسرے نظام تعلیم کی طرف منتقلی بھی قابل عمل ہو۔

ان ضوابط کے تحت یونیورسٹی میں فراہم کیے جارہے تمام مضامین میں روایتی اور فاصلاتی نظام تعلیم کا ایک ہی نصاب تیار کیا گیا، اور اس کے مطابق درسی مواد کی تیاری کی گئی جو بیک وقت دونوں نظام تعلیم کے طلبہ وطالبات کے لیے ذریعہ استفادہ بن سکے۔ یہ مواد بی اے کے تین سالہ (چھ سمسٹرز) کورس اور ایم اے کے دو سالہ (چار سمسٹرز) کورس کے لیے تیار کروایا گیا ہے۔ اس درسی مواد کی تیاری میں ملک بھر کے ماہرین اسلامک اسٹڈیز، دانشوران اور اسلامی علوم پر گہری نظر رکھنے والے علما کی معیاری خدمات یونیورسٹی کو حاصل رہیں، اور اس میں اسلامک اسٹڈیز کے تقریباً تمام ہی موضوعات اور پہلوؤں کا جامع احاطہ کیا گیا۔ اس طرح یونیورسٹی کے ذریعے تیار ہونے والا یہ درسی مواد ایک معیاری، ہمہ گیر اور اسلامک اسٹڈیز کے پورے کورس پر محیط بن کر تیار ہوا، جس سے نہ صرف یہ کہ اسلامک اسٹڈیز کے طلبہ وطالبات کی ایک بڑی ضرورت کی تکمیل ہوئی بلکہ اسلامی مطالعات کے میدان میں قابل قدر اضافہ ہوا۔

اس نصاب کی تیاری میں قدیم نصاب کی خوبیوں کو باقی رکھتے ہوئے ضروری حذف واضافہ اور جدید تحریر کے ساتھ مضامین کی ایسی ترتیب اختیار کی گئی جو دونوں روایتی اور فاصلاتی تعلیم کے نظام کی ضرورت بیک وقت پوری کر سکے۔

یکساں نصاب کی تیاری کے بعد اسی کے مطابق درسی مواد کی تیاری بھی مطلوب تھی جس میں نئے نصاب کے مطابق پرانے تحریر شدہ مواد میں کہیں کم اور کہیں زیادہ حذف وترمیم اور تبدیلی کی ضرورت تھی۔ کئی مقامات پر کم یا زیادہ اضافہ بھی مطلوب تھا۔ بعض ذیلی عناوین پر بالکل نئی تحریر لکھنے کی ضرورت تھی اور بعض جگہوں پر مکمل اکائی کے اضافہ کی بھی ضرورت پیش آئی۔ ان سب کے علاوہ مواد کی ترتیب کو نئے نصاب کے مطابق بنایا گیا۔ نیز ہر اکائی کے تحت اکتسابی نتائج اور متنوع قسم کے سوالات کے تفصیلی نمونے شامل کیے گئے۔ ان تبدیلیوں کے بعد تیار ہونے والا مواد قدیم وجدید کا مجموعہ بن کر سامنے آیا ہے۔

ہمیں خوشی ہے کہ ہم ایم اے کے کورس کی یہ کتاب آپ کے لیے پیش کر رہے ہیں۔ دوسرے سمسٹر کے اس پرچہ کا عنوان 'عہد عباسی اور چھوٹی خاندانی حکومتیں' ہے۔ یہ روایتی تعلیم کے تحت ایم اے سال اول کے لیے ہے۔ اس پرچہ میں کل سولہ اکائیاں ہیں، جو چار بلاک میں منقسم ہے۔ ان بلاکس میں عہد عباسی سے متعلق تمام اہم معلومات اور اس کے دور زوال میں قائم ہونے والی اہم علاقائی حکومتیں ان کا نظم ونسق، اہم حکمراں اور علوم وفنون میں ان کی خدمات سے متعلق اہم معلومات کا احاطہ کیا گیا ہے اس کے علاوہ اس دور کے سماجی، معاشی، معاشرتی پہلو پر بھی تحریری مواد شامل ہے۔

ڈاکٹر عبدالمجید قدیر خواجہ (الازہری)

کورس کوآرڈی نیٹر

عہد عباسی اور چھوٹی خاندانی حکومتیں

The Abbasids and the petty Dynasties

اکائی 1: عباسی حکومت کا قیام و استحکام

اکائی کے اجزا:

1.0 تمہید

1.1 مقاصد

1.2 عباسی حکومت کا پس منظر

1.3 عباسی حکومت کا قیام

1.3.1 تحریک عباسی کے کامیابی کے اسباب

1.3.2 اموی اور عباسی میں فیصلہ کن جنگ

1.3.3 ابو مسلم خراسانی

1.3.4 جنگ و جدل کا نتیجہ

1.4 عہد عباسی کا تعارف و خصوصیات

1.5 ابو العباس سفاح

1.5.1 سفاح کا دور خلافت

1.5.2 اخلاق و کردار

1.6 بغداد

1.7 اکتسابی نتائج

1.8 نمونہ امتحانی سوالات

1.8.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1.8.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1.8.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1.9 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1.0 تمہید

قوموں کی زندگی میں تاریخ کی اہمیت وہی ہے جو کہ ایک فرد کی زندگی میں اس کی یادداشت کی ہوتی ہے جس طرح ایک فرد واحد کی سوچ، شخصیت کردار اور نظریات پر سب اثر انداز ہونے والی چیز اس کی تاریخ ہوتی ہے۔ اسلامی حکومتوں میں مذہبی وسیاسی اہمیت، مدت کی وسعت، علوم وفنون کی ترقی کے اعتبار سے جتنی اہمیت خلافت عباسیہ کو حاصل ہے وہ مرتبہ کسی کو حاصل نہیں۔ عباسی حکومت 132ھ / 750 سے 656ھ / 1258 تک پانچ سو سال سے اوپر کا دورانیہ رہا۔ گو اس مدت میں اس پر تغیر وانقلاب اور عروج وزوال کے بڑے بڑے دور گزرے۔ اس دور نے ابو جعفر منصور، ہارون، مامون اور معتصم کی عظمت وجاہ وجلال کے مناظر بھی دیکھے۔ ان کے بعد خلفاء کے تنزل، بے بسی وبے کسی کا عبرت آموز تماشا بھی دیکھا۔ جب کہ خود ان میں کوئی قوت باقی نہ رہ گئی تھی اور ان کے پس پردہ میں غالب قوتیں حکمرانی کرتی تھیں۔ جسے چاہتی تھیں حکمران بناتی تھی اور جسے چاہتی معزول کر دیتی تھی، لیکن بغداد کو مرکزی دینی حیثیت آخر تک قائم رہی۔ بنی عباس کے عروج کا دور معتصم باللہ پر ختم ہو گیا تھا لیکن اس کے بعد خلافت بغداد چار صدیوں سے زیادہ قائم رہی۔

1.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد ہے کہ آپ یہ جان سکیں کہ عباسی حکومت کا قیام کب ہوا اور اس کا پس منظر کیا تھا؟ اس کے ساتھ ہی آپ اس دور کی تعارف وخصوصیات سے بھی آگاہی حاصل کریں گے۔ عباسی تحریک نے کیسے اموی حکومت پر غلبہ حاصل کی اور کن لوگوں نے اس تحریک کو بڑھانے میں اہم خدمات انجام دی۔ اس کے ساتھ عہد عباسی کے خلیفہ اول ابو العباس سفاح کے دور حکومت اور ان کے اخلاق و کردار سے بھی واقفیت حاصل ہو گی۔

1.2 عباسی حکومت کا پس منظر

حضرت حسنؓ کے خلافت سے الگ ہو جانے کے بعد مکمل طور پر بنو امیہ بنو ہاشم پر غالب ہو چکے تھے لیکن امیر معاویہ نے یزید کو ولی عہد منتخب کر کے جو شروعات کی وہ بنو امیہ کے حق میں نقصان دہ ثابت ہوئی۔ حضرت حسینؓ نے اس فیصلے کو قبول نہ کرتے ہوئے اور اپنے ہوا خواہ کی باتوں پر عمل پیرا ہوئے جس کے نتیجے میں کربلا کا سانحہ پیش آیا۔ کربلا کے واقعے نے بنو امیہ کی قبولیت کو نقصان پہنچایا اور اس کے ساتھ ہی لوگوں کو ان کی مخالفت میں بہادر بنا دیا۔ ہاشمیوں میں دو گھرانے حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کی سرداری اور بزرگی کو سبھی تسلیم کرتے تھے۔ حضرت حسینؓ کی شہادت کے بعد علویوں میں فاطمیوں کے لیے زیادہ دیوانگی پائی جاتی تھی اور وہ لوگ ہمیشہ بدلہ لینے کے لیے تیار رہتے تھے۔ دوسرا علوی گروپ محمد بن حنفیہ کو خلافت کا مستحق سمجھتا تھا۔ اس کے بعد عباسیوں کا درجہ تھا۔ یہ تینوں گروہ اموی حکومت کے خلاف اور یہ تینوں کو ایک نام دیا جائے تو اہل بیت کے ہمدرد کہلائے۔ علوی گروپ کو جب بھی مناسب وقت لگا انہوں نے بغاوت کر دی۔

حالانکہ اپنی کوشش میں یہ کامیاب نہ ہوسکے۔ اس کے مدمقابل عباسی ان انجام سے سبق لیتے رہے اور اموی حکومت کے مقابل اپنی سرگرمیوں کو سوچ سمجھ ودوراندیشی کے ساتھ گامزن رہے۔ عباسی کو دیکھتے ہوئے علویوں نے بھی اپنی پالیسی میں تبدیلی لائی اور تینوں گروپ نے سوچا خفیہ طریقے سے لوگوں کو اپنا ہم نوا بنایا جائے اور پوشیدہ طور پر بیعت لی جائے۔ اس کی تبلیغ کے لیے ملک کے کونے کونے میں لوگ پھیلا دیے جو اہل بیت کی محبت کا وعظ کہتے، اموی حکومت کی کمیوں کی نشان دہی کرتے اور خلافت کا اصلی حقدار اہل بیت کو بتاتے۔ اس تحریک کو بڑے رازدانہ طور پر فروغ دیا گیا۔ اس کی شروعات عبدالملک کے ہی دور میں ہوچکی تھی۔ تینوں گروپوں کو ایک دوسرے کی حرکات وسکنات کا پتہ تھا لیکن دشمن ایک تھا اس لیے آپس میں کوئی نوک جھونک نہیں ہوئی۔ تبلیغ میں اس بات کا خاص خیال رکھا گیا کہ کسی ایک شخصیت کو آگے نہ بڑھایا جائے بلکہ اہل بیت کو خلافت کا مستحق ثابت کیا جائے۔ خارجی شروعاتی دور سے بنوامیہ اور علویوں دونوں کے خلاف تھے لیکن علوی بنوامیہ کے مقابلے میں ان کی مدد کرتے تھے۔

خلافت کے دعویدار اہل بیت نبوی تھے یا ان کے بعد حضرت علیؓ کی غیر فاطمی اولاد تھی۔ لیکن سلیمان بن عبدالملک کے زمانے میں یہ منصب علویوں سے آل عباس میں منتقل ہوگیا۔ اور اس کی صورت حال یہ ہوئی کہ حضرت حسینؓ کے شہادت کے بعد شیعان علیؓ نے آپ کے خلف الصدق حضرت امام زین العابدین کے سامنے پیش کی لیکن چونکہ آپ واقعہ شہادت سے اتنے دل برداشتہ ہوگیے تھے کہ سیاسی میدان میں قدم رکھنا پسند نہ فرمایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے بعد لوگوں نے حضرت علی کی غیر فاطمی فرزند محمد بن حنفیہ کی طرف رجوع کیا اور انہوں نے قبول کرلیا۔ اس طرح سے امامت کا منصب اہل بیت سے علوی شاخ میں منتقل ہوگیا۔ محمد بن حنفیہ کے بعد ان کے صاحبزادے ابو ہاشم عبداللہ ان کے جانشین ہوئے۔ اور سرزمین عجم میں اس طرح خفیہ دعوت ہوتی رہی۔

مورخین نے لکھا ہے کہ ابوہاشم سلیمان بن عبدالملک سے ملنے کے لیے شام چلے گیے۔ وہاں اس نے ان کی خوب خاطر مدارت کی اور ان کی تمام جملہ ضروریات کو پورا کرکے واپس روانہ کردیا۔ کہا جاتا ہے ان کے امامت کی خطرہ کی وجہ سے واپسی کے وقت اس نے ابوہاشم کو زہر دلوادیا تھا۔۔ شام سے لوٹتے وقت انکے خاندان کا کوئی بھی ان کے ساتھ نہ تھا ایک قریب تر مقام حمیمہ میں حضرت عبداللہ بن عباس کے پوتے محمد بن علی عباس موجود تھے اس لیے ابوہاشم وہاں چلے گیے اور انتقال سے پہلے منصب امامت ان کے سپرد کردیا اور اپنے متبعین کو ہدایت دی کہ ان کے وفات کے بعد محمد بن علی ان کے جانشین ہوں گے۔ چنانچہ ابوہاشم کی وفات کے بعد ان لوگوں نے محمد بن علی کے ہاتھوں پر بیعت کرلی اس طرح امامت کا منصب علویوں سے عباسیوں میں منتقل ہوگیا۔

محمد بن علی حمیمہ میں رہائش پذیر تھے اور انہوں نے دعوت کے دو مراکز بنائے۔ عراق اور خراسان ان دونوں جگہوں کو اپنی دعوت کے لیے منتخب کیا۔ عراق اہل شیعان کا مرکز تھا اور خراسان کو منتخب کرنے کی وجہ انہوں نے محمد بن علی بن عبداللہ کو ایک خط کے ذریعے بتایا تھا کہ وہاں کی آبادی بہت زیادہ ہے اور دوسرے وہاں کے لوگ سیدھے سادھے ہیں۔ ان علاقوں میں جو داعی مقرر کیے جاتے تھے وہ امام سے خطوط کے ذریعے یا حج کے موقع پر ان سے مل کر تبلیغ کی داستان گوش گزار کرتے۔ داعیوں کو یہ نصیحت دی جاتی کہ اپنے آپ کو اسلامی شعار کا عملی نمونہ بنائیں۔ حج کرنے یا تجارتی بہانے سے سفر میں رہیں اور لوگوں کے ذہنوں میں بنوامیہ کے خلاف نفرت کا اظہار کریں،

اس کے علاوہ اہل بیت کی دعوت دیں۔ دعوت کے لیے اہل بیت کا لفظ اس لیے مبہم رکھا گیا تا کہ علویوں کو شبہ نہ ہو۔ داعی حضرات سماج میں خفیہ طریقے سے بنو امیہ کے مظالم کو مبالغہ آمیزی سے بیان کرتے۔ اسلامی تعلیمات کو نظر انداز کرنے کا ذکر کر کے اس بات پر زور دیتے کہ اس کی احیاء و تجدید کے لیے لوگ کھڑے ہوں۔ اس کے ساتھ ہی یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے کہ یہ کام اہل بیت ہی پورا کر سکتے ہیں اور وہی اسلامی اصولوں کے پابند رہ گیے ہیں۔ عباسی تحریک ایک طاقتور حکومت کے مد مقابل تھی اس لیے اس کی مرحلے وار ترقی ہوئی۔ حکومت کی لاعلمی و بے احتیاطی اور داعیوں کی حد درجہ احتیاط نے ان کو عرصہ تک بغیر کسی روک ٹوک کے اپنی تحریک کو آگے بڑھنے کا موقع فراہم کیا۔ لیکن کبھی کبھی ایسا لگتا کہ اموی حکومت نے اس تحریک کو کچل دیا ہے اور جو داعی حضرات پکڑے جاتے ان کا بے رحمی سے قتل کر دیا جاتا۔ لیکن جب کمزور خلفاء کا دور آیا جن کا مشغلہ حکمرانی سے زیادہ عیش و عشرت تھا تو تحریک کے کامیاب ہونے کے زیادہ مواقع ملے۔ محمد بن علی کی عقلمندی اور سیاسی پالیسیوں کی وجہ سے یہ تحریک روز بروز منزل مقصود کی طرف گامزن رہی۔ محمد بن علی کی وفات کے بعد ان کے بیٹے ابراہیم جانشین ہوئے۔ امام ابراہیم اپنے والد محمد بن علی سے بھی زیادہ ہوشیار اور بہترین انتظامی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ ان کی بصیرت والی نظر اور نتیجہ فہمی نے تحریک کو مزید قوت دی۔ امام ابراہیم نے تبلیغ کے شعبہ کو بڑی جانفشانی سے آگے بڑھایا۔ ابو مسلم خراسانی کی صلاحیت اور قابلیت سے پورا فائدہ امام ابراہیم نے اٹھایا۔ ابو مسلم کو اپنا نائب بنا کر خراسان روانہ کیا۔

خراسان پہنچتے ہی ابو مسلم نے عربوں کی قبائلی عصبیت کو مشتعل کیا۔ مرکز میں اندرونی لڑائیوں کی وجہ سے مروان خراسان کی طرف بالکل بھی توجہ نہ دے سکا۔ اس کے علاوہ ابو مسلم نے نصر بن سیار جو حکومت کی طرف سے والی مامور تھا اس کو ایک دوسرے مضبوط سردار کرمانی سے لڑوا دیا۔ جب دونوں کی طاقت کم ہو گئی تو ابو مسلم نے امام ابراہیم کو ان حالات سے روشناس کرایا اور دعوت کی کامیابی کی امید بھی جتائی۔ امام ابراہیم نے ابو مسلم کو علانیہ طور پر دعوت پیش کرنے کی اجازت دی۔ ابو مسلم نے دعوت عباسی کا اعلان عام کر دیا اور اس میں بڑی کامیابی ہاتھ لگی۔ مورخین کے مطابق صرف ایک ہی دن میں ساٹھ گاؤں کے افراد اس کے ساتھ ہو گیے اور دن بہ دن اس میں اضافہ ہوتا رہا۔ آخر کار ابو مسلم نے ابو نصر کے مقابلے میں فتح حاصل کی اس طرح 132ھ /750ء میں خلافت عباسیوں میں منتقل ہو گئی۔

1.3 عباسی حکومت کا قیام

عباسی دعوت ایک عرصے تک بڑی خاموشی سے اپنے لیے زمین ہموار کرتی رہی اور اس کی کارکردگی کا علم داعیوں اور نقیبوں کے علاوہ کسی کو نہ تھا۔ راز اس وقت کھلا جب امام ابراہیم کا ایک خط پکڑا گیا جس میں انہوں نے ابو مسلم خراسانی کو حکم دیا تھا کہ خراسان میں جو بھی عربی بولتا ہو اسے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ مروان نے اس خط کو دیکھتے ہی امام ابراہیم کی گرفتاری کا حکم جاری کیا اور خراسان میں ہی انہیں نظر بند کر دیا گیا۔ امام کو جب اپنی موت کا یقین ہو گیا تو انہوں نے اپنے بھائی ابو العباس کو اپنا ولی عہد مقرر کیا اور تاکید کی کہ عباسی دعوت کے مشن کو جاری و ساری رکھیں۔ امام ابراہیم کی وفات کے بعد ان کے قاصد ابو العباس کے پاس پہنچا اور ان کی وصیت سے باخبر کیا۔ ابو العباس نے اس تحریک کو قوت پہنچائی اور اموی حکومت کا خاتمہ کیا۔ ابو العباس پہلے عباسی خلیفہ منتخب کیے گیے۔

1.3.1 تحریک عباسی کے کامیابی کے اسباب

عباسی تحریک کے وجود کا علم اموی حکومت کو شروعاتی دور میں ہو چکا تھا کیوں کہ اس تحریک کے ذریعہ عوام کے خیالات تبدیل ہونے لگے جس کا اظہار ان کی بات چیت اور اعمال میں نظر آنے لگا۔ حکومت کو مخالف افعال واقوال کی واقفیت میں ذرا بھی پریشانی نہیں ہوئی۔ اموی خلفاء نے اس بات پر پورا زور دیا کہ اس کی نشو ونما کو روکا جائے۔ غرض اہل بیت کے ان مشکوک افراد کو سزائیں یا قتل کر دیا گیا جو لیڈر بننے کی امید رکھ سکتے تھے۔ اس کے علاوہ عباسی داعی جو بھی گرفتار ہوتا انہیں بھی بے رحمی سے قتل کر دیا جاتا۔ ان ساری تدبیروں کے باوجود بھی عباسی تحریک کا نام ونشان نہ مٹ سکا۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ اس تحریک کا تعلق مذہبی تھا جس کی وجہ سے لوگ آنکھ موند کر اپنا سب کچھ نچھاور کرنے کو اپنی خوش قسمتی تصور کرتے تھے۔ عباسی حکومت کی یہ پالیسی ان کے حق میں بہت بہتر ثابت ہوئی۔ اگر کسی داعی کو سزا دی جاتی تو اس کی جگہ بذات خود لوگ آگے بڑھ کر اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے لیے پیش کرتے۔ ان داعیوں کی پر خلوص خدمت سے عوام ان پر فریفتہ ہو کر ان کے ہم نوا بن جاتے۔ اس تحریک کو کوفہ اور خراسان میں جتنی مضبوطی فراہم ہوئی شاید ہی کسی علاقے میں اتنی زیادہ قوت ملی ہو۔ اس تحریک کی کامیابی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ تحریک کے داعیان میں کبھی نااتفاقی کا منظر نہیں پیش آیا اور ان لوگوں نے ان سارے شبہات کو دور کرنے کی کوشش کی جس سے تحریک میں فتنہ برپا ہو سکتا۔ بنو ہاشم یا بنو عباس کی بیعت لینے کے بجائے اہل بیت کی بیعت لی جاتی۔ ملک کے سیاسی حالات بھی عباسی تحریک کے پھلنے پھولنے کے حساب سے بڑی مددگار ثابت ہوئے۔

1.3.2 اموی اور عباسی میں فیصلہ کن جنگ

عباسیوں نے اس کی ابتدا خراسان سے کی۔ ابو مسلم نے جب اپنی تیاری مکمل کر لی تو ابو نصر کو مقابلے کے لیے للکارا۔ نصر نے اپنے ایک غلام یزید کو ابو مسلم کے مقابلے کے لیے بھیجا لیکن ابو مسلم کے پاس ہر روز جانب داروں کی طرف سے تازہ دم فوج آجاتی۔ اس کے نتیجے میں ابو مسلم کو فتح حاصل ہوئی۔ اس جنگ میں ابو مسلم نے فتح حاصل کرنے کے بعد قیدیوں کے ساتھ جس طرح کا برتاؤ کیا اس سے بھی اس کی عظمت لوگوں کے دلوں میں بیٹھ گئی۔ نصر بن سیار ابو مسلم کے بڑھتے ہوئے اثرات سے گھبرا گیا اور مروان کو خراسان کے حالات سے باخبر کر کے مدد کی درخواست کی لیکن اس وقت مروان خود سیاسی انتشار کا شکار ہونے کی وجہ سے کوئی مدد نہ فراہم کر سکا۔ نصر نے خطرے کو بھانپ کر خراسان کو باہمی رنجش سے نکل کر اتحاد پر زور دیا اور ایک دوبار اس میں کامیاب بھی ہوا۔ دوسری طرف ابو مسلم نے اپنی کوششوں سے اتحاد کی قوت کو پارہ پارہ کر دیا۔ اس کے علاوہ ابو مسلم نے خراسان کے اطراف میں خندقیں کھدوادیں تاکہ نصر تک مرکز سے کوئی مدد نہ پہنچ سکے۔ اس کیفیت میں نصر نے کرمانی سے صلح کر کے اس کو ابو مسلم کے مدمقابل لڑنے کے لیے تیار کر لیا لیکن عین موقع پر ابو مسلم نے کرمانی کو اس کے باپ کا حشر یاد دلا کر اس کو نصر کے سامنے لا کھڑا کر دیا، اور کیفیت یہ ہو گئی کہ نصر نے ابو مسلم سے مدد کی درخواست کی لیکن ابو مسلم نے کرمانی کی مدد کرنے کا فیصلہ کیا۔ غرض نصر بن سیار مقابلہ نہ کر کے فرار اختیار کرنا مناسب سمجھا۔ ابو مسلم نے مرو پر اپنا قبضہ جمانے کے بعد کرمانی کے بھی دونوں بیٹوں علی اور عثمان کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد دھیرے دھیرے پورے کوفہ پر عباسیوں کا قبضہ ہو گیا۔ اموی حکمراں مروان کے پاس صرف شام کا علاقہ تھا اور عباسیوں کو اس کو فتح کرنے کے لیے مروان سے جنگ لازمی تھی، باقاعدہ طور پر اس

کی تیاری کی گئی اور عباسی ابوالعباس سفاح نے اس کی ذمہ داری اپنے چچا عبداللہ بن علی کو دی اور مروان کے مدمقابل روانہ کیا۔ اس فیصلہ کن جنگ کے لیے دریائے زاب کے کنارے دونوں لشکر میں مڈبھیڑ ہوئی اور عباسیوں کو فتح حاصل ہوئی۔

1.3.3 ابو مسلم خراسانی

عباسی دور کے قیام میں ابو مسلم خراسانی کا بہت بڑا رول رہا ہے۔ عباسی جرنلوں میں سب سے اہم کردار اس شخص نے ادا کیا۔ مورخین ابو مسلم کے نام کے متعلق مختلف رائے دیتے ہیں۔ اس کی مہر پر عبدالرحمن نام کندہ تھا، اسی وجہ سے اس کا اصل نام عبدالرحمن بھی تصور کیا جاتا ہے۔ ابو مسلم کا اصل نام کیا تھا اس کو ابو مسلم نے کبھی خود بھی ظاہر نہیں ہونے دیا۔ ایرانی نسل سے تعلق رکھتا تھا۔ ابن اثیر کے مطابق اس کی پرورش عیسیٰ بن موسیٰ سراج نے کی اور امام ابراہیم کے پاس لے گیے۔ انہوں نے اس کا نام عبدالرحمن بن مسلم اور کنیت ابو مسلم رکھی اس کے بعد امام ابراہیم نے ابو مسلم کو اپنے پاس رکھ لیا۔ بعض لوگ ابو مسلم کو غلام لکھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ سلیمان بن کثیر نے اسے خرید کر امام ابراہیم کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ انیس سال کی ہی عمر میں ابو مسلم نے بڑا کارنامہ انجام دیا۔ 128ھ میں امام ابراہیم نے خراسان میں اپنا نائب بنا کر بھیجا۔ خراسان میں عباسی تحریک کا کام جو خفیہ طریقے سے چل رہا تھا ابو مسلم کے پہنچنے کے بعد اس تحریک کو مزید استحکام ملا۔ اس نے عباسی تحریک کی پہلی بار سرعام دعوت دی اور لوگوں نے اس دعوت پر لبیک کہا۔ مورخ جرجی زیدان اس بابت فرماتے ہیں کہ: عباسی حکومت کے قیام ابو مسلم کے احسانات عمرو بن عاص کے ان احسانات سے بہت زیادہ بڑھے ہوئے ہیں جو انہوں نے اموی حکومت دلانے میں کیے تھے۔

ابو مسلم ہی حکومت کے سارے دشمنوں کو اس جھنڈے تلے جمع کرنے میں کامیاب ہوا۔ خراسان میں رہنے والے ایرانی زمینداروں نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ اموی حکومت کے والی نصر بن سیار کے مقابلے میں پہلی مرتبہ ابو مسلم ہی آیا۔ عباسی خلافت قائم ہونے کے بعد بھی ابو مسلم خراسان کا ہی والی رہا۔ خلیفہ اول ابوالعباس سفاح کا وہ سچا دوست تھا اور خلیفہ ہر کام اس کے مشورے سے کرتا تھا۔ ابو مسلم کا یہ رسوخ خلیفہ کے بھائی ابو جعفر کو بالکل بھی نہیں پسند تھا اور وقتاً فوقتاً خلیفہ کو ورغلاتا رہتا تھا۔ سفاح کے دور میں ہی کچھ واقعات کی وجہ سے ابو مسلم اور جعفر کی کشمکش بڑھ گئی۔ سفاح نے جب ابو جعفر کو امیر الحج بنایا تو ابو مسلم کو اس بات کا سخت صدمہ ہوا۔ سفر کے دوران ابو مسلم نے پوری کوشش کی کہ اسے مقبولیت حاصل ہو۔ اس کے لیے ابو مسلم نے سخاوت وفیاضی کا خوب مظاہرہ کیا، خراب راستوں کو درست کروائے، غریبوں میں کپڑے بانٹے، کنویں کھدوا کر پانی کا نظم کیا اور لوگوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آیا۔ غرض ہر معاملے میں منصور سے ایک قدم آگے رہنے کی کوشش کی۔ سفاح کے انتقال کے بعد ابو مسلم نے ابو جعفر کو تعزیتی خط لکھا لیکن خلیفہ بننے کی مبارکباد نہیں دی۔ منصور نے بھی حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے ابو مسلم سے باز پرس نہ کی بلکہ عبداللہ بن علی کی بغاوت کو فرو کرنے کے لیے اسی کو بھیجا۔ ابو مسلم بہت جواں مرد تھا، فوجی معاملات کو بہت بہتر طریقے سے سمجھتا تھا۔ لڑائی جب شروع ہو جاتی تو بیچ میں تخت پر بیٹھ کر پوری فوج پر نظر رکھتا اور جس طرف بھی اسے کمی نظر آتی اس کی اصلاح کرتا۔

1.3.4 جنگ وجدل کا نتیجہ

خلافت جب بنوعباس کو حاصل ہوگئی تو انہوں نے امویوں کو چن چن کو قتل کرنا شروع کیا۔ بڑی مشکل سے چند بچے اور عبد الرحمن بن معاویہ بن ہشام اپنی جان بچا کر بھاگنے میں کامیاب ہوئے۔ بنو عباس عظیم سلطنت حاصل کر لینے کے بعد بھی پورے طور پر اسلامی حکومت پر قابض نہ ہو سکے۔ وہ والی یا گورنر جو بنو امیہ کی خانہ جنگی میں طاقت حاصل کر چکے تھے وہ خود مختار ہو گیے۔ غرض اندلس کبھی عباسی حکومت کو تسلیم نہیں کیا۔ افریقی علاقہ برائے نام فرماں برداری کا دم بھرتے تھے۔ اس کے علاوہ وقت کے ساتھ نئی حکومتیں قائم ہو گئیں۔ مملکت کئی حصوں میں منقسم ہوگئی اس کے باوجود اسلامی حکومت کا امتیاز عباسی خلافت کو حاصل رہا۔ بنی امیہ کی اہمیت ختم ہوتے ہی شام کے لوگوں کو بھی اپنی اہمیت کا اندازہ ہو گیا۔ ان کا خیال تھا کہ مروان کا معاملہ شامیوں کا معاملہ نہیں ہے۔ لیکن ایسا ہر گز نہیں تھا۔ جب حکومت کا دارالخلافہ دمشق سے کوفہ اور پھر بغداد ہو گیا۔ عباسیوں کا شروع سے جھکاؤ عراقیوں کی طرف تھا اس لیے بھی شامیوں کو جو فضیلت حاصل تھی وہ ختم ہوگئی۔ عباسی حکومت میں عربوں کو وہ عروج حاصل نہ رہا جو بنو امیہ میں ان کو حاصل تھا۔ اموی حکومت میں عربوں کا ہی بول بالا تھا لیکن عباسی عہد میں سارے حقوق موالیوں نے حاصل کر لیے۔ عربوں کے مقابلے غیر عربی کو فوقیت دی جارہی تھی۔ عباسی حکومت نے عربوں پر کبھی اتنا بھروسہ نہیں کیا اور دھیرے دھیرے حکومتی عہدوں پر برائے نام ان کا تقرر ہونے لگا۔

عباسی تحریک میں ایرانیوں نے جان کی بازی لگا کر اس کی حصولیابی کی پرزور کوشش کی اس کے پیچھے ایرانی اقتدار کی راہ کو ہموار کرنا تھا۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ عربوں کی طاقت کا خاتمہ اور عباسی خلافت کے تمام اداروں میں ایرانیوں کو بالادستی حاصل تھی۔ اس کے باوجود بھی نو مسلم ایرانیوں نے اس پر اکتفانہ کیا بلکہ طرح طرح کی لادینی تحریک اسلام کو کمزور کرنے کی کوششیں کیں۔ مثلاً تحریک خرمیہ، فرقہ راوندیہ، وغیرہ۔

1.4 عہد عباسی کا تعارف و خصوصیات

اموی عہد میں عرب ہر جگہ پیش پیش نظر آتے تھے لیکن عباسی خلافت کے وجود میں آنے کے بعد یہ مرتبہ عربوں کے ہاتھ سے نکل کر عجمیوں میں منتقل ہو گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عباسیوں کو اقتدار میں لانے کے لیے عجمیوں نے جی جان سے محنت و کوشش کی تھی۔ اس لیے حکومت کے اہم شعبوں پر ان کا قبضہ ہو گا اور اہل عرب کا جو اثر ورسوخ اموی عہد میں تھا اس کا خاتمہ ہو گیا۔ خلفائے عباسی عرب ہونے کے باوجود عربوں سے بدظن رہتے تھے اور اپنی فوج میں عربوں کو درکنار کر کے عجمی اور ترک کی بھرتی شروع کر دی۔

عباسی حکومت نے کم وبیش پانچ سو برس تک خلافت کی۔ اس دور نے کئی انقلابات کا سامنا کیا اور خلفا کی طاقت میں بھی کمی وبیشی ہوتی رہی لیکن مجموعی طور پر یہی خلفا تصور کیے جاتے رہے۔ مذہبی، تمدنی اور سیاسی لحاظ سے اس عہد کو تاریخ اسلام میں بہت مرتبہ حاصل ہے۔ تہذیب وتمدن، علوم وفنون اور تجارت کے فروغ دینے کے لحاظ سے عباسی دور کو برتری حاصل رہی ہے۔ 1258ء میں تاتاریوں نے بغداد میں عباسیوں کی حکومت تختہ پلٹ دیا۔ عباسی عہد دنیا کی عظیم حکومتوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ ان کی حکمرانی میں سیاست اور مذہب

دونوں کا اختلاط تھا۔ اچھے کردار کے حامل لوگ پرہیز گاری اور مذہب نوازی کے باعث ان کی عزت کرتے تھے۔ باقی لوگ ان کے طاقتوں سے خوف کھا کر یا اپنی امیدوں کی آس میں اطاعت بجالاتے تھے۔ عہد عباسی کے اکثر خلفا شریف اور بہترین اخلاق کے مالک تھے۔ اس عہد میں علم وادب کو بہت زیادہ فروغ دیا گیا۔ فنون اور کمالات کو عظمت حاصل تھی، خیرات وصدقات اور مذہبی امور کا خاص خیال رکھا جاتا تھا۔ عوام آسودہ اور بے فکر رہتی تھی۔ معاشرہ سماجی برائیوں سے پاک تھا۔ عباسیوں کے آخری عہد میں یہ ساری خوبیاں دھیرے دھیرے غائب ہو گئیں۔ سلطنت میں جبر واستبداد کا بول بالا ہو گیا اور حکومت کا نظام تتر بتر ہوتا چلا گیا۔ اسی وجہ سے ایک دن عباسی عہد کا بھی اقبال غروب ہو گیا۔

مورخین نے عباسی عہد کو تین حصوں میں بانٹا ہے۔ عباسی خلافت 750ء تا 1258ء تک قائم رہی۔ عباسی عہد معاشی اور سیاسی اعتبار سے اسلام کی تاریخ میں خاص اہمیت رکھتا ہے۔

پہلا دور ابو العباس سفاح سے شروع ہو کر متوکل علی اللہ پر ختم ہو جاتا ہے۔ یہ دور 750ء تا 861ء پر محیط ہے۔ اس دور کو خلافت عباسی کا عروج کہا جاتا ہے، اس عہد کے خلفا میں حکومت کی صلاحیت تھی اور انہوں نے اس کو بہتر طریقے سے چلایا۔ اس دور میں عجمیوں کو بہت اثر ورسوخ حاصل ہوا، برمکیوں کا عروج وزوال دونوں اسی عہد میں ہوا۔ اس میں شبہ نہیں کہ معتصم کے بعد خلافت عباسیہ کا زوال شروع ہو گیا تھا اور اس پر ترک حاوی ہو گیے تھے۔ اس کے باوجود بھی خلفا کے بہت کچھ اختیارات باقی تھے۔ مثلاً حکومت کا نظام ان ہی کے نام اور احکام وفرامین سے چلتا تھا۔ معتصم کے بعد خلافت بغداد چار صدیوں سے زیادہ قائم رہی۔

دوسرا دور 861ء تا 1074 تک کا ہے۔ اس عہد میں بالعموم خلفاء بہت کمزور تھے اور سلطنت کے پورے نظام کی دیکھ بھال امیر الامراء ہی کرتے تھے۔ اس دور میں بعض ایسے خلفاء بھی پیدا ہوئے جنہوں نے ترکوں کی قوت کو توڑنے اور ان کے حوصلے کو پست کرنے اور ان کا اقتدار گھٹانے کی کوشش کی۔ کچھ حد تک عارضی کامیابی بھی حاصل ہوئی۔ لیکن ستر ہواں خلیفہ مکتفی باللہ کے عہد میں جب بنی بویہ نے ترکوں کی جگہ لی تو انہوں نے خلفاء کا ظاہری احترام قائم رکھا لیکن ان کو عضو معطل بنا دیا اور حکومت کے تمام اختیارات اپنے قبضہ میں کر لیا اور خلفاء کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ ان کا بس نام باقی رہ گیا تھا۔ باقی تمام حکومت کے مالک بنی بویہ ہی تھے۔

تیسرا دور سلجوقیوں کی بالادستی کا ہے۔ یہ دور 1074ء تا 1258ء ہے۔ اس عہد میں خلیفہ برائے نام ہوتا تھا، حکومت کا پورا اختیار سلجوقیوں کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ لیکن سلجوقیوں نے عباسی خلفاء کی بزرگی اور وقار کو قائم کیا۔ سلجوقیوں نے اپنی کوششوں سے اسلامی دنیا کے ایک بڑے حصے کو متحد کیا جو عباسی خلفاء کے کمزور ہونے کی وجہ سے جدا ہو گیے تھے۔ آخری دور کے کچھ خلفاء نے سلجوقی حکمرانوں سے اپنے آپ کو آزاد کرا لیا تھا لیکن وہ حیثیت دوبارہ نہ قائم کر سکے۔ حکومت صرف عراق تک ہی محدود رہی۔ 1258 میں ہلاکو خاں نے اس حکومت کا خاتمہ کر دیا۔

1.5 ابوالعباس سفاح

عباسی خلافت کے پہلے خلیفہ " السفاح" کے لقب سے مشہور ہیں۔ ابوالعباس سفاح 104ھ /722ء میں حمیمہ میں پیدا ہوئے۔ اصل نام عبداللہ اور کنیت ابوالعباس تھی۔ سفاح امام ابراہیم کے تحریک بنوعباس میں مشیر خاص تھے۔ اس لیے امام ابراہیم جب گرفتار ہوئے تو اپنے بھائی ابوالعباس کو اپنا خلیفہ اور جانشین بنایا اور سب کو مخاطب کرکے کہا کہ تم سب کو ان کی اطاعت میری طرح کرنا واجب ہے۔ 749ء میں کوفہ میں آپ کے ہاتھ پر بیعت ہوئی لیکن اس وقت تک بنوامیہ کا آخری حکمراں مروان زندہ تھا۔ 750ء میں مروان کے خاتمے کے بعد اسے عالم اسلام کا خلیفہ تسلیم کیا گیا۔ بیعت خلافت کے بعد جمعہ کے دن ابوالعباس سفاح نے ممبر پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا۔ حالانکہ اس سے پہلے اموی حکومت کے خلفاء ممبر پر بیٹھ کر خطبہ دینے کے عادی تھے۔ جس پر عوام نے سفاح کو مبارک باد دی کہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ آپ نے نبی کریمؐ کے طریقے کو زندہ کیا۔

1.5.1 سفاح کا دور خلافت

آپ کے عہد کا بیشتر حصہ اموی حکومت کے مددگار عرب جرنل کی تادیب اور اموی حکومت کو جڑ سے ختم کرنے میں گزرا۔ سفاح کے انتقام سے سوائے عبدالرحمن داخل کے کوئی صاحب حیثیت اموی فرد نہ بچ سکا۔ سفاح کے انتقام سے وہ لوگ بھی نہ بچ سکے جو اموی حکومت کو اکھاڑ پھینکنے میں عباسیوں کے مددگار تھے۔ جب ابوالعباس سفاح کو یہ محسوس ہوا کہ یہ لوگ کسی طریقے سے بھی میرے راستے میں رکاوٹ ڈال رہے ہیں یا ڈال سکتے ہیں تو ان کی بیخ کنی میں تاخیر نہ کی۔ وزیر ابوسلمہ خلال کا قتل کروانا اس کی مثال ہے۔ مورخین فرماتے ہیں کہ سفاح ابومسلم خراسانی کے قتل کا بھی ارادہ کرچکا تھا لیکن موت نے وفا نہ کی اور وہ اس ارادے کی تکمیل نہ کرسکا۔ سفاح کے عہد میں ابوجعفر منصور نے ابومسلم کو ٹھکانے لگانے کے لیے بار بار اصرار کیا لیکن سفاح کو اس بات کا بھی خطرہ تھا کہ عباسی حکومت جن خراسانیوں کی وجہ سے قائم ہوئی ہے کہیں ابومسلم کے قتل سے باغی نہ ہو جائے۔ خون ریزی، سفاکی، بدعہدی اور پیمان شکنی کا مظاہرہ سفاح کے یہاں عام بات تھی۔ ابوالعباس کا عہد چیلنجز کا سامنا کرنے اور حکومت کو استحکام پہنچانے میں زیادہ گزرا۔ بنی عباس کے زیادہ تر مددگار عراق و خراسان میں تھے اس لیے ابوالعباس نے عراق کے قریب شہر انبار کو اپنا دارالسلطنت بنایا لیکن کچھ دنوں کے بعد اسی کے قریب ایک نیا شہر ہاشمیہ بنوا کر اس کو اپنا دارالخلافہ بنایا۔

عباسی دعوت چونکہ اہل بیت کے نام پر ہی پروان چڑھی تھی اس لیے بہت سے لوگوں نے اس تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ بنی امیہ کے خاتمے کے بعد حکومت جب اہل بیت کے بجائے بنوعباس میں منتقل ہوئی تو وہ لوگ ان کے مدمقابل کھڑے ہو گیے۔ محب اہل بیت نے بغاوت کی لیکن سفاح نے ان بغاوتوں پر قابو پالیا۔ موصل کے لوگ بنوعباس کو پسند نہیں کرتے تھے ان لوگوں نے بغاوت کی تو ابوالعباس سفاح نے اپنے بھائی یحیی بن محمد بن علی کو بارہ ہزار دستے کے ساتھ ان کی سرکوبی کے لیے بھیجا۔ یحیی بن محمد موصل پہنچ کر پہلے قصر امارت میں ٹھہرا اور اہل موصل کے بارہ معزز آدمیوں کو دھوکے سے بلا کر قتل کر دیا۔ یحیی بن محمد کے اس عمل سے موصل کے لوگ بھڑک گیے اور

جنگ کے لیے آمادہ ہو گیے۔ اس سنگین صورتحال کو دیکھتے ہوئے یحیی بن محمد نے اعلان کرادیا کہ جو شخص جامع مسجد میں داخل ہو جائے گا اسے امان حاصل ہو گی۔ اعلان کو سنتے ہی لوگوں نے جامع مسجد کی طرف دوڑ لگادی۔ مسجد کے دروازے پر یحیی بن محمد بن اپنے آدمی کھڑے کر دیے اور ہر داخل ہونے والے شخص کا قتل کر دیا گیا۔ گیارہ ہزار افراد کا اس طرح قتل کیا گیا اس کے بعد شہر میں قتل عام شروع ہوا۔ رات کے وقت یحیی بن محمد کے کانوں پر ان عورتوں کے آہ وبکا کی آواز گراں گزری جن کے بھائی، بیٹے، باپ یا شوہر اس ظلم کا شکار ہوئے تھے۔ یحیی نے صبح ہوتے ہی بچوں اور عورتوں کا بھی قتل کا حکم جاری کر دیا۔ تین دنوں کے لیے اہل شہر کا خون فوج کے لیے معاف کر دیا گیا۔ یحیی کی فوج میں چار ہزار زنگی بھی تھے جنہوں نے عورتوں کی بے حرمتی میں کوئی کسر نہ چھوڑی اور بہت ساری عورتوں کو اپنے ساتھ پکڑ کر لے گیے۔ چوتھے روز یحیی جب شہر کے معائنے کے لیے نکلا تو ایک عورت نے بڑی ہمت کر کے یحیی کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور پوچھا: کیا تم بنو ہاشم نہیں ہو؟ کیا تم رسول اللہؐ کے چچا کے لڑکے نہیں ہو؟ کیا تم کو یہ خبر نہیں ہے کہ مومنات و مسلمات سے زنگیوں نے جبراً نکاح کر لیا ہے۔ یحیی نے خاموشی اختیار کی اور اگلے روز زنگیوں کو مشاہرہ دینے کے بہانے بلا کر سب کو قتل کرنے کا حکم دے دیا۔ سفاح کو جب ان حالات کا علم ہوا تو اس نے اسماعیل بن علی کو موصل بھیج دیا اور یحیی کو فارس کی حکومت پر مامور کیا۔

1.5.2 اخلاق و کردار

ابوالعباس سفاح شریف النفس، باوقار، عقلمند اور بہترین اخلاق کا مجموعہ تھا۔ سخاوت اس کو بہت پسند تھی اپنے دور میں علویوں کو خوش رکھنے کے لیے ابوالعباس سفاح نے بے دریغ دولت خرچ کی۔ اگر ایک مرتبہ کسی سے کچھ دینے کا وعدہ کر لیتا تو اسے مکمل کرتا۔ اس کی عادت تھی کہ مجلس ختم ہونے سے پہلے اپنے وعدے کو پورا کر دیتا۔ ایک بار ابوالحسن علوی نے کہا کہ میں نے دس لاکھ درہم کا صرف نام سنا ہے لیکن آج تک دیکھا نہیں۔ سفاح نے دس لاکھ درہم خادم سے منگوا کر اس کے سامنے رکھ دیے اور اس کے بعد یہ درہم اس کے گھر پہنچا دیے۔ سفاح کے بال گھنگرالے تھے، لمبا قد اور سرخ سفید چہرہ تھا۔ علم و فضل کی نشست کا معتقد تھا اس معاملے میں عباسی خلفاء میں شاید ہی کوئی اس کے برابر ہو۔ ادب، موسیقی اور لٹریچر کے فن کی حوصلہ افزائی کرتا تھا۔ شاعروں اور موسیقاروں کو خوب انعامات سے نوازتا تھا۔ سفاح پردے کے پیچھے سے موسیقی کا لطف لیتا تھا اور وہیں سے داد دیتا تھا۔ کبھی کسی شاعر یا گویا اس کی محفل سے خالی ہاتھ نہیں گیا اور کہا کرتا تھا کہ یہ بڑی نامناسب بات ہے کہ دلی خوشی تو ہم اسی وقت حاصل کریں لیکن اس کا معاوضہ بعد کے لیے اٹھا رکھیں۔ اموی حکومت کی بیخ کنی میں اس نے بڑی سختی کی اسی وجہ سے اسلامی تاریخ میں اسے سفاح کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

1.6 بغداد

اسلامی حکومت قائم ہونے کے بعد نبی کریمؐ نے "مدینہ" کو دارالسلطنت بنایا۔ ایک عرصے تک دارالحکومت رہنے کے بعد جب حضرت علی خلیفہ ہوئے تو انہوں نے جنگ جمل کے بعد مدینہ کو چھوڑ کر کوفہ کو دارالخلافہ بنایا۔ اموی حکومت جب قائم ہوئی تو اس نے دمشق کو اپنا دارالخلافہ بنایا۔ عباسی حکومت جب قائم ہوئی تو ان کے پس پشت پر ایرانی اور عجمی تھے اس لیے انہوں فارس کے قریب اپنا دارالسلطنت

بنایا۔ فتوحات اسلامیہ کے دوران عراق میں جن دو شہروں کی بنیاد رکھی گئی اس میں کوفہ اور بصرہ تھے جس کو مسلمانوں نے باقاعدہ طور پر فوجی سرگرمیوں کا اڈہ بنایا۔ کوفہ دریائے فرات پر واقع تھا۔ سفاح جب کوفہ پہنچے تو انہوں نے ایک قصر میں سکونت اختیار کی، جو انبار کے قریب تھا۔ انبار پرانا ایرانی شہر تھا جو دریائے فرات کے مشرق کی طرف واقع تھا۔ یہیں پر ابوالعباس سفاح نے اپنے جد اعلی ہاشم بن عبد مناف کے نام "پر ہاشمیہ" کی بنیاد ڈالی اور دارالخلافہ بنایا۔

سفاح کی وفات کے بعد منصور جب خلیفہ بنا تو کچھ بغاوتیں ہوئیں اس پر قابو پا کر اور راستے سے ان تمام خطروں کو ہٹا کر جو حکومت کے لیے نقصان دہ ہو سکتے تھے۔ عباسی خلافت کو مزید مستحکم کے لیے اس نے محسوس کیا کہ یہ جگہ عباسیوں کے دارالسلطنت کے لیے مناسب نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ شہر کوفہ سے قریب ہے اور کوفہ شروعاتی دور سے ہی شیعوں کا مرکز رہا ہے۔ منصور نے نئے دارالسلطنت کی ضرورت محسوس کی اور اس کے انتخاب کے لیے اس نے نمائندوں اور کارندوں کو روانہ کیا۔ ان نمائندوں نے ایک جگہ کا انتخاب کیا اور منصور نے وزراء اور امراء کے ساتھ اس جگہ کا معائنہ کیا۔ ایک رات بسر کی اور صبح سبھی لوگوں سے اس جگہ کے بارے میں رائے لی۔ منصور نے اس علاقے کو یہ کہہ کر پسند نہیں کیا کہ رعایا کے لیے کوئی سہولت موجود نہیں ہے۔ منصور جب اس مقام کو دیکھنے جا رہا تھا تو راستے میں ایک جگہ پر بحری اور بری قافلے گزر رہے تھے منصور نے اس کو دارالخلافہ بنانے کے لیے مناسب سمجھا۔ اس جگہ کی آب وہوا دیکھنے کے لیے منصور نے ایک دن ورات ٹھہرا۔ اس کے بعد آس پاس کے علاقوں کے رہنے والے لوگوں سے بھی منصور نے رائے لی۔ سردی، گرمی اور ٹھنڈک میں اس جگہ کی موسم وآب وہوا کے بارے میں مکمل جانکاری حاصل کی اور اس جگہ "بغداد" کا انتخاب کیا۔ بقول ابن خلدون منصور نے ان تمام شرطوں کا خاص خیال رکھا جو دارالحکومت کے لیے ضروری ہیں۔ مثلاً جس شہر کو دارالحکومت بنایا جائے وہ بلندی پر واقع ہو، دریا اس کے ارد گرد بہتا ہو اور دریا کو پار کیے بغیر کوئی شخص شہر میں داخل نہ ہو، آب وہوا معتدل اور خوشگوار ہو تاکہ مرض پھیلنے کا ڈر نہ رہے۔ زراعتی زمین قریب ہوں تاکہ عوام کے لیے غذائی انتظام کیا جا سکے۔ حالانکہ اس سے پہلے اسلامی دارالحکومت میں ان باتوں کا مطلق خیال نہیں رکھا گیا تھا۔

بغداد کا نام منصور نے "مدینۃ السلام" رکھا لیکن اس شہر کو بغداد کے نام سے زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔ منصور نے اس شہر کو بنوانے سے پہلے ایک نقشہ تیار کروایا اور اس کے مطابق اس شہر کو بنوایا۔ اس کام کے لیے اس نے موصل، شام، بصرہ اور کوفہ وغیرہ سے انجینیر، معمار اور مزدوروں کو کام کرنے کے لیے بلوایا۔ ان کی تعداد ایک لاکھ کے قریب پہنچتی ہے۔ اس کے علاوہ ایک کمیٹی بنائی گئی جس میں ان لوگوں کو رکھا گیا جن کی ایمانداری اور علم وفضل پر سب کا اتفاق تھا۔ اس شہر کی بنیاد منصور نے اپنے ہاتھوں سے رکھی۔ بنیاد رکھنے سے پہلے منصور نے نجومیوں سے وقت کے متعلق معلومات حاصل کیں۔ نجومیوں نے اس وقت کو برکت والا بتایا۔ منصور نے بغداد کی بنیاد کے موقع پر ایک بڑا جشن منعقد کیا جس میں امراء، وزراء، فوجی جرنل اور علماء وفقہاء کو مدعو کیا گیا۔ منصور نے بغداد کو مدور (گول، دائرہ نما) بنوایا۔ اپنے محل اور جامع مسجد کو شہر کے بیچ میں بنوایا تاکہ ان عمارتوں کو مرکزی حیثیت حاصل رہے۔ محل اور مسجد کے آس پاس کوئی اور عمارت نہیں بنوائی، ایک عمارت باب شام کی طرف بنوائی جس میں حفاظتی دستہ رہتا تھا۔ اس کے اندر ایک مکان پولیس افسر کے لیے خاص

تھا اور دوسرا چیف باڈی گارڈ کے لیے تھا۔ اس کے قریب میں منصور نے اپنی آل واولاد اور ان کی خدمت گزاروں کے لیے مکان بنوائے۔ اس کے ارد گرد امراء، سلطنت اور دیگر ممتاز لوگوں کے مکان اور حکومت کے آفس اور لنگر خانہ موجود تھا۔ آفس کے قریب میں عام شہریوں کے مکانات تھے۔ ان کے درمیان میں بازار تھا۔ شہر بغداد کے لیے چار بڑی سڑکیں تیار کی گئیں جن سے بغداد کی دوسری سڑکیں مل جاتی تھیں۔ اس کے علاوہ دوسری سڑکیں بھی ملتی تھی۔

منصور نے بغداد میں شہر پناہ بنوانے کا حکم دیا۔ ایک داخلی شہر پناہ۔ جس میں برج یا دیدبان تھے۔ دوسرا خارجی شہر پناہ۔ اس کے ارد گرد گہری خندق تھی جس میں نہریں جاری رہتی تھی۔ خارجی شہر پناہ کے چار پھاٹک تھے اور ہر پھاٹک کے اندر ایک اور پھاٹک تھا۔ ان میں سے ایک کا نام باب الکوفہ جو جنوب مغرب میں تھا۔ دوسرے کا نام باب البصرہ جو جنوب مشرق میں تھا۔ تیسرا پھاٹک باب الخراسان جو شمال مشرق میں تھا۔ چوتھا اور آخری باب الشام جو شمال مغرب میں تھا۔ شہر پناہ کے اوپر برجیاں تھیں اور ہر برج پانچ ہاتھ اونچی تھی۔ داخلی اور خارجی پناہوں کے درمیان میں 60 ہاتھ کا فاصلہ تھا جس کو فصیل کہا جاتا تھا۔ شہر کے ہر پھاٹک کی حفاظت میں ایک فوجی افسر متعین ہوتا تھا اور اس فوجی افسر کے تابع ایک ہزار سپاہی ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ منصور نے اپنا محل تعمیر کروایا تھا جس کو "قصر الذھب" کہا جاتا تھا۔ محل کے بالکل سامنے جامع مسجد تھی۔ شہر بغداد کی سڑکوں کے آخری حصے سے قصر خلیفہ بالکل صاف دکھائی دیتا تھا۔ شہر کی تکمیل کے بعد بغداد خوابوں کا شہر ہو گیا۔ غرض بغداد میں علماء، تاجر اور کاریگروں کی بہتات ہو گئی۔ منصور نے بغداد کی قریبی بستیوں کو چار حصوں میں بانٹا اور ہر بستی میں ایک سردار یا رئیس مقرر کیا جس کی ذمہ داری میں بازاروں کا انتظام، سڑکوں اور گلیوں کی مرمت، صفائی کا انتظام، نقشے کے حساب سے مکانات بنوانا یہ سب شامل تھا۔ غرض بغداد کی تعمیر میں منصور نے بے تحاشا دولت خرچ کی۔ منصور اس شہر کی مضبوطی میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ اس کی منشا تھی کہ بڑے بڑے دارالسلطنت بالخصوص قسطنطنیہ کی شان وشوکت کے ہم پلہ ہو۔ طبری کے بیان کے مطابق اس شہر کو بنوانے میں اڑتالیس لاکھ تینتیس ہزار درہم اس وقت صرف ہوئے۔ عباسیوں کے شروعاتی خلفاء کے عہد میں بغداد کو پوری مرکزیت حاصل رہی۔ مورخین نے ان الفاظ میں شہر بغداد کی تعریف کی ہے: "بغداد بہشت ارضی ہے، سلامتی کا شہرہ ہے، اسلام کا قبہ ہے، شہروں کے جبین کا چمکتا نشان ہے، عراق کی آنکھ ہے، مسلمانوں کا دارالسلطنت ہے، ساری خوبیوں کا جامع ہے، عجائب وغرائب کا معدن ہے، یہاں ہر فن کے ماہر موجود ہیں۔" عباسی عہد کے نحو وادب کے ماہر ابو اسحاق زجاج کا قول ہے: "بغداد دنیا کی راجدھانی ہے اور باقی دنیا اس کے مقابلے میں جنگل ہے۔"

1.7 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- یہ حقیقت ہے کہ دعوت عباسی سے پہلے بھی اور کئی تحریکیں جنم لیں لیکن جو مقبولیت اور بلندی دعوت عباسی کو حاصل ہوئی وہ کسی اور کے حصہ میں نہ آئی۔

- عباسی دعوت کی تبلیغ میں اس بات کا خاص خیال رکھا گیا کہ کسی ایک شخصیت کو آگے نہ بڑھایا جائے بلکہ اہل بیت کو خلافت کا مستحق ثابت کیا جائے اور اہل بیت کے نام پر ہی بیعت لی جائے۔
- عباسی دور کے قیام میں ابو مسلم خراسانی کا بہت بڑا رول رہا ہے۔ عباسی جرنلوں میں سب سے اہم کردار اس شخص نے ادا کیا۔
- عباسی تحریک میں ایرانیوں نے جان کی بازی لگا کر اس کی حصولیابی کی پرزور کوشش کی اس کے پیچھے ایرانی اقتدار کی راہ کو ہموار کرنا تھا۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ عربوں کی طاقت کا خاتمہ اور عباسی خلافت کے تمام اداروں میں ایرانیوں کی بالادستی حاصل تھی۔ اس کے باوجود بھی نو مسلم ایرانیوں نے اس پر اکتفانہ کیا بلکہ طرح طرح کی لادینی تحریک لا کر اسلام کو کمزور کرنے کی کوششیں کیں۔
- بنی امیہ کی اہمیت ختم ہوتے ہی شام کے لوگوں کو بھی اپنی اہمیت کا اندازہ ہو گیا۔ ان کا خیال تھا کہ مروان کا معاملہ شامیوں کا معاملہ نہیں ہے۔ حکومت کا دارالخلافہ دمشق سے کوفہ اور پھر بغداد ہو گیا۔ عباسیوں کا شروع سے جھکاؤ عراقیوں کی طرف تھا اس لیے شامیوں کو جو فضیلت حاصل تھی وہ ختم ہو گئی۔
- 750ء میں مروان کے خاتمے کے بعد ابو العباس سفاح عالم اسلام کے خلیفہ تسلیم کیے گیے۔ بیعت خلافت کے بعد جمعہ کے دن ابو العباس سفاح نے ممبر پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا۔ حالانکہ اس سے پہلے اموی حکومت کے خلفاء ممبر پر بیٹھ کر خطبہ دینے کے عادی تھے۔ جس پر عوام نے سفاح کو مبارک باد دی کہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ آپ نے نبی کریمؐ کے طریقے کو زندہ کیا
- ابو العباس سفاح کے دور کا بیشتر حصہ اموی حکومت کے مددگار عرب جرنل کی تادیب اور اموی حکومت کو جڑ سے ختم کرنے میں گزرا۔ سفاح کے انتقام سے سوائے عبد الرحمن داخل کے کوئی صاحب حیثیت اموی فرد نہ بچ سکا۔ سفاح کے انتقام سے وہ لوگ بھی نہ بچ سکے جو اموی حکومت کو اکھاڑ پھینکنے میں عباسیوں کے مددگار تھے۔ جب ابو العباس سفاح کو یہ محسوس ہوا کہ یہ لوگ کسی طریقے سے بھی میرے راستے میں رکاوٹ ڈال رہے ہیں یا ڈال سکتے ہیں تو ان کی بیخ کنی میں تاخیر نہ کی۔

1.8 نمونہ امتحانی سوالات

1.8.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. عباسی حکومت 750ء تا۔۔۔۔ قائم رہی؟

(a).1258ء (b).1171ء (c).1501ء (d).808ء

2. سفاح کس کا لقب تھا؟

(a).ابو العباس (b).ابو جعفر (c).ابو مسلم (d).مروان دوم

3. جنگ زاب میں مروان کے مقابلے میں کون گیا؟

(a). عبداللہ بن علی (b). ابو جعفر منصور (c). امام ابراہیم (d). محمد بن علی

4. ابو مسلم کہاں سے تعلق رکھتا تھا؟

(a). خراسان (b). مکہ (c). مدینہ (d). مصر

5. عباسی تحریک اپنی دعوت میں کس کی بیعت لیتے تھے؟

(a). اہل بیت (b). بنو ہاشم (c). بنو عباس (d). تمام غلط

6. پہلے عباسی خلیفہ کا نام بتائیں؟

(a). ابو العباس (b). ابو جعفر منصور (c). عبداللہ بن علی (d). ابو مسلم خراسانی

7. بغداد کا نام "مدینۃ السلام" کس نے رکھا تھا؟

(a). ابو جعفر منصور (b). ہارون (c). ابو العباس (d). مہدی

8. ابو العباس سفاح نے کس کو دارالخلافہ بنایا؟

(a). ہاشمیہ (b). دمشق (c). بغداد (d). مدینہ

9. ۔۔۔۔۔۔کے انتقام سے سوائے عبدالرحمن داخل کے کوئی صاحب حیثیت اموی فرد نہ بچ سکا؟

(a). ابو العباس سفاح (b). ابو جعفر منصور (c). ہارون رشید (d). سب غلط

10. محل "قصر الذہب" کس نے تعمیر کروایا؟

(a). ابو جعفر منصور (b). ابو العباس سفاح (c). مہدی (d). ابو مسلم خراسانی

1.8.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. ابو العباس سفاح کے دور خلافت پر بحث کیجیے۔
2. ابو العباس کے اخلاق و کردار پر نوٹ لکھیے۔
3. عباسی حکومت کے قیام میں ابو مسلم خراسانی کی خدمات کا جائزہ لیجیے۔
4. اموی اور عباسی میں فیصلہ کن جنگ پر بحث کیجیے۔
5. عباسی عہد قائم ہونے کے بعد انتقامی کاروائی پر اپنی معلومات قلم بند کیجیے۔

1.8.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. عباسی حکومت کے قیام کا پس منظر واضح کیجیے۔

2. عباسی دور کا تعارف کراتے ہوئے اس کی خصوصیات کو بیان کیجیے۔
3. شہر بغداد کی تعمیر و ترقی پر ایک جامع مضمون قلم بند کیجیے۔

1.9 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. تاریخ اسلام (جلد سوم) : شاہ معین الدین ندوی
2. تاریخ اسلام (جلد دوم) : شاہ اکبر نجیب آبادی
3. ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ : ثروت صولت
4. تاریخ اسلام : ڈاکٹر حمید الدین
5. تاریخ اسلام : سید امیر علی
6. مسلمانوں کی سیاسی تاریخ (جلد دوم) : ڈاکٹر حسن ابراہیم، مترجم علیم اللہ صدیقی

اکائی 2: عباسی دور کے اہم حکمراں (حصہ اول)

اکائی کے اجزا:

2.0 تمہید

2.1 مقاصد

2.2 ابو جعفر منصور

2.2.1 بغاوت عبداللہ بن علی

2.2.2 ابو مسلم خراسانی

2.2.3 بغاوتیں

2.2.4 محمد بن عبداللہ بن حسن کا خروج

2.2.5 بغداد کی تاسیس

2.2.6 زندگی کے حالات اور کارنامے

2.2.7 وفات

2.3 ہارون رشید

2.3.1 بغاوتیں

2.3.2 فتوحات

2.3.3 برمکی خاندان

2.3.4 برامکہ کا زوال

2.3.5 ولایت عہد

2.3.6 سیرت اور وفات

2.4 اکتسابی نتائج

2.5 نمونہ امتحانی سوالات

2.5.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

2.5.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

2.5.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

2.6 تجویز کردہ اکتسابی مواد

2.0 تمہید

اسلامی تاریخ میں تیسرا دور عباسی حکومت کی سیاست سے شروع ہوتا ہے۔عباسی حکومت تقریباً 500 سالوں تک قائم رہی۔ عباسیوں کے اقتدار میں آتے ہی شام کی وہ حیثیت نہ رہی کیوں کہ حکومت کا مرکز عراق منتقل ہو چکا تھا۔ اس عہد کے مشہور خلفاء ابو جعفر منصور، ہارون رشید، مامون اور معتصم باللہ شمار کیے جاتے ہیں۔اس اکائی میں آپ ابو جعفر منصور اور ہارون رشید کے عہد کے بارے میں پڑھیں گے اور طلبہ واقف ہوں گے کہ ابو جعفر منصور عباسی خلافت کی جدوجہد اور اس کے انتظام وانصرام میں ابو العباس کا دست راست تھا۔ ابو جعفر منصور نے اولوالعزمی اور ثابت قدمی کی وجہ سے سب پر غلبہ حاصل کر لیا۔ در حقیقت ابو جعفر نے عباسی حکومت کو بہت مضبوط کر دیا تھا۔ ہارون رشید نے فلاح و بہبود، علم و ادب، شان و شوکت ہر لحاظ سے دولت عباسیہ کو عروج پر پہنچایا۔

2.1 مقاصد

اس اکائی میں آپ جانیں گے کہ عباسی حکومت میں منصور اور ہارون نے کس طریقے سے حکومت کو مضبوطی فراہم کی اور ان کے عہد میں جو بغاوتیں ہوئیں ان پر کیسے قابو پایا۔ اس کے ساتھ ہی اس عہد کی خصوصیات کیا ہیں اس سے بھی واقفیت حاصل ہو گی۔

2.2 ابو جعفر منصور

ابو جعفر کا پورا نام ابو جعفر عبد اللہ بن محمد المنصور تھا۔ ابو جعفر ان کی کنیت اور المنصور لقب تھا۔

آپ 95ھ / 714ء میں قصبہ حمیمۃ میں پیدا ہوے۔ ابو جعفر منصور کی ماں سلامہ بربر کنیز تھیں۔ منصور تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے دور دراز کے سفر کیے اور جہاں کسی محدث یا صاحب علم کا پتہ لگ جاتا تو ان سے علم حاصل کرتے۔ منصور بہت بہادر اور عقل مند شخص تھے۔ کھیل کود سے بہت دور رہتے تھے۔ ادب و فقہ میں مہارت رکھتے تھے۔ سفاح کی جب وفات ہوئی اس وقت منصور مکہ میں موجود تھے تو دارالحکومت میں آپ کے چچا عیسیٰ بن علی نے آپ کی طرف سے بیعت لی اور وہ کوفہ کی طرف روانہ ہوا۔ ابو جعفر نے منصور کے خطاب سے سلطنت اپنے ہاتھ میں لی۔ 754ء میں اکتالیس سال کی عمر میں تخت پر بیٹھا۔ ابو العباس سفاح نے اپنے دور حکومت میں بنو امیہ کا زور ختم کر دیا تھا اس لیے ابو منصور کو ان کی طرف سے اطمینان تھا لیکن بنو امیہ کی طاقت ختم ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا۔ منصور کے

خلیفہ بنتے ہی مختلف مسائل و مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ حکومت کے مختلف حصوں میں بغاوت کی آگ بھڑکی علویوں نے الگ زور پکڑا اور عباسی خاندان کے افراد بھی تخت خلافت کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے لیکن منصور کی ہوشیاری اور سوجھ بوجھ نے تمام مشکلات پر قابو پایا۔

2.2.1 بغاوت عبداللہ بن علی

عیسی بن موسی نے جب عبداللہ بن علی کو سفاح کی وفات کی خبر دی تو یہ ظاہر کر دیا کہ سفاح نے اپنے بعد ولی عہد منصور کو منتخب کیا ہے۔ عبداللہ بن علی جو شام کی امارت پر مامور تھے لوگوں کو اکٹھا کیا اور کہا کہ جب سفاح حران کی طرف فوج روانہ کرنا چاہا تو کوئی تیار نہیں ہوا۔ اس نے کہا کہ جو شخص بھی حران میں کامیاب ہو گا وہ میرے بعد خلیفہ ہو گا۔ غرض اس مہم پر میں روانہ ہوا اور مروان بن محمد اور دوسرے اموی سرداروں کو شکست دے کر ان کا خاتمہ کیا۔ اس دعویٰ پر بہت سارے لوگوں نے گواہی دی اور ایک جماعت نے عبداللہ بن علی کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ منصور کو جب خبر ہوئی کہ عبداللہ بن علی باغی ہو گیا ہے تو ابو مسلم خراسانی سے مدد مانگی پہلے ابو مسلم خراسانی نے اس معاملے سے دور رہنا مناسب سمجھا لیکن پھر تیار ہو گیا۔ اپنی فوج کے ساتھ ابو مسلم خراسانی نے شام کی طرف کوچ کیا اور چالا کی سے نصیبین میں بہترین لشکر گاہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ دونوں فوجوں میں تصادم ہوا اور یہ لڑائی کئی مہینوں تک جاری رہی بالآخر ابو مسلم خراسانی کو فتح حاصل ہوئی۔ عبداللہ بن علی نے میدان سے راہ فرار کرنے میں عافیت سمجھی اور بصرہ میں اپنے بھائی سلیمان بن علی کے پاس پناہ لی۔ سلیمان نے کوشش کر کے منصور سے عبداللہ بن علی کی غلطی معاف کروادی لیکن معافی ملنے کے بعد بھی عبداللہ جب منصور کے پاس پہنچا تو اس نے قید میں ڈلوا دیا اور وہیں اس کی وفات ہوئی۔

2.2.2 ابو مسلم خراسانی

نصیبین میں عبداللہ بن علی پر فتح حاصل کرنے کے بعد بہت سا مال غنیمت ہاتھ آیا۔ منصور نے اس کی فہرست بنانے کے لیے اپنے آدمی کو بھیجا۔ ابو مسلم بہت خفا ہوا اور کہا کہ جنگ و جدال کے لیے تو مجھ پر بھروسہ کیا جاتا ہے لیکن مال کے معاملے میں یہ اعتبار ختم ہو جاتا ہے۔ اس واقعہ سے دونوں میں کشیدگی پیدا ہو گئی اور مخالفت کی شکل اختیار کرلی۔ یہاں سے ابو مسلم خراسان جانا چاہتا تھا لیکن منصور کو اندازہ تھا کہ خراسان عباسی تحریک کا مرکز اور ابو مسلم کے اثر و قوت کا مرکز ہے اگر ابو مسلم وہاں پہنچ گیا تو اس کا مقابلہ کرنا آسان نہ ہو گا۔ منصور نے اس کو مصر و شام کی گورنری عطا کر دی۔ ابو مسلم کو اندازہ ہو گیا کہ منصور اس کو خراسان سے جدا کر کے اس کے اثر کو کم کرنا چاہتا ہے۔ ابو مسلم نے یہ گورنری منظور نہ کی اور یہ لکھ بھیجا کہ "میں دور سے ہی آپ کی اطاعت کروں گا۔ آپ کے تمام دشمنوں کو میں نے مغلوب کر دیا ہے۔ اب جب کہ آپ کے خطرات دور ہو گیے ہیں تو آپ کو میری ضرورت بھی باقی نہیں رہی۔ اگر آپ مجھ کو میرے حال پر چھوڑ دیں گے تو میں آپ کی اطاعت سے باہر نہ ہوں گا اور اپنی بیعت پر قائم رہوں گا لیکن اگر آپ میرے درپے رہے تو میں آپ کی خلع خلافت کا اعلان کر کے آپ کی مخالفت پر آمادہ ہو جاؤں گا۔"

صورتحال دیکھ کر ابو منصور کسی طرح ابو مسلم کو خراسان جانے سے روکنا چاہتا تھا اس کے لیے اس نے حیلہ بازی سے کام لیا اور اس میں کامیاب ہو گیا۔ ابو مسلم خراسانی جب دربار پہنچا تو بڑی گرم جوشی سے اس کا استقبال کیا گیا اور چند عرصے اس کی ایسی خدمت کی گئی کہ وہ

پھولا نہ سماتا۔ اس طرح ابو مسلم کا دل منصور کی طرف سے صاف ہو گیا۔ ایک دن منصور نے ابو مسلم کے آنے سے پہلے ہتھیار بند آدمی چھپا دیے۔ مقررہ وقت پر جب ابو مسلم دربار میں حاضر ہوا تو اس کی تلوار باہر رکھوالی گئی۔ منصور اور ابو مسلم میں ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں پھر منصور نے اپنا طرز بدلا اور کہا کہ تم اپنی حدود میں کتنا آگے بڑھتے جاتے ہو۔ غرض اس نے ابو مسلم کے جرائم کی فہرست بتائی اور ابو مسلم معذرت میں اس کی دست بوسی کرتا رہا لیکن منصور نے اشارہ کیا اور ہتھیار بند آدمی عقب سے نکل کر اس پر ٹوٹ پڑے۔ اس طرح عباسی حکومت کے بہادر جرنل کا خاتمہ ہو گیا۔

ابو مسلم اپنے آپ کو عباسی سلطنت کا بانی تصور کرتا تھا۔ اس کو اعتماد تھا کہ یہ حکومت اس کی طاقت پر قائم ہے اس لیے وہ من مانے طریقے سے حکومت چاہتا تھا۔ منصور جیسے حکمراں کے زمانے میں یہ ممکن نہ تھا کیوں کہ منصور سے جب سے نااتفاقی ہوئی تھی تب سے ہی منصور اس کا خاتمہ کرنا چاہتا تھا لیکن علانیہ اس کا قتل نہیں کر سکتا تھا اس لیے منصور نے یہ راستہ اختیار کیا۔ ابو مسلم جب تک زندہ رہا تو منصور اپنے آپ کو محفوظ نہیں سمجھتا تھا۔ ابو مسلم کے قتل کے بعد ہی جعفر بن حنظلہ نے ابو مسلم کی لاش کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا کہ "امیر المومنین آج سے آپ کی خلافت شمار کی جائے گی"۔

2.2.3 بغاوتیں

ابو مسلم کے قتل کے بعد صورتحال خراسان میں بگڑ گئی اور فیروز سنباد نامی ایک مجوسی انتقام کے لیے کھڑا ہو گیا۔ خراسان کے علاقے کوہستان میں عجمیوں نے ساتھ دیا جس کی مدد سے سنباد نے خراسان کے بڑے حصے پر قبضہ کر لیا۔ منصور کو جب اس کا علم ہوا تو اس نے جمہور بن مرار عجلی کو دس ہزار فوج دے کر روانہ کیا۔ جمہور نے سنباد کو شکست دی لیکن فوج کا مال ومتاع بھیجنے کے بجائے اپنے قبضے میں لے لیا اور سوال وجواب کے ڈر سے بغاوت کر دی۔ اب منصور نے محمد بن اشعث کو فوج کے ساتھ بھیجا اور محمد بن اشعث نے جمہور کو شکست دی۔ 41ھ میں فرقہ راوندیہ کے نام کا ایک فتنہ اٹھ کھڑا ہوا۔ یہ ایک چھوٹا عجمی گروہ تھا جو تناسخ کا قائل تھا۔ یہ لوگ عام طور پر ابو مسلم کی اتباع کرتے تھے اور ان کا اعتقاد تھا کہ آدمؑ کی روح نے عثمان بن نہیک میں اور جبرئیل نے ہشیم بن معاویہ میں حلول ہو گئی ہے۔ ان لوگوں نے منصور کے محل کا گھیراؤ کر لیا اور شور مچانے لگے کہ یہ ہمارے رب کا محل ہے۔ منصور نے ان کے سرداروں کو قید کر لیا اور راوندیہ ان کو قید خانے سے چھڑا لے گیے، شہر میں ہر طرف ہنگامہ برپا ہو گیا تھا۔ اس نازک وقت میں معن بن زائدہ شیبانی نے بہادری سے مقابلہ کر کے بلوائیوں کو شکست دے دی۔ اس کے علاوہ ابو جعفر منصور کے دور میں کئی اور اہم بغاوتیں ہوئیں۔

141ھ میں عبد الجبار بن عبد الرحمن جو خراسان کا والی تھا اس نے بغاوت کر دی۔ اس بغاوت کی سرکوبی کے لیے منصور نے مہدی اور خزیمہ بن خازم کو روانہ کیا۔

142ھ میں عینیہ بن موسی جو کہ سندھ کا عامل تھا، بغاوت کر دی اور منصور نے عمرو بن حفص بن ابی صفرہ عتکی کو سندھ و اضلاع ہندوستان کا گورنر بنا کر عینیہ کے مقابلے میں بھیجا۔ اس نے پہنچتے ہی شکست دی اور سندھ پر قبضہ کر لیا۔

148ھ میں خارجی حسان بن مجالد ہمدانی نے موصل کے قریب بغاوت کا آغاز کیا اور اردگرد کے علاقوں میں قتل وغارت اور لوٹ

مار کا بازار گرم کر کے وہاں کے حاکم کو شکست دی۔ سرکاری فوج کی ناکامیوں سے منصور سخت پریشان ہوا چنانچہ انھوں نے دار الخلافت سے مزید افواج روانہ کیں اور بغاوت کو دبا دیا۔

150ھ میں خراسان کے مضافات میں ایک شخص استاد سیس نامی نے نبوت کا دعوی کیا اور اس علاقے کے آس پاس کے لوگ اس کی اتباع کرنے لگے۔ جن کی مدد سے وہ خراسان کے ایک بڑے حصے پر قابض ہو گیا۔ منصور کو جب اطلاع ملی تو اس نے خزیمہ بن خازم کو بارہ ہزار فوج کے ساتھ شہزادہ مہدی کی طرف روانہ کیا۔ مہدی نے اس کو مزید 20 ہزار فوج دے کر استاد سیس کی سرکوبی پر مامور کیا۔ خزیمہ نے بہت انتظام وانصرام کے ساتھ اس مقابلے کی تیاری کی اور ستر ہزار آدمی اس جنگ میں قتل کیے گیے اور چودہ ہزار گرفتار ہوئے۔ خزیمہ نے بڑی خوش اسلوبی سے اس فتنہ کا خاتمہ کیا۔

2.2.4 محمد بن عبد اللہ بن حسن کا خروج

عہد بنو امیہ کے آخری دور میں تمام بنو ہاشم کے افراد کو جمع کیا گیا اور خلیفہ کی بابت مشورہ کیا گیا اور اس پر سب کا اتفاق ہوا کہ محمد بن عبد اللہ بن حسن مثنی بن علی کو خلیفہ بنایا جائے۔ اس بیعت میں منصور بھی شریک و سہیم تھا۔ سفاح نے اپنے عہد خلافت میں اس پر زور دیا کہ علویوں کو خاموش رکھا جائے اور انعام واکرام کے ذریعے وہ اس میں کامیاب بھی رہا لیکن منصور نے اس پالیسی پر عمل نہ کیا۔ منصور کے خلیفہ ہوتے ہی عبد اللہ بن حسن نے اپنے دونوں بیٹوں محمد (محمد کو مہدی اور نفس ذکیہ کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے) اور ابراہیم کو روپوش کر دیا کہ کہیں منصور ان کو قتل نہ کرادے۔ ادھر منصور ہر شخص سے مہدی کے بارے میں دریافت کرتا اور اتنا مشہور ہو گیا کہ منصور کو مہدی کی بڑی تلاش ہے۔ منصور نے ان کا پتہ لگانے کے لیے محمد اور ابراہیم کے رشتہ داروں کو گرفتار کیا اور ان پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے گیے۔ مظالموں کی داستان سن کر محمد نفس ذکیہ برداشت نہ کر سکے اور مدینہ میں 145ھ میں خروج کیا۔ امیر مدینہ رباح مقابلہ کرنا چاہا لیکن گرفتار ہو گیا اور محمد نفس ذکیہ کا مدینہ پر قبضہ ہو گیا۔ مدینہ کا انتظام کرنے کے بعد نفس ذکیہ مکہ گیے اور وہاں بھی لوگوں نے ان کی حمایت کی۔ منصور کو جب اس کی اطلاع ملی تو وہ سخت پریشان ہوا۔ منصور نے ایک خط مہدی کے بطور امان نامہ لکھا۔ غرض دونوں کی طرف سوال وجواب کا سلسلہ خطوط کے ذریعہ شروع ہوا اور اس خط وکتابت میں سوائے فخر ومباہات اور اظہار عیوب کے کچھ نہ تھا۔ بالآخر منصور نے عیسیٰ بن موسی کو نفس ذکیہ کے مقابلے میں چھ ہزار پر مشتمل ایک لشکر بھیجا اور دونوں فوجوں میں گھمسان کا رن پڑا۔ نفس ذکیہ کے سینے پر حمید بن قحطبہ ایک بھالا مارا جس سے ان کی زندگی کا خاتمہ ہو گیا اور آپ کا سر کاٹ کر منصور کے پاس بھیج دیا گیا۔ مہدی نے جب مدینہ میں خروج کیا تو ساتھ ہی میں ابراہیم سے خروج کرنے کا مطالبہ کیا۔ اگر اس وقت ابراہیم خروج کر دیتے تو منصور کے لئے مشکلات پیدا ہو جاتی لیکن ابراہیم کی طبیعت ناساز تھی اس لیے انہوں نے خروج کرنے میں تاخیر کی۔ منصور نے جب مہدی کے خلاف لشکر بھیجا تو 145ھ میں ابراہیم نے بصرہ میں خروج کیا اور ایک ماہ کی قلیل مدت میں خلافت بنی عباس کے بڑے علاقے پر قبضہ کر لیا۔ اسی بیچ نفس ذکیہ کے قتل کی خبر پہنچی اس خبر سے اکثر کے جوش ٹھنڈے پڑ گیے۔ منصور نے ابراہیم کے مقابلے میں مدینہ سے عیسیٰ کو، رے سے مسلم بن قتیبہ کو اور خراسان سے مہدی کو روانہ ہونے کا حکم دیا۔ ابراہیم چاروں طرف سے لشکر میں گھر گیے پھر بھی انہوں نے بہادری کا مظاہرہ کیا لیکن ساکنان کوفہ نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا اور

لڑتے لڑتے زخمی ہو کر گر گیے تو ان کا سر اتار کر منصور کے پاس بھیج دیا گیا۔

نفس ذکیہ اور ابراہیم نے چند روزہ بلندی میں ہی اپنی بہادری کا ثبوت دیا۔ یہ بات عیاں ہے کہ دونوں بزرگ محاسن اخلاق کے پیکر تھے اور ان کے مقابلے میں خلیفہ منصور میں کمیاں تھیں۔ اسی وجہ سے امام مالک اور امام اعظم ابو حنیفہ جیسی ہستیوں نے دونوں بھائیوں کی مدد کی اور ان کی حمایت میں فتویٰ دیا۔ جس کے پاداش میں دونوں کو سزاؤں کا سامنا کرنا پڑا۔

2.2.5 بغداد کی تاسیس

ابو جعفر منصور نے اپنے عہد میں جب حکومت کو استحکام ملا تو اس کے نظام میں وسعت اور ترقی ہوئی۔ بغداد نامی ایک جگہ آباد کر کے اس کو دارالخلافہ بنایا۔ اس جگہ کا انتخاب بھی منصور کی ذہانت کا نتیجہ تھا۔ یہ جگہ دجلہ و فرات کے قریب تھی اور اس کی وجہ سے بصرہ، واسط، شام، مصر، آذربائیجان، دیار بکر اور ہندوستان سے آسانی سے تجارت کی جاسکتی تھی۔ اس شہر کو بسانے کے لیے منصور نے خاص اہتمام کیا۔ دریائے دجلہ کے مشرقی کنارے پر ولی عہد مہدی کے لیے ایک اور شہر "رصافہ" کے نام سے بسایا۔ بغداد کی تفصیلات آپ نے پچھلی اکائی میں پڑھ لیا ہے۔

2.2.6 زندگی کے حالات اور کارنامے

بنوامیہ میں جس طریقے سے عبدالملک بن مروان نے حکومت کو استحکام بخشا۔ عباسیوں میں وہی کام ابو جعفر منصور نے کیا۔ منصور کے دور میں فتوحات نہیں ہوئیں اس کی وجہ تھی حکومت ابھی قائم ہوئی تھی اور خانہ جنگی عروج پر تھی اس پر منصور نے قابو پایا۔ اس کے علاوہ ہم دیکھتے ہیں کہ سفاح اور منصور کے عہد میں اندلس اور افریقہ کا کچھ حصہ دولت عباسیہ کے ہاتھ سے نکل گیا۔ منصور نے حکومت کا مرکز بغداد کو قرار دیا اور تمام مملکت کے امور یہیں سے انجام دیتا۔ منصور نے جس وقت اپنے ہاتھ میں خلافت لی تو صوبوں کے حاکم کو اپنے علاقے میں پورا اختیار حاصل ہوتا تھا لیکن منصور نے اس سسٹم پر قدغن لگائی۔ منصور تھوڑے تھوڑے وقفے میں حکام کا تبادلہ کرتا رہتا تا کہ وہ حاکم اس علاقے میں اپنی پوزیشن نہ مضبوط کر پائے۔ قاضیوں کا تقرر خلیفہ اپنی مرضی سے کرتا تھا۔ منصور جنگی معاملات میں بہت دلچسپی لیتا تھا۔ اکثر فوجوں کا معائنہ کرتا اور فوج کو تین حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ منصور نے جاسوسی کے محکمے کو بڑی وسعت دی۔ منصور کا اپنا ایک جاسوس گورنر کے پاس رہتا تا کہ وہ گورنر کی کارکردگی کی اطلاع خلیفہ کے پاس بھیجتا رہا۔ اس کے علاوہ ڈاک کے محکمے میں کافی اصلاح کی۔ اس کے علاوہ مالیات کے نظام میں بنی امیہ کا قائم کردہ نظام ہی قائم رکھا البتہ اس میں کچھ اضافہ کیا۔ منصور کہا کرتا تھا کہ: "سلطنت کے چار ارکان ہیں جن کے بغیر حکومت نہیں چل سکتی۔ ایک قاضی جو بغیر خوف لامۃ لائم منصفانہ فیصلہ کرے۔ دوسرے پولیس جو قوی کے مقابلہ میں کمزور سے انصاف کرے۔ تیسرے تحصیلدار جو پورا خراج وصول کرے لیکن رعایا پر ظلم نہ ہونے پائے۔ چوتھے پرچہ نگار جو ان لوگوں کی صحیح اطلاع دیتا رہے۔"

خلیفہ منصور سے کسی نے پوچھا کہ کوئی ایسی خواہش جو پوری نہ ہو سکی ہو۔ منصور نے ایک خواہش ظاہر کی اور کہا کہ میں ایک چبوترے پر بیٹھا ہوں اور اصحاب حدیث میرے ارد گرد بیٹھے ہوں۔ منصور بہادری اور اصابت رائے میں بنو عباس کے تمام خلفاء میں فائق تھا۔

منصور سلطنت اور دنیاداری کے ساتھ دینداری میں بھی بہت مصروف رہتا تھا۔ فارغ وقت میں ذکر واذکار اور علم حدیث حاصل کرنے کی سعی کرتا۔ نماز اور روزہ بڑی پابندی سے کرتا تھا۔ ابو جعفر منصور کی عادت تھی کہ وہ فجر کی نماز باجماعت ادا کرتا اس کے بعد دربار خلافت میں بیٹھتا اور سلطنت کے کام انجام دیتا۔ ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرتا۔ عصر کی نماز کے بعد بنی ہاشم کے معاملات طے کرتا۔ مغرب کی نماز پڑھ کر کھانا کھاتا اور عشاء کے بعد ڈاک دیکھتا اور ان کا جواب دیتا۔ ایک تہائی رات کے گزر جانے کے بعد تہجد کے لیے اٹھتا اور فجر کی نماز تک عبادت میں مشغول رہتا۔ منصور بہترین منتظم کے ساتھ عام زندگی گزارتا اور اپنے فرائض کی آدائیگی میں کبھی بھی سستی سے کام نہیں لیتا تھا۔ منصور خرچ میں بہت احتیاط سے کام لیتا تھا اور اسی احتیاط کی بنا پر وہ بخیل مشہور ہو گیا تھا۔ حقیقتاً وہ بخیل نہیں تھا بلکہ فضول خرچی کو ناپسند کرتا تھا بلکہ ضرورت مندوں کو جھولی بھر کر عطا کرتا تھا۔ منصور نے تعمیری کام میں وافر مقدار میں دولت خرچ کی اس کے باوجود خزانے میں اتنی دولت چھوڑ گیا کہ مہدی کو کبھی روپیہ کی کمی کی شکایت نہیں ہوئی۔

ابو جعفر منصور کی لغزشیں: منصور کہا کرتا تھا کہ عہد خلافت میں مجھ سے تین بڑی بھول ہوئی ہے اور اللہ نے ان تینوں کے انجام سے محفوظ رکھا۔ 1۔ ابو مسلم خراسانی کو اس حالت میں قتل کیا جب میں معمولی بوسیدہ کپڑے پہنا ہوا تھا اور جو لوگ میرے ارد گرد تھے وہ سب ابو مسلم کو مجھ سے زیادہ مانتے تھے۔ اس وقت اگر کوئی مجھے ہاتھ بھی لگا دیتا تو میں مفت میں مارا گیا ہوتا۔ 2۔ فرقہ رواندیہ کی شورش پر میں دلیری کے ساتھ ان کے مقابلے کے لیے نکل کھڑا ہوا تھا اگر اس وقت کوئی اڑتا ہوا تیر مجھے لگ جاتا تو اسی وقت ہلاک ہو جاتا۔ 3۔ جب شام گیا اگر اس وقت عراق میں معمولی سا فتنہ بھی کھڑا ہو جاتا تو خلافت برباد ہو جاتی۔

2.2.7 وفات

منصور نے بائیس سال بڑی شان و شوکت کے ساتھ حکومت کی۔ منصور ذی الحجہ میں پیدا ہوا اور ذی الحجہ میں ہی تخت نشین ہوا۔ اس لیے اس کو وہم ہو گیا تھا کہ اس کی موت بھی ذی الحجہ میں ہو گی۔ 158ھ میں منصور حج کے لیے روانہ ہوا۔ جاتے وقت ولی عہد مہدی کو وصیتیں کیں، بغداد سے کوفہ پہنچا اور حج و عمرہ کے لیے احرام باندھا۔ کوفہ سے دو تین منزل ہی سفر کر پائے تھے کہ بیمار ہو گیے۔ بئر معونہ میں تقریباً 63 سال کی عمر میں وفات ہوئی۔ باب معلی کے قبرستان میں آپ کو دفن کیا گیا۔

منصور کی وفات کے بعد مہدی تخت پر بیٹھا۔ مہدی ذاتی طور پر نیک طینت، خوش مزاج، بہادر اور بہترین اخلاق کا مجموعہ تھا۔ منصور جتنا سختی کرتا تھا اس کے برعکس مہدی بہت نرم دل تھا۔ مہدی نے ان تمام لوگوں کو معاف کر دیا جو کسی طرح سے بھی منصور کے دور میں ظلم و ستم کا نشانہ بنے تھے۔ مہدی کا دور امن و خوشحالی کا دور رہا۔ سلطنت کے انتظام و انصرام میں نہایت مستعد اور ہوشیار تھا۔ مہدی کے بعد اس کا بیٹا ہادی تخت خلافت پر بیٹھا۔ ہادی نے حکومت کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیتے ہی اس بات کی سعی کی کہ اپنے بھائی ہارون کو ولی عہدی سے معزول کر کے اپنے بیٹے جعفر کو ولی عہد بنائے۔ یحیی بن خالد جو کہ ہارون رشید کا اتالیق تھا اس نے ہادی کو سمجھا بجھا کر روکنے کی کوشش کی اور کئی مرتبہ وہ کامیاب بھی رہا۔ لیکن ہادی کے دوسری درباری مصاحب اس سے بار بار اصرار کرتے رہتے کہ وہ جعفر کو ولی عہد بنادے۔ یحیی نے اس کو سمجھایا کہ آپ کا بیٹا جعفر ابھی نابالغ ہے جس کی حکومت و خلافت کو امرائے سلطنت بالکل بھی تسلیم نہیں کریں گے

اور ملک میں بد امنی پھیل جائے گی۔ آپ ہارون کے بعد جعفر کو ولی عہد بنادیں اور جعفر بڑا ہونے کے بعد اگر اپنی قابلیت کا اظہار کرے گا تو میں ہارون کو رضامند کرلوں گا کہ وہ جعفر کے حق میں الگ ہو جائے۔ تخت پر بیٹھنے کے بعد سوا سال ہی حکومت کر پایا تھا کہ ہادی کی وفات ہو گئی۔

2.3 ہارون رشید

ارون رشید جب تخت خلافت پر بیٹھا تو اس کی عمر 22 سال تھی۔ ہارون رشید اپنے بھائی ہادی کی وفات کے بعد جس رات تخت خلافت پر بیٹھا تو اسی شب مامون پیدا ہوا۔ یہ اتفاق ہے کہ ایک ہی رات میں ایک خلیفہ وفات پایا، دوسرا تخت پر بیٹھا اور تیسرا پیدا ہوا۔ عباسی خلفاء میں ہارون رشید کو سب سے زیادہ شہرت ملی۔ آپ کا 23 سالہ دور عباسی عہد کا دور زریں شمار کیا جاتا ہے۔ ہارون نے خلافت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لیتے ہی اپنے محسن یحیی بن خالد برمکی کو وزیر بنایا۔ ہارون کے دور کو عباسی عہد کا عروج کہا جاتا ہے۔

2.3.1 بغاوتیں

ہارون کے عہد میں ملک کے مختلف حصوں میں بغاوتیں ہوئیں لیکن آپ نے بروقت اس کا تدراک کیا اور کسی کو ابھرنے کا موقع نہیں دیا۔ آپ کے دور میں جو بغاوتیں ہوئیں وہ زیادہ تر عمال کی بد عنوانیوں کی وجہ سے ہوئیں

176ھ میں نفس ذکیہ کے بھائی یحییٰ بن عبد اللہ نے دیلم میں خروج کیا اور مشرقی ممالک کے بہت سارے لوگ ان کے گرد اکٹھا ہو گیے۔ دن بہ دن ان کی قوت میں اضافہ ہوتا رہا مجبوراً ہارون نے فضل بن یحیی برمکی کو ان کے خلاف بھیجا لیکن فضل نے لڑنے کے بجائے ان سے مختلف شرائط پر صلح کرلی۔ اس طرح اس فتنے کا خاتمہ ہوا۔

177ھ میں عطاف بن سفیان نے موصل کے پورے علاقے پر اپنا تسلط جمالیا اور دو سال تک اس کو اپنے کنٹرول میں رکھا۔ عطاف کے مقابلے میں ہارون نے بذات خود شرکت کی اور اس بغاوت کا خاتمہ کیا۔ اس کے علاوہ دمشق اور سندھ میں یمنی اور مضری قبائل کے درمیان عصبیت کی آگ بھڑک اٹھی اور دونوں قبیلوں میں خونریزی شروع ہو گئی۔ یمنی اور مضری قبائل کی جنگ اور عصبیت اموی حکومت کے زوال کے اسباب میں شمار کی جاتی ہے۔ اس نقطہ سے یہ قبائل عباسی حکومت کے لیے خطرہ تھے۔ اس فتنہ کو ختم کرنے کے لیے ہارون رشید نے موسی بن عیسی کو دمشق کا حاکم بنا کر بھیجا جس نے بڑی مشکل سے ان قبیلوں پر قابو پایا۔

178ھ میں قیس اور قضاعہ کے قبیلوں میں بغاوت ہو گئی اور وہاں کے حاکم اسحاق بن سلیمان نے اس بغاوت کو روکنے کی کوشش کی لیکن باغیوں نے اس کو شکست دے دی۔ اس زمانہ میں ہرثمہ بن اعین فلسطین کا عامل تھا۔ خلیفہ نے ہرثمہ کو فوج کے ساتھ مصر بھیجا۔ مصر جا کر ہرثمہ نے باغیوں پر قابو پالیا تو خلیفہ نے اس کو مصر کی گورنری عطا کر دی۔ لیکن ایک ہی مہینے کے بعد ہرثمہ کو مصر کی حکومت سے برطرف کر کے عبد الملک بن صالح کو مصر کی حکومت سپرد کر دی۔

179 میں ولید بن طریف خارجی نے آرمینیہ اور حلوان کے علاقے میں قبضہ کرلیا۔ ہارون نے اس کے مقابلے میں یزید بن شیبانی

کو بھیجا اور ایک خونریز جنگ کے بعد ولید کا قتل کر دیا گیا۔

افریقی فوج نے 177ھ میں بغاوت کی جو کہ 181ھ تک چلتی رہی۔ اس بغاوت کی وجہ ناسمجھ اور ناتجربہ کار امیر کو تونس والوں پر تھوپا گیا۔ فوج نے امیر بدلنے کا مطالبہ کیا لیکن ان کی اس خواہش کو پورا نہ کیا گیا تو فوج نے مغیرہ کو نکال دیا اور فضل کو کہلا بھیجا کہ ہم نے مغیرہ کو بغاوت کے خیال سے نہیں بلکہ صرف بدسلوکی کی وجہ سے نکالا ہے اور اچھے امیر کی اطاعت کے لیے ہمہ وقت تیار ہیں۔ اس بغاوت کے خاتمہ کے لیے ہارون رشید نے ہرثمہ بن اعین اور یحییٰ بن موسیٰ کو افریقہ بھیجا جنھوں نے بغاوت پر قابو پالیا۔ لیکن بعد میں ہرثمہ کے جاتے ہی پھر سے افریقہ میں بغاوت شروع ہوگئی۔ مرکز سے دور ہونے کی وجہ سے انتظام مشکل ہو رہا تھا کئی امیر کو تبدیل کرنے کے بعد بھی افریقہ میں امن کی صورت نظر نہیں آرہی تھی۔ غرض افریقہ سے مرکز کو خراج ملنے کے بجائے مصر کا خراج بھی ایک لاکھ سالانہ یہاں خرچ ہوتا تھا۔ ابراہیم بن اغلب نے ہارون رشید سے درخواست کی کہ افریقہ کی گورنری پر مجھ کو مامور کر دیا جائے تو میں ایک لاکھ سالانہ نہ لے کر چار لاکھ سالانہ خراج بھیجتا رہوں گا۔ ہارون رشید نے مشیروں سے مشورہ لینے کے بعد ابراہیم بن اغلب کو گورنری کا پروانہ بھیج دیا۔ ابراہیم افریقہ پہنچتے ہی باغی سرداروں کو گرفتار کرکے مرکز خلافت بھجوادیا جس سے ہنگامہ فوراً ختم ہوگیا۔ اس طرح افریقہ میں ایک نئے خاندان کی حکومت قائم ہوگئی جو خاندان اغلب کے نام سے مشہور ہے۔ اغلبی حکومت عملاً خود مختار تھی لیکن عباسی حکومت کو تسلیم کرتے تھے اور ہر سال باقاعدگی سے خراج مرکز بھیجتے رہتے تھے۔

2.3.2 فتوحات

ہارون کا عہد فتوحات کے لحاظ سے نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ ہارون کے ایک ہاتھ میں قلم اور دوسرے ہاتھ میں تلوار تھی جس میں قلم کا ہاتھ بھاری تھا۔ ہارون کے عہد میں رومیوں سے کثرت سے لڑائیاں ہوئیں۔ بعض میں وہ بذات خود شریک رہا اور بعض میں اپنی طرف سے شاہی خاندان کے افراد کو افسر بنا کر بھیجتا تھا۔ سب سے اہم معرکہ ایشیائے کوچک پر حملہ ہے۔ قسطنطنیہ کی ملکہ ایرین ہارون رشید کو باقاعدگی سے خراج ادا کرتی تھی لیکن جب نقفور (نیسی فورس) بادشاہ بنا تو اس نے خراج دینے سے منع کر دیا اور ملکہ ایرین سے جتنا ہارون نے وصول کیا تھا اس کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ ہارون یہ سن طیش میں آگیا اور فوجوں کو ایشائے کوچک کی طرف روانہ ہونے کا حکم دیا۔ غرض ایشائے کوچک کے تمام قلعوں کو فتح کر لیا۔ نقفور میں مقابلے کی طاقت نہ تھی اس لیے صلح کرکے خراج دینے پر رضامند ہوگیا۔ ہارون پہلے سے زیادہ خراج دینے کا اقرار لے کر واپس ہوگیا۔ یہ وقت سردی کا تھا اور مسلمان ایشیائے کوچک کی سخت سردی کو برداشت کرنے کی طاقت نہ رکھتے تھے۔ ابھی ہارون شہر رقہ ہی پہنچا تھا کہ نقفور نے عہد کو توڑ دیا اور بغاوت کی۔ نقفور کو یقین تھا کہ سردی کی شدت کی وجہ سے مسلمان فوجیں واپس نہیں ہوں گی لیکن ہارون رشید راستے ہی سے واپس لوٹا اور ایشیائے کوچک کو پامال کرکے اکثر ملک کے حصہ پر اپنا قبضہ جمالیا۔

2.3.3 برمکی خاندان

ہارون رشید کے عہد میں برامکہ کو سترہ سال تک عروج حاصل رہا۔ عہد ہارون کو بلندیوں تک پہنچانے میں برمکی وزراء کا بڑا اہم رول ہے۔ برمکیوں کی فیاضی، علم کی قدردانی اور تہذیب وشائستگی نے ہارونی عہد کو نہ صرف عباسی بلکہ عالم اسلام کا درخشان عہد بنادیا۔ اس خاندان

نے اتنا عروج اور سلطنت میں عظمت وشان حاصل کی جو بڑے بڑے فرمانرواؤں کی حسرت تھی۔ تاریخ کے باب میں درج ہے کہ یہ خاندان ہارون کے دور حکومت میں بلند مرتبے پر پہنچے تو اسی کے عہد میں اس خاندان کو زوال بھی حاصل ہوا اور یہ زوال ایسا تھا کہ پورے خاندان کا نام ونشان ختم کر دیا گیا۔

برمک ایک مذہبی پیشوا تھا جس کے آباو اجداد بلخ کے بدھ نوبہار کے متولی اور پجاری تھے اور خراسان کے علاقے میں اثر ورسوخ رکھتے تھے۔ اسی خاندان کا ایک شخص خالد بن برمک جو کہ ذہین وفطین، بلند ہمت والا، جری اور سوجھ بوجھ والا تھا۔ امام ابراہیم نے جب ابو مسلم خراسانی کو خراسان کا افسر بنا کر بھیجا تو اس وقت خالد کی عمر چالیس سال تھی اس کو اپنا ہم نوا بنالیا۔ خالد نے اپنی فراست سے کئی نازک موقعوں پر ابو مسلم کو دشمنوں سے بچایا۔ عباسی خلافت قائم ہو جانے کے بعد وزیر کا عہدہ قائم ہوا تو سب سے پہلے ابو سلمہ خلال کو اس اعزاز سے نوازا گیا۔ ابو سلمہ کے قتل ہونے کے بعد ابو مسلم نے ابو العباس سفاح سے خالد کو وزیر کا عہدہ دینے کی سفارش کی جس کو سفاح نے منظور کر لیا۔ خالد منصور کے شروعاتی دور تک وزیر رہا لیکن ابو مسلم کا خاتمہ کرنے کے بعد خالد کو وزیر کے عہدہ سے ہٹا کر ابو ایوب کو بنا دیا۔ منصور کو ابو مسلم اور خالد کی قربت کا علم تھا اس شک وشبہ میں وزیر کے عہدے سے برطرف کر دیا۔ حالانکہ خالد نے اپنی رکھ رکھاو میں کوئی تبدیلی نہیں لائی تو منصور نے خالد کو موصل کی ولایت سپرد کی اور اس کے ساتھ ہی مہدی کی اتالیقی پر مامور کیا۔

خالد کی وفات کے بعد اس کا بیٹا یحییٰ بن خالد برمکی جو منصور کے دور سے ہادی کے دور تک مختلف عہدے پر عباسیوں کے لیے خدمات انجام دیں۔ مہدی کے دور میں یحیی کو ہارون کا اتالیق مقرر کیا گیا اور ہادی کے دور حکومت تک اس نے یہ خدمات انجام دی۔ ہارون میں جتنی خوبیاں موجود تھیں وہ سب اسی کی نگرانی کا نتیجہ تھا۔ تربیت کرتے وقت یحیی نے ہارون پر اتنا اثر قائم کر لیا کہ وہ اس کو باپ کی نگاہ سے دیکھتا تھا اور اس کے سامنے بے تکلفانہ باتوں سے گریز کرتا تھا۔ یحیی بھی اس کو اپنے لڑکے کی طرح عزیز رکھتا اور اس کی خاطر ہادی سے ہر طرح کا خطرہ مول لے کر ہارون کو ولی عہدی سے معزول کرنے سے روکے رکھا۔ ہارون کے ہاتھ میں خلافت آتے ہی یحیی نے وزرات کا عہدہ سنبھالا اور ہارون کے شروعاتی دور میں مملکت کے تمام معاملات اسی کی مرضی سے انجام پاتے تھے۔ یحییٰ نے اپنے دور وزارت میں بڑی اور اہم پوسٹوں پر اپنے خاندان اور اپنے ہم خیال لوگوں کی تقرری کی۔ یحییٰ کے چار بیٹے تھے فضل، جعفر، موسی اور محمد۔ چاروں بیٹوں میں اچھائیاں تھیں لیکن فضل اور جعفر دونوں نے اپنی جوہر وکمالات سے شہرت حاصل کی۔ فضل اور جعفر ہارون کے دودھ شریک بھائی تھے اور ہارون بھی ان کی اسی طرح مانتا تھا۔ یحیی کی عمر جب ڈھلنے لگی تو ہارون نے فضل کو وزرات میں شریک وسہیم بنا دیا۔ جعفر ہارون کا بہت قریبی دوست تھا جس کی وجہ سے اسے صحبت خاص میں بھی ساتھ رکھتا۔ جعفر علم وادب، فصاحت وبلاغت میں اس کو کمال حاصل تھا۔ برامکہ خاندان میں سب سے زیادہ ہوشیار تھا اور وزرات کا عہدہ ملتے ہی بہت جلد ہی اس نے سلطنت کے تمام عہدوں پر اپنی پکڑ مضبوط کر لی اور ہر ڈیپارٹمنٹ میں اس کا عمل دخل ہو گیا۔ اس عہد میں ہارون کی حالت بھی خستہ ہو گئی کیوں کہ ہارون معمولی رقم بھی خزانہ سے حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے برعکس برمکیوں نے جاگیریں، آمدنی اور سلطنت کے خزانے سے بے شمار دولت خرچ کی۔ جس کی وجہ سے سخاوت میں وہ بہت زیادہ مشہور ہو گیے۔ غرض سلاطین وامراء کے پاس سے آنے والے تحائف بھی برامکہ کے پاس پہنچائے جاتے اور خلیفہ کو اس کو خبر

تک نہ ہوتی۔ غرض اس خاندان کی عزت و شہرت، مال و دولت اور طاقت و قوت عروج پر پہنچ چکی تھی۔ باوجود اس کے کہ وہ تخت خلافت پر نہ بیٹھتے ہوئے بھی تمام مراعات ان کو حاصل تھی۔ شاہی خاندان اتنا مجبور ہو گیا تھا کہ وہ اپنی ضرورت کے لیے بھی وزرات کا راستہ اختیار کرتے تھے۔

2.3.4 برامکہ کا زوال

تاریخ میں برامکہ کے زوال کے مختلف وجوہات بیان کیے گیے ہیں۔ پہلی وجہ یہ تھی کہ جعفر جب وزیر بنا تو اس کی سخاوت اور اہل علم کی قدر دانی نے عوام کو اس کا گرویدہ بنا دیا۔ اس دور میں ہارون برائے نام کا خلیفہ تھا کیوں کہ ہارون کو بھی اگر رقم کی ضرورت پڑتی تو بآسانی اسے نہ ملتی تھی۔ اس کے مقابلے میں برامکہ شان و شوکت کے لیے بے تحاشا دولت خرچ کرتے تھے۔ حکومت کے اکثر عہدوں پر ان کا قبضہ تھا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ عباسیوں کے دشمن ائمہ اہل بیت کے ساتھ برامکہ بڑی عقیدت سے پیش آتے تھے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرتے تھے۔ ان تمام حرکتوں کی وجہ سے درباری ان کے مخالف ہو گیے تھے اور وقتاً فوقتاً ان کے خلاف شکایت کرنے لگے۔ مگر شروعات میں ہارون پر اس کا اثر نہ پڑا لیکن جب برامکیوں کے خود سری میں اضافہ ہوتا گیا تو ہارون کو بھی اندازہ ہو گیا کہ یہ لوگ سلطنت کے لیے نقصان دہ ہوتے جارہے ہیں۔ یحیی بن عبد اللہ جن کو ہارون رشید نے عہد نامہ لکھنے کے بعد بھی قید کر دیا تھا۔ یحیی کو قید کر کے جعفر کے ذمہ دے دیا اور جعفر نے بعد میں ان کو آزاد کر دیا۔ فضل بن ربیع جو کہ برامکیوں کا مخالف تھا اس کو خبر ہو گئی۔ اس نے ہارون کو اطلاع دی۔ ہارون نے جب جعفر سے پوچھا تو جعفر نے کہا کہ وہ اب تک قید خانے میں ہے۔ ہارون نے جب یہ سوال کئی مرتبہ پوچھا تو جعفر کو اندازہ ہو گیا کہ ہارون کو خبر ہو گئی ہے۔ جعفر نے کہا کہ اب وہ امیر المومنین کو کوئی تکلیف نہیں پہنچا سکتے اس لیے میں نے ان کو آزاد کر دیا۔ ہارون نے جواب دیا کہ اچھا کیا میں بھی یہی چاہتا تھا۔ ہارون کے لیے سب سے نازک وقت تھا کیوں کہ علویوں کے خروج سے عباسی مطمئن نہ ہوئے تھے۔ اگر وہ اس وقت برمکیوں کے ساتھ کچھ کرتا تو ظاہر ہے برامکہ جو ہر جگہ قابض تھے وہ ہارون کے لیے مصیبت بن جاتے اور ان کا استیصال ہارون کے لیے مشکل ہو جاتا۔ ان سب وجوہات کی بنا پر ہارون نے برمکی کا خاتمہ ضروری سمجھا اور جعفر کو قتل کرا دیا اس کے علاوہ یحیی اور فضل کو قید میں ڈلوا دیا۔ برمکی خاندان میں سے سوائے خالد کے سارے لوگ سلاخوں کے پیچھے کر دیے گیے۔ ہارون نے ایک حکم جاری کیا کہ جعفر، یحیی اور فضل کی پوری زمین و اثاثہ کو ضبط کر لیا جائے۔ ہارون نے اپنی سلطنت کے دفاع و اس کی مضبوطی کے لیے برامکہ کا خاتمہ کیا۔

2.3.5 ولایت عہد

ہارون رشید سے پہلے یہ طریقہ تھا کہ خلیفہ کے انتقال کے بعد ایک ہی خلیفہ تخت پر متمکن ہوتا تھا لیکن ہارون نے اس طریقے میں ترمیم کر کے اپنی سلطنت کو تین بیٹوں میں تقسیم کر دیا۔ ہارون اپنی اولادوں میں امین اور مامون کو زیادہ چاہتا تھا۔ امین کا مربی فضل اور مامون کا جعفر تھا۔ امین طبعیتاً عیش پسند تھا اور مامون امین سے زیادہ صلاحیت مند تھا اور ذہانت کی وجہ سے ہارون کا چہیتا تھا۔ ہارون کی پسندیدہ بیوی زبیدہ سے امین تھا اس لیے ولی عہد کا تقرر کرتے وقت امین کو مامون کے مقابلے میں ترجیح دی گئی جو کہ نہ صرف ظلم تھا بلکہ ایک بڑی سیاسی غلطی تھی۔ امین کو بغداد، واسط، بصرہ، کوفہ، شامات، سواد عراق، موصل، جزیرہ حجاز، مصر اور مغرب کے علاقے کا حاکم بنایا۔ اس کے علاوہ

مامون کو خراسان و ہمدان کا والی مقرر کیا جس میں نہاوند، کاشان، اصفہان، فارس، کرمان، رے، قومس، طبرستان، کابل، ہندوستان اور ماوراء النہر کے علاقے داخل ہیں۔ اس کے علاوہ ہارون رشید نے قاسم (موتمن) کو ولی عہد بنایا اور جزیرہ ثغور اور عواصم کے علاقے عطا کیے۔ قاسم کے بیعت لیتے وقت یہ شرط بھی رکھی گئی کہ قاسم لائق ہو تو ٹھیک ہے ورنہ مامون کو اختیار ہو گا کہ وہ معزول کر کے کسی دوسرے کو ولی عہد بنائے۔ سلطنت کی تقسیم کے بعد ہارون نے سب سے وعدہ کرایا کہ جو علاقہ جسے دیا گیا ہے اسی پر قناعت کرے گا اور دوسرے بھائی کا ملک نہیں لے گا اور خلیفہ میں یہ ترتیب رکھی کہ امین پہلا ہو گا اور مامون اس کی اطاعت کرے گا۔ امین کو یہ حق حاصل نہیں ہو گا کہ وہ مامون کو اپنی ریاست سے معزول کر سکے۔ امین کے بعد مامون خلیفہ ہو گا۔ ان تمام معاہدوں پر علمائے کرام، مشائخ، امیر، سردار اور بزرگان مدینہ و مکہ سے دستخط کرا کر خانہ کعبہ میں آویزاں کر دیا۔ ہارون نے اپنے بیٹے معتصم کو سلطنت میں حصہ دینے سے اس لیے محروم رکھا کہ وہ نااہل ہے لیکن جس کو ہارون نے سلطنت کے لائق نہ سمجھا اسی کی اولاد میں سلطنت عباسیہ کے زوال سلطنت و خلافت باقی رہی۔ بلاشبہ ہارون کی یہ سیاسی غلطی تھی کہ اس نے مملکت کو تین حصوں میں بانٹ کر عباسی خلافت کو خانہ جنگی میں مبتلا کر دیا۔

2.3.6 سیرت اور وفات

ہارون رشید کے اندر وہ تمام صفات موجود تھی جو ایک نیک سیرت اور مذہبی بادشاہ میں ہونی چاہیے۔ علم و ہنر کی سرپرستی اور شان و شوکت نے ہارون کی شہرت میں چار چاند لگا دیے۔ ہارون شریعت کا پابند تھا، نماز کا بہت اہتمام کرتا تھا فرائض کے علاوہ نفل نماز کی بھی پابندی کرتا تھا۔ بیماری کے علاوہ کوئی نماز قضا نہیں ہوئی۔ ہارون ایک سال جہاد کرتا اور ایک سال حج بیت اللہ ادا کرتا۔ جس سال وہ حج میں شریک نہ ہوتا تو وہ اپنی طرف سے تین سو حجاج کا قافلہ روانہ کرتا۔ آپ کی سخاوت بہت مشہور تھی اور اس کو اعلانیہ و خفیہ دونوں طریقے سے کرتا تھا۔ بزرگان دین سے آپ بہت خلوص سے ملتے تھے۔ ہارون نے علم حاصل کرنے کے لیے سفر کیا اور امام مالک سے مؤطا پڑھی۔ حضرت فضیل بن عیاض کے مکان پر خود جاتے اور وہ جو نصیحت کرتے اس کو دل لگا کر سنتے۔ اس کے علاوہ سفیان ثوری سے بھی بہت عقیدت تھی۔ سفیان ثوری ہارون کے بچپن کے دوستوں میں سے تھے۔ ابن سماک سے ہارون نے ایک مرتبہ نصیحت کی درخواست کی۔ انہوں نے فرمایا: "خدا سے ڈرا کر جس کا کوئی شریک نہیں اور اس پر یقین رکھ کہ کل تجھے خدائے تعالیٰ کے روبرو جانا ہے۔ وہاں تجھے دو مقاموں میں سے ایک مقام اختیار کرنا پڑے گا جس کے علاوہ تیسرا مقام نہیں ہے۔ یہ مقام جنت اور دوزخ ہیں۔ یہ سن کر ہارون اتنا رویا کہ ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ حاجب فضیل پاس بیٹھا ہوا تھا۔ ہارون کا یہ حال دیکھ کر کہا سبحان اللہ امیر المومنین کے جنت میں جانے میں کیا کوئی شبہ ہو سکتا ہے۔ آپ خدا کے حقوق ادا کرتے ہیں۔ اس کے بندوں کے ساتھ عدل کرتے ہیں۔ اس کے صلہ میں آپ ان شاء اللہ ضرور مستحق جنت ہوں گے۔ ابن سماک نے ہارون کو مخاطب کر کے کہا کہ فضیل اس دن تیرے ساتھ نہ ہو گا اس لیے خدا سے ڈرتے رہا کرو اور اپنے نفس کی دیکھ بھال کرو۔

ہارون کو شاعری کے فن میں مکمل مہارت حاصل تھی فصاحت و بلاغت کے تعلق سے وہ شعراء کی غلطی نکال دیتا تھا مگر خود شعر بہت کم کہتا تھا۔ علم و فن کا بہت قدرداں تھا۔ آپ کے دربار میں یہودی، عیسائی، پارسی اور ہندو حکماء و علماء سبھی شریک ہوتے تھے اور ہارون

سب کو انعام و اکرام سے نوازتا تھا۔ اتنی بڑی سلطنت کا مالک ہونے کے باوجود نمود و نمائش بالکل بھی نہ تھی۔ ہارون رعایا کی خبر گیری میں تمام عباسی و اموی خلفاء پر سبقت لے گیا اس کا معمول تھا کہ لباس تبدیل کر کے بغداد کے گلی کوچوں میں گھومتا اور اپنی عوام کی حالات دریافت کرتا۔ ہارون نے اپنے عہد میں عدل وانصاف کو یقینی بنایا اس کے ساتھ ہی رعایا کی ترقی اور حکومت کے استحکام بہت سارے کارنامے انجام دیے۔ خراج کی وصولیابی اور اس سے متعلقہ مسائل کی اصلاح کے لیے ہارون نے قاضی ابو یوسف سے خراج کا قانون مرتب کروایا۔ جو "کتاب الخراج" کی شکل میں موجود ہے۔ اس کتاب خراج وصدقات، جزیہ اور بالخصوص مالیاتی نظام سے متعلق ضروری امور کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ حکومت اور رعایا کے تعلقات کی نوعیت، ذمی اور مسلمان رعایا کے حقوق و فرائض، حکومت کے عمال اور عہدہ داروں کے اختیارات و فرائض وغیرہ مسائل کو بہت ہی خوبی اور دقت نظر سے تحریر کیا گیا ہے۔

ہارون رشید کی سلطنت کی وسعت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اندلس کو چھوڑ کر پوری اسلامی دنیا ہارون کی تابع تھی۔ اس دور میں سلطنت کی سرحدیں ہند اور تاتار سے بحر اوقیانوس تک کا احاطہ کیے ہوئے تھی۔ یورپ کو روم اور یونان کی حکومتوں پر فخر تھا لیکن یہ دونوں بھی عباسی حکومت کو خراج ادا کرتے تھے۔ ہارون اچھے طور طریقے کا مالک تھا اور حسن اخلاق کا مالک تھا لیکن دشمن اور زندیق کے لیے اس کا غصہ بڑھ جاتا اور اس معاملے میں وہ اپنے دادا ابو جعفر منصور کے مانند تھا۔

برامکہ کو تباہ و برباد کرنے کے بعد ہارون کچھ سال ہی زندہ رہا۔ خراسان کی مہم کو ختم کرنے کی غرض سے نکلا لیکن مہم کے دوران ہی طوس کے مقام پر بیمار ہوا اور علاج و معالجہ سے فائدہ نہ ہوا۔ اور 24 مارچ 809ء کو داعی اجل کو لبیک کہہ دیا۔

2.4 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- ابو جعفر منصور نے اپنے عہد میں جب حکومت کو استحکام ملا تو اس کے نظام میں وسعت اور ترقی ہوئی۔ بغداد نامی ایک جگہ آباد کر کے اس کو دارالخلافہ بنایا۔ اس جگہ کا انتخاب بھی منصور کی ذہانت کا نتیجہ تھا۔ یہ جگہ دجلہ و فرات کے قریب تھی اور اس کی وجہ سے بصرہ، واسط، شام، مصر، آذربائیجان، دیار بکر اور ہندوستان سے آسانی سے تجارت کی جاسکتی تھی۔
- بنوامیہ میں جس طریقے سے عبدالملک بن مروان نے حکومت کو استحکام بخشا۔ عباسیوں میں وہی کام ابو جعفر منصور نے کیا۔ منصور کے دور میں فتوحات نہیں ہوئیں اس کی وجہ تھی حکومت ابھی قائم ہوئی تھی اور خانہ جنگی عروج پر تھی اس پر منصور نے قابو پایا۔
- ہارون رشید کے اندر وہ تمام صفات موجود تھی جو ایک نیک سیرت اور مذہبی بادشاہ میں ہونی چاہیے۔ علم وہنر کی سرپرستی اور شان وشوکت نے ہارون کی شہرت میں چار چاند لگا دیے۔ ہارون شریعت کا پابند تھا، نماز کا بہت اہتمام کرتا تھا فرائض کے علاوہ نفل نماز کی بھی پابندی کرتا تھا۔ بیماری کے علاوہ کوئی نماز قضا نہیں ہوئی۔ ہارون ایک سال جہاد کرتا اور ایک سال حج بیت اللہ ادا کرتا۔۔

- ہارون رشید کی سلطنت کی وسعت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اندلس کو چھوڑ کر پوری اسلامی دنیا ہارون کی تابع تھی۔ اس دور میں سلطنت کی سرحدیں ہند اور تاتار سے بحر اوقیانوس تک کا احاطہ کیے ہوئے تھی۔ یورپ کو روم اور یونان کی حکومتوں پر فخر تھا لیکن یہ دونوں بھی عباسی حکومت کو خراج ادا کرتی تھی۔ ہارون اچھے طور طریقے کا مالک تھا اور حسن اخلاق کا مالک تھا لیکن دشمن اور زندیق کے لیے اس کا غصہ بڑھ جاتا اور اس معاملے میں وہ اپنے دادا ابو جعفر منصور کے مانند تھا۔

2.5 نمونہ امتحانی سوالات

2.5.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. ابو مسلم خراسانی کا خاتمہ کس خلیفہ نے کروایا؟

(a). ابو العباس سفاح (b). ابو جعفر منصور (c). مہدی (d). مامون

2. منصور نے اپنا دارالخلافہ کس شہر کو بنایا؟

(a). بغداد (b). رصافہ (c). سامرا (d). ہاشمیہ

3. منصور نے کتنے سال تک حکومت کی؟

5.(a) 22.(b) 15.(c) 30.(d)

4. ہارون رشید کا انتقال کب ہوا؟

750ء(a) 808ء(b) 909ء(c) 1171ء(d)

5. عبداللہ بن علی کی بغاوت کو ختم کرنے کے لیے منصور نے کسے بھیجا؟

(a). ابو مسلم خراسانی (b). مہدی (c). خزیمہ بن خازم (d). نفس ذکیہ

6. خلافت کے تخت پر بیٹھتے وقت ہارون کی عمر کتنے سال تھی؟

15.(a) 22.(b) 40.(c) 53.(d)

7. کس خلیفہ نے ایک سے زیادہ بیٹوں میں وراثت کو تقسیم کیا؟

(a). ابو جعفر منصور (b). ہارون (c). ابو العباس (d). مہدی

8. ہارون کا دودھ شریک بھائی کون تھا؟

(a). موسی (b). فضل (c). خالد (d). محمد

9. ہارون کا اتالیق کس کو مقرر کیا گیا؟

(a). جعفر برمکی (b). یحی برمکی (c). فضل برمکی (d). موسی

10. ہارون نے کس سے خراج کا قانون مرتب کروایا؟

(a). ابو حنیفہ (b). ابو یوسف (c). امام شافعی (d). احمد بن حنبل

2.5.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. عبداللہ بن علی کی بغاوت کے بارے میں لکھیے۔
2. محمد بن علی (نفس ذکیہ) کے خروج پر بحث کیجیے۔
3. ابو مسلم خراسانی کا خاتمہ کس طرح ہوا؟ بیان کیجیے۔
4. برمکی خاندان کے زوال کے بارے میں اپنی معلومات قلم بند کیجیے۔
5. ہارون رشید کے عہد میں بغاوتوں کا مختصراً ذکر کیجیے۔

2.5.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. ابو جعفر منصور کے حالات اور کارنامے پر ایک جامع نوٹ لکھیے۔
2. ہارون رشید کی سیرت پر مفصل مضمون تحریر کیجیے۔
3. برمکی خاندان پر جامع مضمون قلم بند کیجیے۔

2.6 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. تاریخ اسلام (جلد سوم) : شاہ معین الدین ندوی
2. تاریخ اسلام (جلد دوم) : شاہ اکبر نجیب آبادی
3. ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ : ثروت صولت
4. تاریخ اسلام : ڈاکٹر حمید الدین
5. تاریخ اسلام : سید امیر علی

اکائی 3: عباسی حکومت کے اہم حکمراں (حصہ دوم)

اکائی کے اجزا:

3.0 تمہید

3.1 مقاصد

3.2 مامون رشید

3.2.1 خانہ جنگی

3.2.2 بیعت مامون

3.2.3 بغاوتیں

3.2.4 ولی عہد

3.2.5 بغاوت افریقہ / اغلبی حکومت (800-909)

3.2.6 طاہری حکومت (821-873)

3.2.7 مسئلہ خلق قرآن

3.2.8 مامون کے عہد میں علمی ترقی

3.2.9 وفات اور ولی عہد

3.3 معتصم باللہ

3.3.1 بغاوتیں

3.3.2 فتح عموریہ

3.3.3 شہر سامرا

3.3.4 خلق قرآن

3.4 اکتسابی نتائج

3.5 نمونہ امتحانی سوالات

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی

3.5.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

3.5.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

3.5.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

3.6 تجویز کردہ اکتسابی مواد

3.0 تمہید

عباسی دور کی ابتدا (750) میں ہوئی یہ دور اسلامی تاریخ کا سنہرا دور کہا جاتا ہے۔ اس دور میں سلطنت تمدنی، معاشی اور سیاسی نقطہ نظر سے انتہائی عروج کو پہنچ چکی تھی۔ اسی دور میں اسلامی علوم اور دیگر زبانوں سے عربی میں ترجمے کی تحریک شروع ہوئی اور بغداد کو علمی حیثیت حاصل ہوئی۔ عباسی خلفاء میں ہارون اور مامون نے ہر طریقے سے حکومت کو عروج پر پہنچایا۔ انہی کی بدولت عالم اسلام میں خلافت عباسیہ چمکتا چاند تصور کی جانے لگی۔ اس اکائی میں طلبہ مامون اور معتصم کے بارے میں پڑھیں گے اور اس عہد کی خاصیت جانیں گے۔

3.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد یہ ہے کہ طلبہ اس بات سے واقف ہوں کہ مامون نے کس طرح علمی سرگرمیوں میں دلچسپی لی اور اس کو ترقی پر پہنچایا۔ مامون علم وادب اور علمائے کرام کی بے حد قدر کرتا تھا۔ اس کی قدردانیوں کی وجہ سے ہی بغداد ہر قسم کے اہل فن کا مرجع و مرکز بنا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ یہ بھی پڑھیں گے کہ خلیفہ معتصم جس کی صفت شجاعت تھی اس نے اپنے عہد میں فوجی طاقت میں بڑا اضافہ کیا۔ معتصم نے اپنے آٹھ سالہ عہد میں ملکی و غیر ملکی مخالف قوتوں کو ختم کر دیا، جس فتنے نے سر اٹھایا اسی وقت اس کو کچل دیا۔

3.2 مامون رشید

ہارون رشید کی وفات کے بعد امین تخت خلافت پر بیٹھا اور بہت جلد امین و مامون میں اختلافات پیدا ہو گیے۔ ہارون نے اپنی وفات کے وقت وصیت کی تھی کہ اس کے ساتھ جو بھی فوج یا ساز و سامان ہے وہ مامون کا حصہ ہے لیکن فضل بن ربیع جو امین کا حامی تھا اس نے کوشش کی کہ جو کچھ طوس میں موجود ہے اس کو لے کر بغداد کی جانب منتقل ہو جائے۔ ہارون کی وصیت کا مطلق خیال نہ کیا اور خزانہ، فوج و خادموں کو بغداد روانہ کر دیا۔ امین فضل بن ربیع سے بہت خوش ہوا اور انعام و اکرام سے نوازا۔ غرض ہارون کی وفات کے فوراً بعد ہی دونوں بھائیوں میں دوری پیدا ہو گئی اور دونوں طرف کے درباریوں نے اس دوری کو بڑھانے میں مزید اضافہ کیا۔ حالانکہ مامون سے بغداد کا تعلق صرف خطبے تک ہی محدود تھا۔ باقی خراسان یا جو علاقے اس کے حصے میں تھے وہ اس پر آزادانہ فیصلہ کر سکتا تھا۔ برخلاف مامون کو جب فضل بن ربیع کی حرکت کا پتہ چلا تو اس نے اصحاب سے مشورہ کیا۔ مامون کا صلاح کار فضل بن سہل تھا جس کا لقب "ذوالریاستین" (یعنی صاحب

سیف اور قلم) تھا وہ بڑا تجربہ کار اور عالی دماغ والا تھا۔ فضل نے مشورہ دیا کہ اگر آپ جاتے ہیں تو وہ لوگ پکڑ کر امین کے پاس پیش کر دیں گے۔ چنانچہ پہلے امراء کو خطوط کے ذریعے عہد شکنی سے روکا جائے۔ مامون کا قاصد جب پیغام لے کر پہنچا تو ان لوگوں نے بہت برا سلوک کیا اور کسی طرح وہ جان بچا کر بھاگنے میں کامیاب ہوا اور ساری روداد مامون کے گوش گزار کی۔

امین کے ہاشمی ہونے کی وجہ سے عربوں کی پوری حمایت امین کو حاصل تھی اور وہ بغداد میں عربوں کے بیچ موجود تھا۔ مامون کا ننہال ایران میں تھا جس کی وجہ سے ایران و خراسان کے لوگ مامون کی حمایت کرنے لگے اور مامون کا وزیر فضل بن سہل، اتالیق جعفر برمکی بھی ایرانی تھا اس وجہ سے مامون کو اس علاقے میں زیادہ تائید حاصل رہی۔ مامون نے خراسان کے لوگوں کا چوتھائی خراج معاف کر دیا جس سے اس کی مقبولیت عوام میں اور بڑھ گئی۔ غرض دونوں طرف کی عوام نسلی اور علاقائی بنیاد پر منقسم ہو گئی۔ فضل بن ربیع نے امین کو مشورہ دیا کہ مامون اور موتمن دونوں کو ولی عہدی سے خارج کر کے اپنے بیٹے موسی کو ولی عہد بنائے۔ شروع میں امین اس بات کے لیے رضامند نہ ہوا لیکن جب ملکہ زبیدہ نے اصرار کیا تو وہ راضی ہو گیا۔ مامون کو جب خبر ہوئی تو اس نے شاہی نشان سے امین کا نام نکال دیا اور اپنا تعلق بغداد سے ختم کر دیا۔ کچھ دن بعد امین نے مامون کو موسی کے ولی عہد قبول کرنے اور بغداد حاضر ہونے کا حکم دیا۔ جس کو مامون نے سرے سے خارج کر دیا۔ اگر امین دوراندیشی اور عقل مندی کا ثبوت دیتا تو شاید امراء و اہل علم طبقہ کی نظر میں مامون وعدہ توڑنے والا مانا جاتا اور اسے کامیابی اتنی آسانی سے نہ مل پاتی۔ لہٰذا بہت جلد ہی اختلافات بڑھتے گیے اور اختلافات نے جنگ کی صورت اختیار کر لی۔ امین نے پورے ملک میں فرمان جاری کیا کہ مامون کا نام نکال کر اس کے بیٹے موسی کا نام خطبہ میں شامل کیا جائے۔ اس کے علاوہ ہارون کے معاہدے جس کو اس نے خانہ کعبہ کی دیواروں پر آویزاں کیا تھا اس کو منگوا کر پھاڑ ڈالا۔ صوبوں میں بدامنی پھیلنی شروع ہو گئی تھی۔ مامون نے خراسان کے سرحدی علاقوں کے حاکم جنہوں نے بغاوت اختیار کی ان سے مصالحت و مفاہمت کر لی۔

3.2.1 خانہ جنگی

195ھ/810ء تک دونوں بھائیوں کے تعلقات میں کشیدگی پیدا ہو چکی تھی اور خلیفہ بغداد نے اپنے ایک سپہ سالار علی بن عیسیٰ ہامان کو پچاس ہزار کی فوج کے ساتھ مامون کے خلاف بھیجا۔ امین کی ماں زبیدہ نے بذات خود اس فوج کو روانہ کیا اور وصیت کی کہ مامون کی گرفتاری کے بعد اس کے ساتھ بدتمیزی نہ کی جائے بلکہ ایک چاندی کی زنجیر دی کہ اس میں باندھ کر لایا جائے۔ مامون اور ان کے وزیر فضل بن سہل اس کے لیے بالکل تیار تھے ان کے سپہ سالار طاہر بن حسین نے رے کے قریب امین کی فوج کو شکست دی اور سپہ سالار علی بن عیسی کو قتل کر دیا۔ اس دوران بھی خلیفہ امین اپنی دل لگی کا سامان کیے بیٹھا تھا اور اس طرف اس کی توجہ زیادہ نہ تھی۔ بالمقابل مامون اور فضل بن سہل بغداد پر قابض ہونے کا باقاعدہ طور پر منصوبہ بندی کر رہے تھے۔ امین کو جب شکست کا علم ہوا تو اس نے عبدالرحمن بن جبلہ کو مزید بیس ہزار کی فوج دے کر طاہر کے خلاف روانہ کیا۔ ہمدان کے قریب دونوں فوجوں کا تصادم ہوا اور عبدالرحمن شکست کھا کر مجبوراً طاہر سے امان چاہی۔ یہ خبر جب مرکز بغداد پہنچی تو پورے شہر میں ہلچل شروع ہو گئی۔ تیسری بار امین نے احمد بن فرید کو طاہر کے مقابلے میں بیس ہزار فوج کے ساتھ بھیجا اور اس کے پیچھے عبداللہ بن حمید قحطبہ کی نگرانی میں احمد کی مدد کے لیے بیس ہزار فوج بھیجی۔ طاہر کے جاسوسوں نے باہمی

پھوٹ ڈلوادی اور آخر یہ فوجیں بلامقابلہ بغداد واپس روانہ ہو گئیں۔ ۔ طاہر ایک کے بعد دوسرے شہر پر قبضہ کرتا رہا اور فتوحات کو دیکھتے ہوئے مامون نے حکم جاری کیا کہ ہر شہر میں بیعت لی جائے اور منبروں پر اس کے نام کا خطبہ پڑھا جائے۔ غرض مامون کی فوج امین کے لشکر کو شکست دیتی رہی اور قدم بہ قدم بغداد کی طرف بڑھتی رہی۔ مامون کے دو بہترین سربراہان فوج طاہر بن حسین اور ہرثمہ بن اعین نے بغداد کا گھیراؤ کر لیا۔ محاصرہ کے بعد بغداد کی حالت اور نازک ہو گئی۔ خزانہ بالکل خالی ہو چکا تھا۔ پورے شہر میں بدامنی پھیل گئی اور حالات دن بہ دن بدتر ہوتے جارہے تھے۔ بالآخر امین نے ہرثمہ بن اعین سے پناہ چاہی۔ ہرثمہ نے کہلا بھیجا کہ آپ آجائیں میں آپ کی جان کی ذمہ داری لیتا ہوں۔ امین کے خاص لوگوں نے اس کی خبر طاہر کو دے دی تو طاہر کو پریشانی لاحق ہوئی کہ اگر امین ہرثمہ کی امان میں چلا گیا تو کامیابی کا سہرا اس کے سر باندھا جائے گا۔ اس نے اپنے آدمی دجلہ پر بھیج دیے اور تاکید کی کہ وہ جیسے ہی نکلے اس کا قتل کر دیا جائے۔ امین جب محل سے نکل کر ہرثمہ کی کشتی میں سوار ہوا تو طاہر کی فوجوں نے چاروں طرف سے حملہ کر دیا۔ ہرثمہ اور امین دونوں بچ تو گیے لیکن امین کا طاہر نے قتل کروادیا۔ 813ء میں بغداد پر مامون کا مکمل قبضہ ہو گیا اور بروز جمعہ بغداد کی جامع مسجد میں خلیفہ کی حیثیت سے اس کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔

3.2.2 بیعت مامون

مامون کا اصل نام عبداللہ تھا۔ 813ء میں بغداد کے لوگوں نے مامون کو خلیفہ تسلیم کر لیا۔ مامون نے اپنے قابل وزیر فضل بن سہل کے بھائی حسن بن سہل کو جو علاقے ہرثمہ بن اعین اور طاہر بن حسین نے فتح کیے تھے اس کی حکومت عطا کر دی۔ طاہر بن حسین کو اس فیصلے سے بہت دکھ ہوا اس کو پوری امید تھی کہ اس علاقے کی حکومت اسے عطا ہو گی۔ حسن بن سہل نے جزیرہ موصل اور شام کی گورنری طاہر کو دی۔ مامون قریب 6 سال تک مرو (خراسان) میں رہا اس کی وجہ یہ تھی کہ اس علاقے کے لوگ شروع سے اس کے ساتھ تھے اور یہیں سے اسے امین پر سبقت حاصل ہوئی تھی۔ وزیر فضل بن سہل مامون پر پوری طرح قابض ہو چکا تھا۔ ملکی انتظام وانصرام میں فضل کا تسلط تھا اور بڑے عہدوں پر عجمی ممتاز نظر آنے لگے۔ عرب قبیلوں کو اس بات کا احساس ہونے لگا کہ اب ہر طرف ایرانیوں کی کثرت ہو گئی۔ اسی وجہ سے ان میں بے چینی بڑھی اور مامون نے مرو میں رکنے کا فیصلہ کر کے ان کے شبہات کو یقین میں بدل دیا۔ مامون جب تک مرو میں رہا اس وقت تک عراق خاص طور سے بغداد ہنگاموں کی بھینٹ چڑھا رہا۔ مامون پر فضل بن سہل اتنا حاوی تھا کہ اس کی مرضی کے بغیر کوئی شخص اس سے مل نہیں سکتا تھا۔ غرض مامون تک ملک کی کوئی خبر بھی نہیں پہنچ پاتی تھی۔

3.2.3 بغاوتیں

مامون کے خلیفہ بننے کے بعد سب سے پہلے طاہر بن حسین کی فوجوں نے بغاوت کی۔ کیوں کہ طاہر کے پاس کوئی خزانہ نہیں تھا لیکن اس نے فوجوں کو سبز باغ دکھا کر امین کے مقابلے میں فتح حاصل کر لی تھی۔ غرض مامون کے خلیفہ بننے کے بعد پیسے کا مطالبہ شروع کر دیا۔ ظاہر ہے کہ طاہر کے پاس اتنی دولت نہیں تھی کہ وہ اس کو پورا کر سکتا۔ اسی بنا پر فوج باغی ہو گئی لیکن کسی طریقے سے اس پر قابو پایا گیا اور معاملے کو رفع دفع کیا گیا۔

199ھ /814ء میں خاندان علوی کے مشہور بزرگ محمد بن ابراہیم طباطبا نے خلافت کو حاصل کرنے کے لیے "لوائے آل محمد" کا نعرہ دیا۔ طباطبا کو اس تحریک میں کچھ کامیابی حاصل ہوئی اور کچھ وقفے کے لیے سلطنت کے کچھ حصے سے مامون کی حکومت ختم ہوگئی۔ طباطبا کو ایک مدبر و ملکی نظم و نسق سنبھالنے والے شخص کی ضرورت تھی۔ ابوالسرایا کو بھی ایک سہارے کی تلاش تھی اس نے طباطبا کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ابوالسرایا بہت بہادر شخص تھا اور اس نے طباطبا کے علاقوں میں اضافہ کرنا شروع کر دیا۔ ہرثمہ بن اعین نے سخت محاصرہ اور جنگ و تعاقب کے بعد اس فتنے کا خاتمہ کیا۔

200ھ /815ء میں ہرثمہ کا خاتمہ کر دیا گیا۔ ہرثمہ ایک زبردست سپہ سالار تھا اور اس نے مامون کی خلافت قائم کرنے کے لیے بڑے جنگی کارنامے دکھائے تھے۔ ابوالسرایا کے خاتمے کے بعد ہرثمہ نے یہ سوچا کہ مامون کو ریاست کی اصل صورت حال سے آگاہ کرایا جائے۔ کیوں کہ مامون پر اس کے وزیر فضل بن سہل کا بہت سخت پہرہ تھا۔ فضل بن سہل کو جب ہرثمہ کی آمد کی اطلاع ہوئی تو اس نے مامون سے یہ حکم لکھوا بھیجا کہ تم راستے سے ہی شام اور حجاز کی طرف چلے جاؤ، وہاں تمہاری ضرورت ہے۔ خراسان آنے کی زحمت نہ کرو لیکن ہرثمہ پہلے ہی سے باخبر تھا اس لیے اس پر عمل نہ کرتے ہوئے اپنا سفر خراسان کی طرف جاری رکھا۔ شہر میں داخل ہوتے ہی ہرثمہ نے نقارہ بجوایا کہ خلیفہ کو معلوم ہو جائے کہ کوئی بڑا سردار داخل ہو رہا ہے۔ ادھر فضل کو معلوم ہوا تو وہ مامون کو ہرثمہ کے خلاف بھڑکانے لگا اور ابوالسرایا کی بغاوت کا ذمہ دار بھی اسے ٹھہرا دیا۔ اس کے علاوہ سرکشی کا ثبوت یہ ہے کہ حکم ملنے کے بعد بھی وہ شام کی طرف نہ جا کر خراسان آگیا۔ اگر اس وقت معافی سے کام لیا گیا تو دوسرے لوگوں پر برا اثر پڑے گا۔ مامون نے ہرثمہ کی عرضی پر توجہ نہ دی اور اسے محل سے نکلوا کر اسے قید کرنے کا حکم دیا۔ جہاں اس کی وفات ہوگئی۔ اس طریقے سے عظیم سپہ سالار کی جان ایرانی وزراء کی سازشوں کی بھینٹ چڑھ گیا۔ ہرثمہ کے قتل کے بعد بغداد کے حالات بے قابو ہوگیے۔ اہل بغداد نے مامون کے خلاف بغاوت کا علم بلند کیا۔ عمال و حکام نکال دیے گیے۔ محمد بن ابی خالد ہرثمہ کا جانشین بنا۔ اس پر قابو بڑی مشقت کے بعد حسن بن سہل نے پایا۔ مامون نے بغداد آنے کے بعد خانہ جنگی کو کنٹرول کر لیا۔

علوی باغی نصر بن شیث عقیلی نے ایشائے کوچک اور شام کے علاقوں میں بغاوت کی۔ جس کو عبداللہ بن طاہر خراسانی نے ختم کیا۔

201ھ /816ء میں ایک ایرانی شخص بابک خرمی نے ایک نئی تحریک شروع کی۔ یہ تحریک ایران کے پرانے مذہب مزدکی پیداوار ہے۔ اس تحریک کو سب سے پہلے مجوسی جاوید نے زندہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ اسلامی عہد میں بابک نے یہ ذمہ داری لی اور دعویٰ کیا کہ تناسخ کے ذریعہ جاوید کی روح اس میں منتقل ہوگئی ہے۔ اس میں عورتوں سے تعلق قائم کرنے کی آزادی تھی جس کی وجہ سے ہزاروں آدمی اس تحریک میں شامل ہوگیے۔ گرچہ یہ تحریک مذہبی تھی لیکن ایک سیاسی تحریک تصور کی جاتی ہے۔ بابک نے اسلامی آبادی پر حملہ کر کے بہت نقصان پہنچایا۔ اس کے مقابلے میں مامون نے کئی فوجیں بھیجیں لیکن کوئی کامیاب نہ ہو سکی۔ غرض مامون کے عہد میں اس فتنے کا خاتمہ نہ ہو سکا اور معتصم کے دور میں افشین کے ہاتھوں اس بابک خرمی کا خاتمہ ہوا۔

215ھ /830ء میں رومیوں کے طرف سے سرکشی اور دشمنی کے نمایاں ہونے پر مامون بذات خود فوج لے کر رومیوں کی طرف

نکلا۔ ایک سبب یہ بھی تھا کہ رومیوں نے بابک خرمی کی مدد کی تھی۔ مامون روم کے کئی علاقوں کو فتح کر کے اور کچھ علاقوں سے صلح کر کے واپس ہوا۔ راستے ہی میں تھا کہ رومیوں نے اپنی قوت کو جمع کر کے حملہ کر دیا اور بڑی بے دردی سے مسلمانوں کا قتل عام کیا۔ مامون یہ سنتے ہی راستے سے واپس آ گیا اور روم کے شہروں میں ایک کھلبلی مچادی۔ ایک طرف سے مامون اور دوسری طرف سے معتصم نے روم کے شہروں کو تاراج کیا۔ اسلامی فوجوں نے قلعوں اور شہروں پر فتح حاصل کی۔

3.2.4 ولی عہد

مامون کو اہل بیت وسادات سے کافی محبت تھی۔ مامون نے آل عباس کے بیشتر لوگوں کو مرو میں بلایا اور اس میں سے کسی کو اپنا ولی عہد منتخب کرنے کا سوچا لیکن کوئی اس کو پسند نہ آیا۔ بالآخر اس نے 201ھ / 817ء شیعوں کے آٹھویں امام علی بن موسیٰ رضا کو اپنا ولی عہد مقرر کر کے خلافت میں اعلان کر دیا کہ عباسی شعار سیاہ لباس کے بجائے علوی سبز لباس اختیار کیا جائے۔ عمال کے نام یہ پیغام بھی بھیجا کہ علی بن موسی کی ولی عہدی کی بیعت لی جائے۔ کچھ لوگ اس بات پر راضی ہو گیے لیکن اکثریت نے اسے بھی فضل بن سہل کی چال سمجھی۔ بنی عباس میں اس فیصلے سے سخت ناراضگی پیدا ہوئی اور بغداد میں افراتفری مچ گئی۔ بنی عباس کے خیر خواہ کو اس بات کا اندازہ تھا کہ جس سازش میں ابو مسلم وبرامکہ کامیاب نہ ہو سکے لیکن فضل بن سہل نے کامیابی حاصل کرلی۔ چنانچہ بغداد میں مامون کی بیعت کو توڑ کر ابراہیم بن مہدی کی بیعت اختیار کرلی گئی۔ دو سال تک بغداد میں افراتفری اور انتشار برپا رہا، بغداد میں اتنی ساری ہنگامہ آرائیاں ہوتی رہیں لیکن مامون کو کچھ بھی خبر نہ ہوئی۔ بالآخر امام علی رضا نے صحیح صورتحال سے آگاہ کرایا اور فضل کے سارے کارنامے کھول کر رکھ دیے۔ اس کے بعد مامون نے تمام افسروں اور عہدے داروں کو 202ھ / 818ء میں بغداد چلنے کا حکم دیا۔ مامون طوس ہی پہنچا تھا کہ امام علی رضا کا انتقال ہو گیا، مامون کو بہت صدمہ ہوا۔ اس طرح اہل بغداد کی ساری شکایتیں دور بھی ہو گئیں۔ مامون سرخس تک ہی پہنچا تھا کہ وزیر فضل بن سہل کا خفیہ قتل کر دیا گیا۔ مامون نے جب بغداد میں داخلہ لیا تو اس کے اعزہ واقارب اور ہمدردان دولت عباسیہ وسپہ سالار لشکر اور امرائے سلطنت استقبال کے لیے آئے۔ بغداد میں داخل ہونے کے بعد بھی سبز رنگ کا لباس جو اہل بیت کا نشان تھا اس کو قائم رکھا تھا لیکن بغداد کے لوگ اس رنگ سے بہت نفرت کرتے تھے۔ چنانچہ بنو عباس اور فوج نے مل کر مامون سے رنگ بدلنے کی درخواست کی اور پھر سے عباسی سیاہ رنگ جاری کرنے کو کہا۔ سب سے پہلے مامون کا نامور سپہ سالار طاہر بن حسین اپنے لیے سیاہ لباس کی پہننے کی اجازت مانگی۔ اس کے بعد پھر سے حکومت کا سیاہ رنگ قرار پایا۔

3.2.5 بغاوت افریقہ / اغلبی حکومت (800-909)

مرکز سے دور ہونے کی وجہ سے افریقہ کو ہارون رشید نے ابراہیم بن اغلب کو چالیس ہزار دینار خراج کا وعدہ کر کے افریقہ کی گورنری دے دی اور ابراہیم نے اس علاقے کو بڑی خوش اسلوبی سے سنبھالا اور اغلبی حکومت کی بنیاد پڑی۔ مامون کے عہد میں یہاں عبداللہ بن ابراہیم اور اس کے بعد زیادۃ اللہ ابراہیم حاکم بنا۔ زیادۃ اللہ ابراہیم (817-838) اس خاندان کا پرجوش اور اہلیت رکھنے والا شخص تھا۔ اس کے دور میں اغلبی حکومت نے رومیوں سے سسلی (صقلیہ) کو حاصل کیا۔ اس کے بعد 868ء میں اسی خاندان نے مالٹا بھی فتح کر لیا۔ زیادۃ

اللہ نے ہی قیروان کی عظیم مسجد کی پھر سے تعمیر شروع کی اور ابراہیم دوم (874-902) میں مکمل ہوئی۔ 909ء میں شمالی افریقہ سے فاطمیوں نے ان کا خاتمہ کیا اور فاطمی (909-1171) حکومت کی بنیاد ڈالی۔

3.2.6 طاہری حکومت (821-873)

طاہر بن حسین مامون کی فوج میں اپنی سپہ سالاری کی بنیاد پر جس طرح کی کارکردگی دکھائی تھی اور امین کی فوجوں کو بے بس کر دیا تھا۔ اس کارکردگی پر اس کو امید تھی کہ اسے انعامات سے بھی نوازا جائے گا لیکن مامون کے تخت پر بیٹھتے ہی اس کی امید پوری نہ ہوئی اور وہ ایک چھوٹے سے علاقے میں رہا۔ فضل بن سہل کے قتل کے بعد مامون نے طاہر کی طرف توجہ دی اور طاہر کو اپنے پاس بلا کر کہا مانگو جو مانگنا چاہتے ہو۔ طاہر نے سیاہ لباس پہن کر دربار میں آنے کی اجازت مانگی۔ جس کو مامون نے منظور کر لیا۔ ایک دن طاہر مامون کی صحبت خاص میں حاضر ہوا۔ مامون اس کو دیکھ کر اپنے ضبط کو کنٹرول نہ کر سکا اور اس کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ طاہر بڑا فکر مند ہوا اور اس نے مامون سے دریافت کیا۔ مامون نے کہا اس راز کو افشا کرنا ذلت اور چھپانا تکلیف دہ ہے۔ طاہر نے مامون کی نجی صحبت میں رہنے والے حسین کو دو لاکھ درہم دیے کہ وہ اس کی حقیقت پتہ کر کے بتائے۔ حسین نے یہ راز اگلوالیا اور کہا "واقعہ یہ ہے کہ جب طاہر کو دیکھتا ہوں تو بھائی امین کی ذلت اور بے کسی کی موت کا نقشہ میری آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔ مجھ کو خطرہ ہے کہ کسی نہ کسی دن طاہر کو میرے ہاتھ سے نقصان پہنچ سکتا ہے۔" طاہر پر جب یہ راز افشا ہوا تو اس نے وزیر احمد بن ابی خالد سے گزارش کی کہ وہ اسے مامون سے کہیں دور بھیج دے۔ چنانچہ اسے مشرقی ممالک خراسان سے لے کر سندھ تک جنرل گورنر مقرر کر دیا گیا۔ طاہر نے اس علاقے میں پہنچ کر اس کے انتظامات صحیح کیے لیکن دو سال ہی گزر پائے تھے کہ طاہر نے بغاوت کر دی اور مامون کا نام خطبے سے نکال دیا۔ مامون کو جب اطلاع ملی تو اس نے وزیر احمد بن ابی خالد کو بلا کر کہا کہ طاہر کو حاضر کرو کیوں کہ تقرری کے وقت جب میں نے یہ خدشہ ظاہر کیا تھا تو تم نے اس کی ذمہ داری لی تھی لیکن چند دن بعد ہی طاہر کی وفات ہو گئی اور احمد بن ابی خالد مواخذہ سے بچ گیا۔ طاہر کے بعد اس کا بیٹا طلحہ بن طاہر گورنر بنا۔ اس طریقے سے عباسی حکومت کے ماتحت اس حکومت کا خاتمہ یعقوب صفار کے ہاتھوں ہوا۔

3.2.7 مسئلہ خلق قرآن

مامون کے دور کا اہم واقعہ فتنہ خلق قرآن ہے۔ عباسی دور میں منصور کے عہد سے ہی عقلی علوم کی کتابوں کا عربی میں ترجمہ شروع ہو چکا تھا۔ مامون کے دور تک یہ کام اپنے عروج پر پہنچ چکا تھا۔ خلق قرآن کا مسئلہ سب سے پہلے اموی خلیفہ ہشام کے عہد میں پیدا ہوا۔ جعد بن درہم نے قرآن کو مخلوق کی حیثیت سے پیش کیا۔ یہی عقیدۂ خلق قرآن کا بانی تھا۔ اس فتنے نے عباسی عہد میں بڑی سرگرمی سے سر اٹھایا۔ عباسی عہد میں معتزلہ نے خلق قرآن کے مسئلہ میں بہت بڑے بڑے نکات پیدا کیے اور بعض فقہاء کو بھی اپنی رائے میں شریک کر لیا۔ مامون نے کلی طور پر مذہبی آزادی دے رکھی تھی، حالاں کہ اس سے پہلے کچھ پابندیاں صرف سیاسی حد تک محدود تھی لیکن مامون نے مسئلہ خلق قرآن میں شدت اختیار کر کے مذہبی آزادی میں مداخلت کی۔ مامون کے دور میں معتزلی ہی خلیفہ کے مصاحبین میں شامل تھے۔ مامون نے جب نظریات و عقائد کی جستجو کے لیے مناظرے کی شروعات کی تو معتزلہ آگے آگے رہے۔ اسی وجہ سے مامون پر ان کا اثر زیادہ ہوا اور اس

گروہ کے کچھ افراد کو وزرات کے عہدوں پر بھی فائز کیا۔ مامون کا جھکاؤ اعتزال کی طرف تھا اور وہ دینی معاملات میں عقلی دلائل کو بطور ہتھیار استعمال کرتا تھا جیسا کہ معتزلہ کے یہاں رواج تھا۔ اس عہد میں یونانی فلسفہ و حکمت کا اثر لوگوں پر بھی ہوا کیوں کہ خلیفہ عقلی دلائل کو پسند کرتا تھا اور دلیل کے لیے منطق و فلسفہ کی زیادہ ضرورت پڑتی ہے۔ مامون کا خیال تھا کہ مذہب کی عقل کے ساتھ موافقت لازم ہے اور عقل کی ہی بنیاد پر مذہبی امور کو ترجیح دینا چاہیے۔ مامون نے خلق قرآن کے مسئلے میں تشدد کا راستہ اختیار کیا۔ علمائے کرام، فقہاء و مشائخ کو مجبور کیا گیا کہ قرآن کو مخلوق سمجھیں۔ اس تحریک کی مخالفت بہت سارے ائمہ کرام نے کی اور انہیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ آخر میں صرف امام احمد بن حنبل اور محمد بن نوح نے نہایت استقلال کے ساتھ اپنے اعتقاد اور نظریات پر جمے رہے۔ رسیوں میں جکڑ کر بیڑیاں پہنا دی گئیں۔ بیڑیوں میں ہی ان لوگوں کو طرطوس بھیجا گیا تاکہ مامون کے دربار میں حاضر ہو سکیں۔ محمد بن نوح راستے میں ہی مالک حقیقی سے جا ملے۔ امام احمد راستے ہی میں تھے کہ مامون کی وفات کی خبر مل گئی۔

3.2.8 مامون کے عہد میں علمی ترقی

عباسی دور میں علوم کو منتقل کرنے کا کام بڑے پیمانے پر شروع ہوا۔ جس کی شروعات منصور کے دور حکومت میں ہو چکی تھی لیکن مامون کے دور میں یہ سرگرمی اپنی بلندی پر پہنچ چکی تھی۔ جس کا نتیجہ تھا کہ ارکان دولت اور ارباب ثروت بھی اس طرف مائل ہو گیے اور بغداد علم و فن کا مرکز بن گیا۔ تالیف و تراجم کی وجہ سے بغداد میں کتب فروش اور وراق کی کثرت ہو گئی۔ مامون طالب علمی کے دوران ہی اپنی ذہانت سے لوگوں کو متاثر کر چکا تھا۔ دینی علوم کے علاوہ شعر و شاعری سے بھی اسے شغف تھا۔ فقہ و حدیث پر بھی اس کی گہری نظر تھی اور دینی مسائل میں بھی اپنی رائے دیتا تھا۔ مامون نے فلسفہ کے علوم کی طرف اپنی توجہ مبذول کی تو بیت الحکمت کے تحت جن کتابوں کا ترجمہ ہوا تھا اس کا مطالعہ کیا۔ فلسفے سے مامون کو کافی لگاؤ تھا۔ مامون نے قیصر روم کو خط لکھ کر گزارش کی کہ ارسطو کی جس قدر کتابیں ملیں وہ بغداد بھیج دی جائیں۔ یہ وہ دور تھا جب عقلی علوم کو روم میں ایک مصیبت سمجھا جاتا تھا اور یہاں سے علمی سرگرمیاں ختم ہو چکی تھیں۔ مامون کا خط جب قیصر روم کے پاس پہنچا تو اس کو حکم کی تعمیل میں کچھ تامل ہوا۔ قیصر نے راہبوں سے رائے طلب کی۔ انہوں نے کہا کہ فلسفہ کی کتابیں ہمارے ملک میں محفوظ ہیں اور ان کو پڑھنے یا پڑھانے کی کسی کو اجازت نہیں ہے۔ پھر راہب سے پوچھا کہ اگر یہ ساری کتابیں اسلامی ملک میں بھیج دی جائیں تو مجھ پر دنیا و آخرت میں کوئی سوال تو نہ ہو گا۔ لوگوں نے کہا کہ آپ کو ثواب ملے گا۔ کیوں کہ ان کتابوں کو پڑھنے سے مذہبی احترام لوگوں کے دلوں میں باقی نہیں رہتا۔ جب فلسفے کی اشاعت ہو گی تو مسلمانوں کا مذہبی جوش سرد پڑ جائے گا۔ چنانچہ ساری کتابوں کو جمع کر کے اونٹوں پر لاد کر بغداد بھیج دیا گیا۔ مامون نے اسحاق کندی کو ان کتابوں کو عربی میں منتقل کرنے کا ذمہ دیا۔ اس کے علاوہ مامون نے عیسائی عالموں کو روم و یونان بھیجا تاکہ وہ وہاں سے علوم و فنون کی اچھی کتابیں بغداد لا سکیں۔ قسطا بن لوقا اپنے شوق سے روم گیا اور وہاں سے کتابیں لے کر آیا۔ مامون نے اس کو دارالترجمہ میں رکھ لیا۔ یعقوب کندی مسلمانوں میں ارسطو کے ہم پلہ تسلیم کیا گیا۔ یعقوب بن اسحاق کندی پہلے شخص ہیں جن کو "فیلسوف العرب" کا خطاب ملا اور ان کی چھوٹی بڑی تالیفات کی تعداد پچاس سے زائد ہے۔

مامون کے عہد میں ترجمے کی تحریک اپنے شباب پر تھی۔ مامون نے ترجمے کے کام میں کافی سرگرمی دکھائی اور اس وقت کے

بادشاہوں سے تعلقات استوار کرکے حکمائے یونان کی تصنیفات کو حاصل کیا۔ ان میں افلاطون، ارسطو، بقراط، جالینوس، اقلیدس اور بطلیموس وغیرہ شامل ہیں۔ مامون نے مختلف وفود کو مختلف شہروں میں بھی بھیجا کہ حکمت کی کتابوں کو تلاش کرکے جمع کریں۔ کتابوں کو جمع کرکے ماہرین مترجمین کو بلا کر بیت الحکمت میں ان سے ترجمے کی خدمات لی گئیں۔ مورخین فرماتے ہیں کہ ترجمہ شدہ کتاب کو سونے سے تولا جاتا تھا اور مترجم کو وہ سونے کی مقدار دے دی جاتی تھی۔ مامون کے عہد میں مترجم حنین بن اسحق نے جس کا نشو و نما مامون کے عہد میں ہوا, ترجمے میں ناموری حاصل کی۔ حنین کے فرزند اسحق اور بھانجا حبیش الاعسم ان دونوں نے ترجمے کے کام میں بہت وسعت دی۔ علم جبر ومقابلہ پر اسلامی تاریخ میں جو پہلی کتاب لکھی گئی وہ اسی دور کے مشہور عالم محمد بن موسیٰ خوارزمی نے مامون کی خواہش پر لکھی۔ اسلامی تاریخ میں سب سے پہلے رصد خانہ مامون نے ہی بنوائے اور اس وقت کے بیش قیمتی آلات مہیا کروائے۔ مامون کے دور میں جس زیچ پر سب سے زیادہ بھروسہ کیا جاتا تھا وہ محمد بن ابراہیم فزری کی تالیف تھی۔ اصمعی جو عربی لغت اور نحو وادب کا امام سمجھا جاتا تھا، ضعیفی کی وجہ سے بغداد نہ جاسکا تو اس کو کوفہ میں ہی وظیفہ ملتا تھا۔ مامون نے حکم دیا تھا کہ جو مسئلہ دربار کے علماء نہ حل کرسکیں وہ اصمعی کی خدمت بھیجے جائیں۔ فراء نحوی جو نحو کے ماہر تصور کیے جاتے ہیں ان کو حکم دیا کہ ایسی جامع کتاب تیار کریں جو تمام اصول پر حاوی اور اہل زبان کے محاورات اور طریق استعمال سے مستنبط ہو۔ اس کے لیے شاہی ایوان کا کمرہ مختص کردیا گیا اور خادم مقرر کردیے گیے کہ فراء کو کسی ضرورت کے لیے کہنا نہ پڑے۔ مامون نے فارسی زبان کے بیشتر ذخیرے کو عربی زبان میں منتقل کروایا اور اس کے لیے ماہر مترجمین کی خدمات حاصل کیں۔ مجوسی سہل بن ہارون جس کو ایرانی علوم کے ساتھ عربی زبان پر بھی قدرت حاصل تھی۔

بیت الحکمت کے مشہور مترجم: قسطا بن لوقا بعلبکی، ابو حسان، سلمان، حنین بن اسحاق، سہل بن ہارون، ابو جعفر یحیی بن عدی، محمد بن موسیٰ خوارزمی، حسن بن شاکر، احمد بن شاکر، علی بن العباس بن احمد جوہری، یعقوب کندی، یوحنا بن ماسویہ، ابن البطریق، محمد بن شاکر، یحیی بن ابی المنصور۔ وغیرہ

مامون کا دور علمی اعتبار سے انتہائی بلندی پر ہے۔ اس دور میں مسلمانوں نے نہ صرف فلسفے یا دینی علوم میں مہارت حاصل کی بلکہ علم کے ہر شعبے میں امتیاز حاصل کیا۔ مامون نے علم کی سچی قدردانی کی اور اس کی اشاعت وترقی کے لیے مستقل عطیہ فراہم کیا۔ مامون ایک مدبر ہونے کی وجہ سے مذہب یا قومیت کا امتیاز نہ کرتا تھا بلکہ اس کی مجلس میں ہر قوم کے لوگ شریک رہتے تھے۔ مسلمان، یہودی، عیسائی اور صائبین وغیرہ۔

3.2.9 وفات اور ولی عہد

مامون کا ابتدائی دور بغاوتوں اور خانہ جنگیوں میں صرف ہوا۔ مامون روم پر فتح حاصل کرنے کے بغداد واپس جارہا تھا کہ دریائے بدندون پر قیام کیا اور دریا کی سیر کی۔ یہیں پر مامون بخار میں مبتلا ہوگیا۔ شاہی طبیب بختیشوع اور ابن ماسویہ نے مامون کا علاج کیا لیکن افاقہ نہ ہوا اور معمولی بخار مرض الموت بن گیا۔ مامون کے ساتھ اس کا لڑکا عباس اور بھائی معتصم موجود تھے۔ مامون جب زندگی سے مایوس ہونے لگا تو اس نے فقہاء اور قاضیوں کے سامنے معتصم کو ولی عہد بنا کر ضروری وصیت کی۔ اڑتالیس سال کی عمر میں بیس سال پانچ ماہ حکومت خلافت

کے فرائض انجام دینے کے بعد 833ء میں مالک حقیقی سے جاملے۔ مقام طرطوس میں آپ کو دفن کیا گیا۔

3.3 معتصم باللہ

خلافت عباسیہ کے آٹھویں خلیفہ اور ہارون رشید کے تیسرے بیٹے معتصم باللہ 833ء میں طرطوس میں تخت خلافت پر بیٹھا۔ اصل نام قاسم تھا معتصم باللہ کا لقب اختیار کیا۔ اس سے پہلے کے سارے خلفاء نے لقب میں "اللہ" کا لفظ نہیں استعمال کیا تھا۔ معتصم نے اس کی شروعات کی اور عباسیوں کے آخری دور تک جاری رہا۔ معتصم کو عہد طفولیت سے ہی پڑھنے لکھنے میں دلچسپی نہ تھی۔ ہارون کو معتصم سے خصوصی لگاؤ تھا لیکن ہارون کی لاکھ کوششوں کے باوجود بھی معتصم نہ پڑھ سکا۔ ہارون نے معتصم کے ساتھ ایک قابل غلام کو رکھا جو ہر وقت اس کے ساتھ رہتا اور اسے پڑھاتا۔ جب اس غلام کی وفات ہوگئی تو ہارون نے معتصم سے کہا کہ اب تو غلام وفات پاچکا ہے۔ معتصم نے جواب دیا کہ ہاں وہ مر گیا اور میں کتابوں کی مصیبت سے آزاد ہو گیا۔ اس کی نسبت مشہور ہے کہ وہ بالکل پڑھنا لکھنا نہ جانتا تھا حالاں کہ یہ صحیح نہیں ہے۔ وہ تھوڑا بہت لکھ سکتا تھا اور پڑھ بھی لیتا تھا۔ لیکن علماء کے درمیان بڑا ہوا تھا اور بچپن سے علمی مجلسیں دیکھ رکھی تھی اس لیے وہ شناسا تھا۔ معتصم کو طفولیت سے ہی فنون حرب سے زیادہ لگاؤ تھا۔ وہ تندرست اور پہلوان شخصیت کا مالک تھا۔ مستقل مزاج، نرم دل اور صاف گو بھی تھا۔ مامون کے عہد میں شام اور مصر کا والی رہا۔ بہادری کی وجہ سے مامون اس کو بہت عزیز رکھتا تھا۔ مامون نے جب روم کے علاقے میں چڑھائی کی تو معتصم نے اپنی سپہ سالاری کے جوہر دکھائے۔ مامون کے عہد میں ایرانیوں کا زور بہت زیادہ بڑھ گیا تھا جس کی وجہ سے ایرانیوں اور عربوں میں نوک جھونک شروع ہوگئی۔ معتصم نے اپنے عہد میں ایرانیوں کی طاقت کو کم کرنے کے لیے ترکوں کو مقدم کیا۔ ترکوں کا اقتدار اتنا زیادہ ہو گیا کہ آگے جاکر ترک خلافت عباسیہ کے لیے مصیبت بن گیے۔

3.3.1 بغاوتیں

معتصم کی بیعت کے بعد ہی اطلاع ملی کہ خراسان کے قرب وجوار میں محمرہ نے ڈاکہ زنی شروع کر دی اور بہت سارے لوگوں کا قتل کر دیا۔ معتصم نے ترک سردار ہاشم بن باتیجور کو اس کو ختم کرنے کے لیے بھیجا لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکا۔ پھر اسحاق بن ابراہیم کو بھیجا جنہوں نے نصیحت کے ذریعہ امن وامان قائم کیا۔

علوی خاندان کے شخص محمد بن قاسم جو مسجد نبوی میں خلوت نشین تھے۔ ایک خراسانی ان کو میدان میں لاکر خراسان کے لوگوں سے بیعت کرنے لگا۔ جب اس مہم کا دائرہ وسیع ہوا تو عبداللہ بن طاہر نے اس تحریک کا خاتمہ کیا۔ محمد بن قاسم کسی طرح بچ کر نساء چلے گیے۔ وہاں کے گورنر نے 834ء میں گرفتار کر کے معتصم کے پاس بغداد بھیج دیا۔ سات یا آٹھ ماہ قید رہنے کے بعد بھاگ نکلے اور پھر ان کا کچھ پتہ نہ چل سکا۔

834ء زط (ہندوستان کے جاٹ قبیلوں کو عربی میں زط کہا جاتا ہے) قبیلے کے لوگوں نے بصرہ اور اس کے آس پاس کے مضافات میں ڈاکہ زنی شروع کر دی۔ معتصم نے عجیف بن عنبسہ کو اس مہم کے خاتمے پر مامور کیا۔ سات مہینے مکمل بیخ کنی کی۔ 27 ہزار مرد وعورت اور

بچوں کو قید کر کے بغداد لایا گیا۔ معتصم نے ان کو عین زربہ نامی جگہ پر آباد کیا۔

مامون کے عہد میں آپ نے بابک خرمی کے بارے میں پڑھا کہ افشین نے اس کا خاتمہ کیا۔ بابک خرمی کے خاتمے کے بعد آذربائیجان اور آرمینیا کے علاقوں میں بد نظمی پیدا ہو گئی۔ ان علاقوں میں بغاوتوں کو ختم کر کے مکمل امن وامان قائم کیا گیا۔

طبرستان کے حاکم مازیار بن قارن جو عباسی حکومت کو محصول ادا کرتا تھا۔ خراسان کے والی عبداللہ بن طاہر سے کش مکش شروع ہو گئی۔ افشین نے مازیار بن قارن کو بھڑکا کر بغاوت کروادی۔ خلیفہ معتصم اور عبداللہ بن طاہر نے وقت رہتے ہوئے کاروائی کر کے اس بغاوت کو فرو کیا اور طبرستان میں امن وامان قائم کیا۔

839ء میں موصل کے ایک سردار جعفر بن فہر باغی ہو گیا۔ معتصم نے اس بغاوت کو ختم کرنے کے لیے عبداللہ بن سید کو بھیجا لیکن اسے شکست ہوئی۔ پھر خلیفہ نے ایتاخ ترکی کو ذمہ داری دی اور اس نے جعفر کا قتل کر کے اس بغاوت کا مکمل خاتمہ کیا۔

3.3.2 فتح عموریہ

عموریہ ایشائے کوچک کے عین وسط میں تھا، یہ فتح اسلامی تاریخ میں بہت اہمیت کی حامل ہے۔ بابک خرمی جب اسلامی فوجوں کے نرغے میں پھنس گیا تو نوفل بن میکائل جو شہنشاہ روم تھا اس کو خط لکھا کہ خلیفہ نے اپنی پوری طاقت میرے سامنے بھیج دی ہے۔ دارالخلافہ خالی ہے تم اس پر فوج کشی کر دو۔ نوفل بابک کے چکمے میں آگیا اور اپنی فوج کو لے کر زبطرہ پر چڑھائی کر دی۔ یہاں پر اس نے قتل وغارت گری کی اور عورتوں وبچوں کو قید کر لیا۔ اور مردوں کو قتل کر ڈالا۔ قید کی گئی عورتوں میں ایک ہاشمی خاتون بھی تھی۔ اس نے آواز دی۔ "وا معتصماہ۔ اے معتصم میری مدد کر"۔ معتصم کو جب رومی فوجیوں کے وحشیانہ سلوک اور ہاشمی عورت کی فریاد کا علم ہوا تو اس نے تخت پر بیٹھے بیٹھے ہی لبیک کی صدا لگائی اور فوراً تخت سے اتر کر کوچ کی منادی کرادی۔ فوج کو جمع کر کے معتصم خود تھوڑا سا سامان لے کر دربار عام میں آیا اور بغداد کے قاضی عبدالرحمن بن اسحق اور شعبہ بن سہل کو وصیت کی اور دجلہ کے مغربی جانب افواج کا پڑاؤ کیا۔ کچھ افسروں کو زبطرہ کے مسلمانوں کی مدد کے لیے بھیجا لیکن رومی فوج لوٹ مار کر کے جا چکی تھی اور مسلمانوں میں خوف وہراس طاری تھا۔ فوجوں کے پہنچنے کے بعد زبطرہ کے مسلمانوں کا ڈر ختم ہوا اور امن وامان قائم ہوا۔ معتصم نے عموریہ شہر کو برباد کرنے کا ٹھانا اور فوج کے لیے اتنی کثیر مقدار میں سامان جمع کر دیا کہ اس سے پہلے کسی مہم کے لیے اتنا سامان نہیں اکٹھا کیا گیا تھا۔ سلوقیہ کے مقام پر نہرس کے کنارے ڈیرے ڈالے۔ فوجوں کو مختلف حصوں میں بانٹ کر سپہ سالاروں کے تحت کئی علاقوں میں روانہ کیا اور ان کو عموریہ کے قلعے کے پاس پہنچنے کا حکم دیا۔ اس مہم میں معتصم عموریہ اور انقرہ کے قلعوں کو ڈھاتے ہوئے قسطنطنیہ کے قریب پہنچ گیا تھا اور اس کو فتح کرنے کے منصوبے بنا رہا تھا کہ بغداد میں بھتیجے عباس کی بغاوت کی خبر پہنچی اور معتصم اس مہم کو چھوڑ کر دارالسلطنت واپس ہوا۔ عباس کو گرفتار کر کے قید کر دیا اور اس کی جائیداد اور مال کو ضبط کر کے فوجوں میں تقسیم کر دیا۔ قید کی ہی حالت میں عباس کی وفات ہو گئی۔

3.3.3 شہر سامرا

معتصم نے اپنے دور حکومت میں سمرقند، اشروسنہ اور فرغانہ سے ایک گروہ اکٹھا کر کے فرغانہ کا لقب دیا۔ یہ لوگ خریدے ہوئے تھے مگر ان کے لیے خاص لباس کا اہتمام تھا۔ ریشم پہنتے تھے اور عمدہ طوق ان کے گلے میں رہتا تھا۔ یہ لوگ تہذیب و تمدن سے واقف نہ تھے اور وحشیانہ طریقہ سے گزر بسر کرتے تھے۔ ان لوگوں کو جنگ جوئی و صعوبت کشی زیادہ محبوب تھی۔ اس سے پہلے کے خلفاء نے عربی فوج پر بھروسہ نہیں کیا تھا بلکہ خراسانیوں و ایرانیوں کو مقدم رکھا تھا۔ اس وجہ سے عربوں کی فوج میں تعداد کم ہوتی چلی گئی۔ معتصم نے اپنی فوج میں ترکوں کی بھرتی کی اور اتنا عہدہ دیا کہ شمار کے مطابق ترک فوج ایرانی فوج کے برابر ہو گئی۔ ایرانی اور ترک فوجوں میں چپقلش شروع ہو گئی۔ اس کے علاوہ بغداد میں ترکوں کے ہجوم سے شہر کے لوگوں کو بہت تکلیف اٹھانی پڑتی تھی۔ شراب کے نشے میں گھوڑے دوڑاتے، عورتیں، بچے اور بوڑھے کوئی بھی اس کی زد میں آجاتا اس کی پرواہ نہ کرتے۔ بغداد کے شہری اجڈ، گنوار اور جاہل ترکوں سے نفرت کرنے لگے۔ بغداد والوں نے معتصم سے فریاد کی۔ معتصم نے ترکوں کو آباد کرنے کے لیے بغداد سے نوے (90) میل کی دوری پر دجلہ کے قریب ایک مستقل شہر "سامرا" آباد کر کے دارالخلافہ بنایا۔ اس شہر نے وقت کے ساتھ بڑی ترقی کی اور خوبصورتی میں بغداد کے ہم پلہ ہو گیا۔ سامرا شہر 836ء سے 892ء تک دارالخلافہ رہا اس کے بعد پھر سے بغداد دارالخلافہ بن گیا۔

3.3.4 خلق قرآن

مامون نے آخری وقت میں معتصم کو وصیت کی تھی کہ عقیدہ خلق قرآن کو زبردستی علمائے کرام سے منوائے۔ مامون کی وفات کے بعد امام احمد بن حنبل پر ظلم و آزمائش کا دوسرا دور شروع ہو گیا جو پہلے سے زیادہ کرب ناک تھا۔ معتصم پڑھا لکھا نہ تھا اور اسے جنگ و پیکار کا زیادہ شوق تھا۔ خلق قرآن کے معاملے میں معتصم کا عہد اور زیادہ مشکل ہو گیا۔ اس نے سارے ملک میں علماء سے خلق قرآن کا اقرار لینے کا حکم جاری کر دیا اور استاذوں کو حکم دیا کہ بچوں کو اس عقیدہ کی تلقین کریں۔ معتصم کے دربار میں جب امام احمد کی حاضری ہوئی تو ڈرا دھمکا کر خلق قرآن پر رضامند کرنے کی کوشش کی گئی لیکن احمد بن حنبل کب ان دھمکیوں سے خوف زدہ ہونے والے تھے۔ زبانی تنبیہ سے جب کوئی اثر نہیں ہوا تو کوڑے برسائے گیے اور کوڑے کی تاب نہ لا کر بے ہوش ہو جاتے۔ آپ کو متعدد قید خانوں میں قید کیا گیا، کبھی اصطبل میں رکھا جاتا اور کبھی اندھیری کوٹھری میں بند کر دیا جاتا۔ معتصم کے دور میں کئی بار اس بابت مناظرے ہوئے جس میں مخالفین کو ہمیشہ منہ کی کھانی پڑی۔ معتصم نے دو خاص لوگوں کو آپ سے مناظرے کے لیے بھیجا آپ نے ان کو بھی خاموش کر دیا۔ ظلم و ستم کا یہ سلسلہ تقریباً دو سال تک مسلسل جاری رہا اور زیادتی کے پہاڑ توڑے گیے۔ معتصم کے بعد واثق کے دور میں امام احمد کی جسمانی تکالیف کم کر دی گئی لیکن آپ کو لوگوں سے ملنے جلنے پر پابندی عائد کر دی گئی اور گھر میں محصور کر دیا گیا۔ یہ حقیقت ہے کہ آزمائش و مصیبت صرف امام احمد بن حنبل تک ہی خاص نہ تھی بلکہ اس میں دوسرے علماء و فقہاء بھی شامل تھے لیکن امام احمد بن حنبل کو سب سے زیادہ آزمائش میں رکھا گیا۔ امام احمد بن حنبل کی آزمائش کی روداد تاریخ کا ایک اہم واقعہ بن چکی ہے۔

3.4 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- مامون کو اہل بیت وسادات سے کافی محبت تھی۔ مامون نے آل عباس کے بیشتر لوگوں کو مرو میں بلایا اور اس میں سے کسی کو اپنا ولی عہد منتخب کرنے کا سوچا لیکن کوئی اس کو پسند نہ آیا۔ بالآخر اس نے 201ھ / 817ء شیعوں کے آٹھویں امام علی بن موسیٰ رضا کو اپنا ولی عہد مقرر کر کے خلافت میں اعلان کر دیا کہ عباسی شعار سیاہ لباس کے بجائے علوی سبز لباس اختیار کیا جائے۔
- مامون کے دور کا اہم واقعہ فتنہ خلق قرآن ہے۔ عباسی دور میں منصور کے عہد سے ہی عقلی علوم کی کتابوں کا عربی میں ترجمہ شروع ہو چکا تھا۔ مامون کے دور تک یہ کام اپنے عروج پر پہنچ چکا تھا۔ خلق قرآن کا مسئلہ سب سے پہلے اموی خلیفہ ہشام کے عہد میں جعد بن درہم نے قرآن کو مخلوق کی حیثیت سے پیش کیا۔ اس فتنے نے عباسی عہد میں بڑی سرگرمی سے سر اٹھایا۔ عباسی عہد میں معتزلہ نے خلق قرآن کے مسئلہ میں بہت بڑے بڑے نکات پیدا کیے اور بعض فقہاء کو بھی اپنی رائے میں شریک کر لیا۔
- مامون کا دور علمی اعتبار سے انتہائی بلندی پر ہے۔ اس دور میں مسلمانوں نے نہ صرف فلسفے یا دینی علوم میں مہارت حاصل کی بلکہ علم کے ہر شعبے میں امتیاز حاصل کیا۔ مامون نے علم کی سچی قدردانی کی اور اس کی اشاعت وترقی کے لیے مستقل عطیہ فراہم کیا۔ مامون ایک مدبر ہونے کی وجہ سے مذہب یا قومیت کا امتیاز نہ کرتا تھا بلکہ اس کی مجلس میں ہر قوم کے لوگ شریک رہتے تھے۔ مسلمان، یہودی، عیسائی اور صائبین وغیرہ۔
- آخری وقت میں مامون کے ساتھ اس کا لڑکا عباس اور بھائی معتصم موجود تھے۔ مامون جب زندگی سے مایوس ہونے لگا تو اس نے فقہاء اور قاضیوں کے سامنے معتصم کو ولی عہد بنا کر ضروری وصیت کی۔ اڑتالیس سال کی عمر میں بیس سال پانچ ماہ حکومت خلافت کے فرائض انجام دینے کے بعد 833ء میں مالک حقیقی سے جا ملے۔ مقام طرطوس میں آپ کو دفن کیا گیا۔
- خلافت عباسیہ کے آٹھویں خلیفہ اور ہارون رشید کے تیسرے بیٹے معتصم باللہ 833ء میں طرطوس میں تخت خلافت پر بیٹھا۔ اصل نام قاسم تھا معتصم باللہ کا لقب اختیار کیا۔ اس سے پہلے کے سارے خلفاء نے لقب میں "اللہ" کا لفظ نہیں استعمال کیا تھا۔ معتصم نے اس کی شروعات کی اور عباسیوں کے آخری دور تک جاری رہا۔
- مامون کے عہد میں ایرانیوں کا زور بہت زیادہ بڑھ گیا تھا جس کی وجہ ایرانیوں اور عربوں میں نوک جھونک شروع ہو گئی۔ معتصم نے اپنے عہد میں ایرانیوں کی طاقت کو کم کرنے کے لیے ترکوں کو مقدم کیا۔ ترکوں کا اقتدار اتنا زیادہ ہو گیا کہ آگے جا کر ترک خلافت عباسیہ کے لیے مصیبت بن گیے۔
- معتصم نے ترکوں کو آباد کرنے کے لیے بغداد سے نوے (90) میل کی دوری پر دجلہ کے قریب ایک مستقل شہر "سامرا" آباد کر کے دارالخلافہ بنایا۔ اس شہر نے وقت کے ساتھ بڑی ترقی کی اور خوبصورتی میں بغداد کے ہم پلہ ہو گیا۔ سامرا شہر 836ء سے 892ء تک دارالخلافہ رہا اس کے بعد پھر سے بغداد دارالخلافہ بن گیا۔

3.5 نمونہ امتحانی سوالات

3.5.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. ''ذوالریاستین'' کس کا لقب تھا؟

(a). فضل بن سہل (b). فضل بن ربیع (c). خالد برمکی (d). جعفر برمکی

2. امام علی بن موسیٰ رضا کو کس خلیفہ نے اپنا ولی عہد بنایا؟

(a). ہارون رشید (b). مامون رشید (c). معتصم باللہ (d). مہدی

3. اغلبی حکومت کب قائم ہوئی؟

(a). 800ء (b). 900ء (c). 700ء (d). 850ء

4. طاہری حکومت کب سے کب تک رہی؟

(a). 821-873ء (b). 800-909ء (c). 909-1171ء (d). تمام غلط

5. خلق قرآن کے مسئلے میں کس خلیفہ نے تشدد کا راستہ اختیار کیا؟

(a). ابو جعفر منصور (b). مامون (c). ہارون رشید (d). ابوالعباس سفاح

6. کس خلیفہ نے قیصر روم کو خط لکھ کر کتابیں بھیجنے کی گزارش کی؟

(a). مامون رشید (b). ابو جعفر منصور (c). مہدی (d). معتصم باللہ

7. عباسی خلفا میں سب سے پہلے ''اللہ'' کا لقب کس خلیفہ نے استعمال کیا؟

(a). معتصم (b). ہارون (c). مامون (d). ابو جعفر منصور

8. سامرا شہر کس نے بسایا؟

(a). ابو جعفر منصور (b). ہارون رشید (c). معتصم باللہ (d). مامون

9. کس خلیفہ نے ترکوں کو اپنی فوج میں بڑھاوا دیا؟

(a). ابوالعباس سفاح (b). ابو جعفر منصور (c). ہارون رشید (d). معتصم باللہ

10. مامون اور معتصم کا کیا رشتہ تھا؟

(a). بھائی (b). بیٹا (c). چچا (d). بھتیجا

3.5.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. مامون اور امین کی خانہ جنگی پر ایک مضمون لکھیے۔
2. طاہری حکومت پر ایک نوٹ لکھیے۔
3. مسئلہ خلق پر مختصر نوٹ لکھیے۔
4. فتح عموریہ پر ایک مضمون لکھیے۔
5. سامرا شہر کا تعارف کرایے۔

3.5.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. مامون کے عہد میں بغاوتوں پر ایک جامع نوٹ لکھیے۔
2. مامون کے عہد میں علمی ترقی پر مفصل مضمون تحریر کیجیے۔
3. معتصم باللہ کے عہد اور بغاوتوں پر جامع مضمون قلم بند کیجیے۔

3.6 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. تاریخ اسلام (جلد سوم)	: شاہ معین الدین ندوی
2. تاریخ اسلام (جلد دوم)	: شاہ اکبر نجیب آبادی
3. ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ	: ثروت صولت
4. تاریخ اسلام	: ڈاکٹر حمید الدین
5. تاریخ اسلام	: سید امیر علی

اکائی 4: عباسی حکومت کا زوال

اکائی کے اجزا:

4.0 تمہید

4.1 مقاصد

4.2 عباسی حکومت پر اجمالی نظر

4.0 خلافت عباسی کے تنزلی کا دور

4.0.1 ترک امراء کا دور اقتدار

4.0.2 آل بویہ کا دور اقتدار

4.0.3 سلجوق

4.0.4 آخری دور

4.1 عباسی حکومت کا زوال

4.2 زوال کے اسباب

4.3 اکتسابی نتائج

4.4 نمونہ امتحانی سوالات

4.4.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

4.4.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

4.4.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

4.5 تجویز کردہ اکتسابی مواد

4.0 تمہید

750ء سے 1258ء تک قائم رہنے والی عباسی خلافت اسلامی تاریخ کی اہم حکومتوں میں سے ایک تھی۔ اس شاندار خلافت کا خاتمہ

اسلامی تاریخ کا ایک بڑا المیہ ہے۔ عباسی حکومت کے آخری دور میں عباسی خلفاء کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے صوبے دار اور امراء نے خود مختار حکومتیں قائم کرنی شروع کر دی۔ غرض اس میں عباسی خلیفہ کو مرکزیت حاصل رہتی اور جمعہ و عیدین کے خطبے میں صرف ان کا نام لیا جاتا اور حکمرانی کا پروانہ ان سے حاصل کر لیا جاتا تھا اور خلفاء کی حیثیت ایک کٹھ پتلی سی رہ گئی۔ زوال کے دور میں دسیوں خلفاء نے کرسی سنبھالی لیکن بنو عباس کی پرانی شان و شوکت کوئی واپس نہ دلا سکا۔ ترک امراء و فوج ہی عباسی خلفاء کی کمزوری کا اصل سبب بنے اور انہوں نے اپنے اثر و رسوخ میں اس قدر اضافہ کر لیا تھا کہ عباسی خلفاء برائے نام رہ گیے۔ عباسی حکومت کا خاتمہ 1258ء میں منگول فاتح ہلاکو خان کے حملے کے ذریعے ہوا۔ اس اکائی میں ہم پڑھیں گے کہ اتنی مضبوط اور وسیع و عریض سلطنت کے باوجود وہ کون سے عوامل تھے جس نے عباسی خلافت کو دن بہ دن کمزور کر دیا۔

4.1 مقاصد

اس یونٹ کا مقصد یہ ہے کہ طلباء کو اس بات سے باور کرایا جائے کہ عباسی خلافت جو اتنے طویل عرصے سے مشتمل تھی وہ کس طرح ختم ہوئی اور اس کے زوال کے اسباب کیا تھے۔ اس اکائی کو پڑھنے کے بعد طلبہ یہ بھی جان سکیں گے کہ بنو عباس کی حکومت جس نے مسلمانوں کو تہذیب و تمدن سے آراستہ کیا اور دنیا کی یہ عظیم حکومت جس کی بنیاد ابو العباس سفاح نے رکھی تھی اس کا تقریباً پانچ سو سال میں کیسے خاتمہ ہو گیا۔ اس اکائی میں پڑھیں گے کہ اس کے زوال کے اسباب کیا تھے، اور کن وجوہات کی وجہ سے بغداد زوال کا شکار ہوا اس کے بارے میں تفصیل سے جانیں گے۔

4.2 عباسی حکومت پر اجمالی نظر

بلاشبہ عباسی حکومت عربوں کی سب سے بڑی سلطنت تھی خلافت بنو عباس دعوت آل محمد کی وجہ سے قائم ہوئی، ہاشمی خاندان میں بنی عباس کو سیاسی شعور میں پختگی حاصل تھی لیکن حصول خلافت میں علویوں نے جو نذرانہ پیش کیا ہے اس کا بنی عباس نے پورا فائدہ اٹھایا۔

عباسی حکومت تقریباً 500 سالوں تک حکومت کی جس میں 37 خلفاء ہوئے۔ بنو عباس کو اقتدار تک پہنچانے میں سب سے زیادہ مدد ایرانی اور مجوسی النسل لوگوں کا تھا۔ عباسیوں کی پوری قوت کا دارومدار ہی ایرانیوں پر تھا۔ عباسیوں کو عربوں کی طرف سے اطمینان نہ تھا اسی وجہ سے وہ ایرانیوں کو اعلی درجے کے عہدوں پر مامور رکھنے کے لیے مجبور تھے۔ بنو عباس میں پہلے ایرانیوں پھر ترکوں کو بہت عروج حاصل ہوا اور یہاں تک کہ ترک اس قدر حاوی ہو گیے کہ وہ اپنی من مانی کرنے لگے اور خلیفہ کے لیے دردسر بن گیے۔ عباسی خلفاء نے شروعاتی دور میں ایرانیوں کو عربوں سے مصلحت کے تحت آگے بڑھایا تھا لیکن معتصم نے ایرانیوں کے بڑھتے ہوئے اقتدار سے خوف کھا کر ترکوں کو آگے بڑھایا جس نے عباسی حکومت کو بہت نقصان پہنچایا۔ عباسی عہد میں کئی انقلابات اور کئی نشیب و فراز آئے، مگر مجموعی طور پر عباسی خلفاء کو مرکزی حیثیت حاصل رہی اور دنیائے اسلام کے زیادہ تر سلاطین ان کے ہم خیال رہے۔

عباسی حکومت نے کامیابی حاصل کرنے کے لیے جن باتوں کو بنیاد بنایا اور عوام الناس کو یہ یقین دلایا کہ ہم لوگ خاندان رسول اللہ

سے ہیں اور کتاب وسنت کے بتائے ہوئے راستے پر حکومت چلائیں گے لیکن یہ سب کچھ ایک سہانا خواب تھا کیونکہ حقیقتاً عباسی حکومت کے تحت ایسا بہت کم شواہد دیکھنے کو ملا۔ عباسی حکومت نے دمشق کو فتح کرنے کے بعد عباسی فوجوں نے اموی شاہی خاندان کا قتل عام کیا اور جامع بنی امیہ کو 70 دنوں تک گھوڑے کے اصطبل کے طور پر استعمال کی گئی۔ بنی امیہ کے لوگوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کیا گیا اور انکی لاشوں کی بھی بے حرمتی کی گئی، ان کی لاشوں پر دستر خوان سجایا گیا، لاشوں کو سڑکوں پر ڈال دیا گیا جس کو کتے نوچتے رہے غرض ظلم کی انتہا پار کی گئی جس کو پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

بنو عباس کا پہلا خلیفہ ابو العباس سفاح نے ہر ممکن کوشش کی کہ عوام کو خوش رکھا جائے اور اس نے اس سلسلے میں کوشش بھی کی۔ علوی جن کو حکومت میں حصہ داری نہ ملنے کی وجہ سے ملال تھا ابو العباس نے بے دریغ مال و دولت خرچ کر کے ان کو اپنا ہم نوا بنائے رکھا۔ ابو العباس کو اس بات کا پورا یقین تھا کہ ان کو خوش رکھنے میں ذرا بھی کوتاہی کی گئی تو علوی فوراً بغاوت کر دیں گے۔ غالب گمان ہے کہ بہت سارے نقباء جو اپنا اثر ورسوخ رکھتے تھے وہ ان کا ساتھ دیتے اور عباسیوں کے لیے نئی حکومت کو بچانا کافی مشکل ہو جاتا۔ لیکن بعد کے خلفاء ابو العباس سفاح کی اس دور اندیشی کو نہ سمجھ سکے اور علویوں کو نظر انداز کرنا شروع کر دیا۔ ابو العباس سفاح کے بعد مامون اور واثق نے علویوں کو خوش رکھنے کی کوشش کی اور کسی حد تک کامیاب بھی رہے۔ بلاشبہ منصور نے عباسی حکومت کو استحکام بخشا لیکن علویوں کو ابو العباس سفاح نے اپنے دور حکومت میں خاموش رکھا تھا منصور اس میں کامیاب نہ ہو سکا یہی وجہ ہے کہ منصور کے دور حکومت میں جابجا بغاوت دیکھنے کو ملتی ہے یہ الگ بات ہے کہ منصور نے ان بغاوتوں کو فرو کر لیا۔ منصور کے عہد میں بڑے بڑے انقلابات آئے لیکن اس کی جرات و دلیری نے حکومت کو ہلنے نہ دیا اور ایسا مقابلہ کیا کہ سالوں اس کے ولی عہد سکون کے ساتھ حکومت کرتے رہے۔۔ منصور کا عہد خانہ جنگی میں زیادہ گزرا۔ مورخین نے عہد اموی کے عبد الملک اور عباسی عہد میں منصور دونوں کے اخلاق وعادت و طور طریقہ میں مشابہت ہونے کا ذکر کیا ہے۔ منصور اور عبد الملک میں فرق صرف اتنا تھا کہ عبد الملک لوگوں کو امان دے کر معاف کر دیتا تھا لیکن منصور نے لوگوں کو امان دینے کے بعد بھی قتل کیا اور بد عہدی کے ساتھ پیش آیا۔

مہدی کا زمانہ امن وسکون کا دور رہا، مہدی اپنے دور خلافت میں مظالم کی روک تھام اور عدل وانصاف کی وجہ سے رعایا میں کافی مقبول تھا۔ مہدی نے اہل مکہ کے ساتھ اچھا سلوک کیا منصور کے عہد میں علویوں کے ساتھ جو زیادتی ہوئی تھی مہدی نے اس کی داد رسی کی اور جو جائدادیں قرق کی گئیں تھیں وہ واپس کر دی گئی۔ مہدی نے الحاد وزندقہ کی روک تھام کے لیے مناظرانہ کتابیں لکھنے کا حکم دیا جس سے علم کلام کی بنیاد پڑی۔ عباسی خلفاء میں سب سے زیادہ شہرت ہارون رشید کو ملی اور ان کے دور کو عباسی خلافت کا عہد زریں کہا جاتا ہے۔ ہارون رشید کی یہ خوش قسمتی ہے کہ اس کو اچھے وزیر ملے جس کی وجہ سے عباسی سلطنت کو چار چاند لگ گیے۔ ہارون رشید جس کے ایک ہاتھ میں قلم اور دوسرے ہاتھ میں تلوار تھی لیکن اس کے 23 سالہ دور حکومت میں قلم کا پلہ بھاری تھا۔ عہد بنو امیہ اور بنو عباس میں ہارون سے پہلے یہ طریقہ تھا کہ ایک خلیفہ کے فوت ہو جانے کے بعد ایک ہی خلیفہ تحت نشین ہوتا تھا لیکن ہارون رشید نے یہ طریقہ بدل دیا اور اپنی سلطنت کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا، ہارون رشید جیسے قابل بادشاہ سے اس غلطی کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی لیکن ہارون نے ایسا کر کے اپنی سلطنت کو

کمزور کیا۔ عباسی سلطنت میں خانہ جنگی کی شروعات ہارون کے اس فیصلے سے ہوئی۔ بالآخر مامون نے سلطنت کو پھر سے متحد کرنے میں کامیابی حاصل کرلی اگر مامون کامیاب نہ ہو پاتا تو عباسیوں کا زوال اور پہلے شروع ہو جاتا۔ مامون رشید کے زمانے میں ترکوں میں اسلام کافی تیزی سے پھیلا۔ اشروسنہ اور کابل کے حکمرانوں نے اسی دور میں اسلام قبول کیا۔ علمی اعتبار سے مامون دنیا کے عظیم ترین حکمرانوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ عباسی خلفاء میں مامون کو علوم وفنون کو بلندی پر لے جانے کا مقام حاصل ہے۔ مامون کے ہی زمانے میں غیر زبانوں سے ترجمے کا کام اپنے عروج پر پہنچ چکا تھا۔

معتصم سے پہلے عباسی سلطنت میں عربوں کے مقابلے عجمیوں کو عروج حاصل رہا لیکن معتصم نے ترکوں کو آگے بڑھانا شروع کیا۔ حکومت کی سرپرستی میں ہزاروں سمرقندی اور فرغانوی ترک خریدے گیے۔ یہ ریشمی لباس زیب تن کرتے تھے۔ زریں طوق ان کے گلے میں لٹکا رہتا اور تہذیب وتمدن سے نابلد تھے۔ طبیعتاً وحشی تھے اس لیے اہل بغداد کو ان سے بڑی تکلیف تھی بے تحاشا گھوڑے دوڑانا جس سے بوڑھے، بچے اور عورتیں دب جاتیں لیکن ان کو مطلق پرواہ نہ ہوتی۔ اہل بغداد نے اس سلسلے میں معتصم سے گزارش کی جس کی وجہ سے معتصم نے بغداد کے قریب ایک شہر سامرا آباد کیا اور ترکوں کو وہاں منتقل کیا اور بعد میں خود بھی وہیں قیام پذیر ہوا۔ مورخین بیان کرتے ہیں کہ معتصم کو ترکوں سے انسیت اس وجہ سے بھی تھی کہ اس کا ننہال ترک خاندان میں تھا۔ گرچہ ترک فطری طور پر جنگجو اور دلیر ہوتے ہیں اس لیے انہوں نے جلدی ہی فوجی نظام پر بھی قبضہ کرلیا۔ معتصم نے ترکوں کو بڑے بڑے عہدے اور گورنر تک مقرر کیا۔ ایرانیوں اور عربوں دونوں پر ترکوں کو فوقیت دی جس کی وجہ سے ایرانی اور عربی جنرلوں کی غیرت کو تکلیف پہنچی۔ عرب جنرل اس بات پر غور وفکر کرنے لگے کہ کس طرح ترکوں کے اقتدار سے خلاصی ملے۔ ظاہری طور پر معتصم ترکی فوجوں کو بڑھانے یا ترقی دینے کی وجہ یہ تھی کہ خراسانیوں کا زور کم کرنا چاہتا تھا جو اس سے قبل عربوں کا زور کم کرچکے تھے۔ دوسری طرف ترکوں کی بڑھتی تعداد نے ان کو من مانی کرنے کا موقع دیا۔ خلیفہ معتصم کے زیادہ بھروسہ کرنے کی وجہ سے ان کا دماغی توازن بگڑنے لگا اور کچھ ہی وقفے بعد معتصم کو ہی ترکوں سے خطرہ نظر آنے لگا۔ کاش معتصم سیاسی تدبیر سے کام لیتے ہوئے عربوں کی مدد سے خلافت کے اقتدار کو بچالیتا لیکن وہ ایسا نہ کرسکا۔ حکومت بنی عباس کے زوال کی ایک بڑی وجہ ترک بھی ہیں جس کی ذمہ داری معتصم پر عائد ہوتی ہے کہ اس نے بغیر غور وفکر کے ایسے لوگوں کو آگے بڑھایا جو صرف دنیوی فائدہ کے خواہشمند تھے اور قومی ناموس کا ذرہ برابر بھی خیال نہ تھا۔ معتصم نے ترکوں کو آگے بڑھا کر تیسری قوم (ترک) کو زندہ طاقتور بنایا۔ وقت کے ساتھ ترک اتنے مضبوط ہوگیے کہ جسے چاہتے تخت پر باقی رہنے دیتے اور جسے چاہتے اتار دیتے تھے۔

واثق خلافت پر بیٹھتے ہی ترکوں پر بہت مہربان ہوا۔ عباسی عہد میں واثق پہلا خلیفہ ہے جس نے نیابت سلطانی کا عہدہ قائم کیا اور یہ عہدہ اپنے ترکی غلام اشناس کو عطا کیا۔ واثق کے دور خلافت میں عرب اور ترک کشمکش میں مزید اضافہ ہوا۔ متوکل ترکوں سے بہت زیادہ ناخوش تھا اور اس نے ان کی طاقت کو ختم کرنے کا ارادہ کرلیا لیکن قبل اس کے وہ ترکوں پر قابو پاتا متوکل کے بیٹے نے ہی ترکوں سے ساز باز کرکے متوکل کا کام تمام کردیا۔ خلافت بنو عباس میں متوکل پہلا خلیفہ ہے جس کو قتل کیا گیا۔ یہیں سے ترک فوج حد سے تجاوز کرگئی اور خلفاء کا احترام اور خلافت کی رہی سہی عظمت جاتی رہی۔

متوکل کے بعد ترک اقتدار پر حاوی ہو گیے اور محض آٹھ سال کی مدت میں چار خلفاء تخت نشین ہوئے۔ ترک امراء سلطنت پر اس قدر حاوی ہو گیے تھے کہ وہ خلیفہ کے حکم کو بھی خاطر میں نہیں لاتے تھے، کچھ خلفاء کو انہوں نے تخت سے اتارا اور بعض کو قتل تک کر دیا۔ ترکوں نے حکومت کو کمزور تو کیا لیکن بذات خود کوئی مضبوط حکومت قائم نہیں کی۔ سلطنت میں حالات کشیدہ تھے جس کا دوسرے صوبوں کے امراء نے فائدہ اٹھا کر اپنے علاقے میں خود مختار حکومت قائم کر لی۔ یہ لوگ خطبہ میں تو عباسی خلیفہ کا نام پڑھتے تھے لیکن عباسی خلیفہ کے کسی حکم کی پرواہ نہ کرتے تھے۔

علوی اور فاطمی لوگوں کو عباسی خلافت میں حصہ داری نہیں ملی تھی حالانکہ اموی مخالفت میں یہ پیش پیش تھے۔ اس لئے انہوں نے عباسیوں کو اپنا دشمن سمجھا اور عباسی حکومت کو مٹانے کے لیے پس پردہ کوششیں شروع کر دیں، بنو عباس اس سے پہلے اہل بیت میں شمار کیے جاتے تھے لیکن اس کے بعد اہل بیت سے عباسی کو خارج کر کے اپنے آپ کو اہل بیت قرار دے کر سازش شروع کر دی۔

سفاح سے واثق تک کے عباسی خلفاء اپنے کردار و عظمت سے پہچانے جاتے تھے ان میں کمیاں تھیں تو ان کے کارنامے قابل فخر تھے۔ منصور نے عربوں کے حق میں کوتاہی کی تو ہارون نے ولی عہدی کے معاملے میں بڑی فاش غلطی کی، حکومت کو تین حصوں میں منقسم کر کے خاندان میں باہم بغض وعداوت کا بیج بو دیا جس سے شاہی خاندان بد نظمی اور انتشار کا شکار ہو گئی۔ جو بعد میں عباسی زوال کی ایک مزید وجہ ثابت ہوئی۔

زوال کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ عباسی حکومت نے عربوں کو سرے سے ہی نظر انداز کر دیا اور اس کے بدلے عجمیوں پر زیادہ بھروسہ واعتماد دکھایا جس کی وجہ سے عربوں کی عصبیت کا شیرازہ منتشر ہو گیا اور وہی باتیں واپس لوٹ کر اسلامی سماج کا حصہ بن گئیں جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ختم کیا تھا۔ اسلام نے وطن، رنگ، نسل اور زبان کے تمام امتیازات کو ختم کر دیا تھا اور اسلام نے انسانی مساوات اور وحدت کے اصول کو جس کامیابی وکامرانی کے ساتھ مسلم معاشرے میں پرویا تھا اور بے شمار نسلوں و قوموں کو ملا کر ایک امت بنایا تھا وہ صرف ایک چیز تھی۔ رضائے الٰہی اور اعلائے کلمۃ الحق۔ اس متحدہ برادری سے خلفائے راشدین کے دور میں اسلام کی شان وشوکت میں اضافہ ہوا اور اسی کی بدولت شام، مصر اور ایران وغیرہ اسلام کے پرچم تلے آئے۔ بنو امیہ میں آل مروان نے قبائلی عصبیت کو ہوا دی مگر عہد اموی میں قبائلی عصبیت اتنی مضبوط نہیں ہوئی تھی کہ اسلامی تعلیمات کو فراموش کر دیتے۔ مگر قبائلی عصبیت کی آگ جو آل مروان روشن کر چکے تھے بالآخر ان شعلوں میں خود بھی بھسم ہو گیے۔

بنو عباسی نے اپنی دعوت میں عربی یا عجمی کا واسطہ قرابت رسول کا واسطہ دیا جس میں عرب وعجم دونوں نے اس تحریک کو قوت بخشی لیکن جب اپنا مقصد پورا ہو گیا تو طاقتور عجمیوں سے عربوں کو کچلوایا گیا۔ گرچہ علویوں نے پھر سے کوشش کی لیکن ان کو حکومت کا باغی قرار دے کر ان کی قوت کو ابھرنے ہی نہ دیا گیا۔ عباسی حکومت جب اقتدار میں آئی تو علویوں کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا جس کی وجہ سے علویوں نے برابر درپردہ سازش کرتے رہے اور عباسی حکومت کے علاقہ میں ہی ادریسیہ، زیدی اور فاطمی خلافت وجود میں آئی۔ جس دعوت کو لے کر عباسی خلفاء اقتدار میں آئے تھے اسی دعوت کی مخالفت کی وجہ سے زوال کا سفر طے کیا۔

4.0 خلافت عباسی کے تنزلی کا دور

دسویں خلیفہ متوکل کے بعد عباسی خلافت تقریبا چار سو سال تک رہی لیکن وہ برائے نام قائم رہی۔اس دور میں خلفاء کا کردار برائے نام ہوتا اصل اقتدار دوسروں کے پاس ہوتا تھا۔ خلیفہ کا نام صرف خطبہ و سکہ تک مصلحتاً محدود تھا۔ یہ دور بڑا ہی طویل ہے جس کو مورخین نے چار حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ خلفاء کے نام سے پہلے ترک سالار وامراء غالب رہے اس میں گیارہ عباسی خلفا تخت پر بیٹھے، اس کے بعد ان کی جگہ شیعہ آل بویہ نے لی، پھر سلجوقیوں نے غلبہ حاصل کیا۔ آخری دور طوائف الملوکی کا رہا۔

4.0.1 ترک امراء کا دور اقتدار

منتصر بن متوکل

مستعین بن معتصم

معتز بن متوکل

مہتدی بن واثق

معتمد بن متوکل

معتضد بن موفق

مکتفی بن معتضد

مقتدر بن معتضد

قاہر بن معتضد

راضی بن مقتدر

متوکل کے دور میں ترکوں کا اقتدار بہت بڑھ گیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ خلیفہ متوکل کو قتل کر دیا۔ ترک امراء کے دور میں دس خلیفہ ہوئے جس میں کچھ خلفاء نے ترکوں کے بڑھتے اقتدار کو ختم کرنے کی کوشش کی لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکے۔

منتصر کو ترکوں نے ہی تخت پر بیٹھایا تھا اس لیے ان کی من مانی اور بڑھ گئی۔ منتصر کو اپنے باپ کے قتل کروانے کا افسوس دن بہ دن بڑھتا گیا اور اس نے ترکوں کو اقتدار سے دور کرنے کا فیصلہ کر لیا لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکا۔ منتصر چھ ماہ ہی حکومت کر سکا۔ مستعین کے دور میں ایک وقت ایسا بھی آیا جب سامرا اور بغداد دونوں جگہ الگ الگ خلیفہ رہے تقریبا گیارہ مہینے تک یہ صورتحال رہی اور آخر میں معتز نے مستعین پر فتح حاصل کی اور تخت خلافت پر بیٹھا۔ خلیفہ معتز کو بھی ترک سرداروں نے اپنے قبضے میں کر رکھا تھا۔ معتز کے زمانے میں فوج نے جمع ہو کر خلیفہ سے پچاس ہزار دینار کی فریاد کی لیکن خلیفہ معتز کے پاس اتنی بھی رقم نہ تھی کہ وہ دے کر اس فتنہ سے نجات پاتا۔ معتز کی ماں قبیحہ ایک مالدار خاتون تھی اور وہ معتز کی جان بچا سکتی تھی لیکن قبیحہ نے دولت کو عزیز رکھا جو مہتدی کے دور خلافت میں اسے دولت سے بھی

ہاتھ دھونا پڑا۔ مہتدی عباسی خلافت میں اصلاحات کا قائل تھا اور کوشش بھی کی لیکن سلطنت میں اتنی زیادہ خرابیاں پھیل چکی تھیں کہ مہتدی کے لیے ممکن نہ تھا۔ مہتدی بہادر بھی تھا لیکن اس کو مددگار نہیں ملا جس سے وہ حکومت میں پھیلی خرابیوں کو دور کر سکتا۔ معتمد جب تخت خلافت پر بیٹھا تو حکومت میں ہر جگہ بدنظمی پھیلی ہوئی تھی اور معتمد جیسے خلیفہ کے بس میں بھی نہ تھا کہ وہ ان بدنظمیوں پر قابو پا سکتا۔ اس دور میں معتضد ایک ایسا خلیفہ بنا جو ترکوں کو قابو میں رکھ سکا ورنہ اس سے پہلے ترک خلیفہ کو اپنے قابو میں رکھتے تھے۔ عباسی خلافت جس حالت میں پہنچ چکی تھی معتضد نے زندگی بھر اس کی اصلاح کی کوشش کی اور خلافت عباسی کے مردہ جسم میں ایک جان ڈال دی۔ معتضد کو سفاح ثانی کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ معتضد اپنے دور خلافت میں امن وامان کو قائم رکھا، معتضد نے عدالتوں کے معاملات میں کبھی رخنہ نہ ڈالا بلکہ اسے آزاد طریقے سے کام کرنے دیا جس کی وجہ سے اس دور میں امراء و خلیفہ کوئی عدالت کی باز پرس سے نہیں بچ سکتا تھا۔ معتضد کے بعد راضی کے بہت زیادہ فضیلت بیان کی جاتی ہے، خطیب فرماتے ہیں:

''راضی آخری خلیفہ ہے جس کے اشعار مدون ہوئے۔ راضی نے فوجوں کی تنخواہ کے تعلق سے قوانین مرتب کیے۔ راضی آخری خلیفہ ہے جس نے جمعہ میں خطبہ پڑھا۔ وہ آخری خلیفہ ہے جس نے خلفاء متقدمین کی رسوم کے مطابق انعام تقسیم کیے اور آخری خلیفہ ہے جس نے قدماء کے مطابق اپنی ہئیت اور لباس مقرر کیا۔''

اس دور میں عباسی سلطنت سیاسی زوال کے باعث اخلاقی و دینی حالات میں دن بہ دن ابتری ہوتی رہی۔ عباسی حکومت عجمیوں کے ہاتھوں اقتدار میں آئی تھی اور خلافت کے بڑے عہدوں پر بھی عجمی فائز تھے اس لیے عجمیوں کے عقائد، خیالات اور تہذیب و تمدن کی آمیزش شروع ہوگئی۔ اس دور میں مختلف فرقے اور عقائد منظر عام پر آئے۔ ایرانی قوم کی یہ خاصیت تھی کہ وہ تہذیب و تمدن سے آشنا تھے اوران کو اخلاقی حدود و قوانین کا پاس ولحاظ تھا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایرانیوں نے اپنے عروج کے دور میں خلفاء کی عزت واحترام میں کوئی کمی نہ ہونے دی۔ ایرانیوں کے بعد جب ترکوں کو عروج حاصل ہوا تو ان کے برعکس یہ قوم نہ صرف تہذیب و تمدن سے ناآشنا تھے بلکہ اخلاقی تعلیم سے بھی عاری تھے۔ فطرتاً ترک بہت بہادر ہوتے تھے اور لڑنا ان کو پسند تھا اس لیے عباسی خلافت کو فوجی طاقت کے علاوہ کوئی دوسرا فائدہ نہ پہنچا۔ یہ لوگ کسی کے ماتحت نہیں رہ سکتے تھے۔ اپنی زبان وخواہشات نفس کی پیروی کرتے تھے اور اس کی کمی ہونے پر خلیفہ کو تخت سے اتار دیتے تھے اور اس کو خلیفہ بناتے تھے جو ان کی ماتحتی میں رہ سکے یا ان کی خواہشات پر قدغن نہ لگا سکے۔ اس دور میں خلفاء برائے نام ہوتے تھے اور اصل حکومت پر ترک قابض تھے۔ طاقتور امراء کمزور امراء پر غلبہ حاصل کر لیتے۔ وزیر کا اقتدار بھی کم کیا گیا۔ ترکوں نے اپنی حکومت قائم نہ کی بلکہ طاقت حاصل کر کے خلیفہ اور شریف لوگوں کو ذلیل کیا اور کفار سے بھی جہاد کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں دکھائی۔ اس دور میں مختلف نئے حکمرانوں کی سلطنت قائم ہو چکی تھیں مثلاً مصر میں طولونی سلطنت، طبرستان اور سیستان میں صفاری سلطنت، خراسان میں طاہری خاندان کی جگہ سامانی سلطنت، موصل وشام میں حمدانی سلطنت، طولونی حکومت کی جگہ فاطمی سلطنت، زیادی خاندان، دیلمی خاندان اور متعدد خارجی و باطنی طبقات جیسے قرامطہ کا ظہور و عروج ہوا۔ اس پورے دور میں سیاسی انتشار کا غلبہ رہا۔ عباسی خلیفہ میں راضی آخری خلیفہ ہے جس نے جمعہ کا خطبہ دیا اس کے بعد کے خلفاء نے یہ ذمہ داری بھی دوسروں کے سپرد کر دی۔

4.0.2 آل بویہ کا دور اقتدار

مستکفی

مطیع

طائع

قادر

قائم

عباسی خلیفہ قاہر باللہ کے عہد میں فارس میں بنی بویہ خاندان نے اپنی سلطنت قائم کی تھی اس حکومت کا بانی ابو شجاع بویہ تھا جو ایران کی سرزمین سے تعلق رکھتا تھا اور اس کا خاندان شاہی تھا۔ بنی بویہ نے سامانی سلطنت کے تسلط پر اپنا پیر دھیرے دھیرے جمانا شروع کیا اور پورے مشرق پر چھا گیے۔ یہ شیعہ حکومت تھی اور عباسی خلفاء کے ماتحت برائے نام تھے۔ ابو شجاع کے تین بیٹے تھے علی، حسن اور احمد جن کو بغداد کے خلیفہ نے عماد الدولہ، رکن الدولہ اور معزالدولہ کے لقب سے نوازا۔ تینوں بھائیوں میں علی زیادہ چالاک اور ہوشیار تھا علی نے دھیرے دھیرے اپنی طاقت و قوت میں اضافہ کیا اور خلیفہ مقتدر ملقب راضی باللہ کے دور میں گورنر یاقوت کو شکست دے کر شیراز پر قبضہ کر لیا۔ اپنے بھائی رکن الدولہ کو بھیج کر عراق کو اپنی حکومت میں شامل کیا۔ معزالدولہ کو کرمان فتح کرنے کے لیے بھیجا جس نے کرمان کو تو فتح کر لیا لیکن بغداد پر تین مرتبہ حملہ کرنے کے بعد فتح کرنے سے قاصر رہا۔ خلیفہ راضی باللہ کے عہد میں جب سلطنت کا نظام پوری طرح تباہ و برباد ہو چکا تھا اور اس بگڑتی ہوئی حالت کو وزرات بھی نہیں سنبھال پا رہے تھے تو راضی نے ابن رائق کو بغداد بلا کر امیر الامراء کے لقب سے سرفراز کیا۔ جب رایق امیر الامراء بنا تو اس وقت بغداد اور اس کے اطراف کے علاقہ عباسیوں کے پاس تھا۔ باقی دوسرے صوبے پر لوگ قابض تھے۔ اس کے بعد وزیر کے عہدہ کی اہمیت ختم ہو گئی۔ متقی باللہ کے دور میں توزون جب امیر الامراء بنا تو اس نے معزالدولہ سے بغداد کو دور رکھا اور اپنی زندگی میں معزالدولہ کا یہ خواب نہ پورا ہونے دیا لیکن اس کے مرنے کے بعد امیر الامراء کے عہدے پر ابن شیرزاد فائز ہوا اور وہ معزالدولہ کے حملے کی تاب نہ لا سکا۔ بالآخر عباسی خلیفہ مکتفی کے عہد میں اس نے بغداد کو فتح کر لیا اور خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ خلیفہ نے معزالدولہ کو امیر الامراء تقرر کیا اور ان کے دونوں بھائیوں کو عماد الدولہ و رکن الدولہ کا خطاب دیا۔ خاندان بویہ کا سب سے کامیاب حکمراں عضد الدولہ شمار کیا جاتا ہے اس کے عہد میں بغداد کی حکومت ہارون رشید کی حکومت کے برابر توسیع ہو گئی۔ اس خاندان کے عہد میں پانچ خلیفہ تخت پر بٹھائے گیے۔ خلفاء عباس اب ترکوں کے چنگل سے نکل کر بنی بویہ کے ہاتھوں میں آ گیے۔ بنی بویہ ظاہری طور پر محفلوں میں خلفاء کا احترام ملحوظ رکھتے تھے۔

بنی بویہ کو عباسی سلطنت سے کوئی ہمدردی نہ تھی بلکہ وہ ایسا خلیفہ چاہتے تھے جن کے غلبہ و تصرف سے وہ آزاد رہیں۔ بنی بویہ نے قبضہ اس لیے کیا تھا کہ وہ علوی خاندان کی حکومت قائم کریں گے لیکن بغداد پر قابض ہونے کے بعد وہ سنی عباسی خلیفہ کو صرف اس لیے بحال رکھا کہ علوی خلیفہ جو بھی ہو گا اس پر بنی بویہ اتنی آسانی سے اپنا حکم نہ چلا سکیں گے۔ عباسی سلطنت اگرچہ معزالدولہ سے پہلے ہی اپنا

وقار کھو چکی تھی لیکن بنی بویہ کے اقتدار میں آنے کے بعد رہا سہا اقتدار بھی ختم ہو گیا اور خلیفہ کو اس قدر لاغر کر دیا کہ خلیفہ کے پاس مال وزر کی نگرانی کے لیے صرف ایک منشی کے علاوہ کوئی نوکر نہیں ہوتا تھا۔ اس دور میں ساری طاقت اور اختیار بنی بویہ حکمراں کے پاس تھی اور خلیفہ کی حیثیت ایک قیدی کی تھی اور ان بویہی حکمرانوں سے طرح طرح کی ذلت بھی برداشت کرنی پڑتی تھی۔ غرض حکومت عباسیہ کو ختم کر کے اپنی قوم وخاندان کی حکومت قائم کرنے کی کوشش کی۔ اس دور میں سلطنت کے حدود بھی کم ہو گیے کیونکہ مشرق ومغرب میں اور کئی آزاد سلطنتیں وجود میں آچکی تھیں۔ مثلاً مصر میں فاطمی حکومت، غزنہ میں غزنوی حکومت وغیرہ۔

4.0.3 سلجوق

قائم

مقتدی

مستظہر

مسترشد

راشد

مقتفی

غزنوی سلطنت جب منتشر ہو چکی تھی تو سلجوقی ترکوں نے ان پر غلبہ حاصل کر لیا۔ خراسان حاصل کرنے کے بعد سلجوقی دھیرے دھیرے مشرق ومغرب کی طرف اپنے پیر جمانے شروع کر دیے۔ بغداد میں بنی بویہ کی حالت روز بروز خستہ ہوتی جارہی تھی دوسری طرف سلجوقیوں کی قوت میں اضافہ بڑھتا جارہا تھا۔ قائم بنی بویہ کی حکومت سے کافی عرصے سے تنگ تھا اس نے سلجوقی فرماں رواطغرل بک کو فرمان حکومت دیتے ہوئے بغداد آنے کی بھی دعوت دی۔ سلجوقیوں نے قائم کے عہد میں بنی بویہ سے حکومت چھین کر بغداد پر قبضہ کر لیا۔ اور آل بویہ سے بہتر طور طریقے سے سلجوقیوں نے خلفاء کی عظمت وبزرگی کا خیال کیا۔ بنی بویہ میں خلیفہ کی حیثیت قیدی کی تھی لیکن سلجوقی دور میں خلفاء بنی عباس نے اپنے وقار کو واپس لانے کی کوشش کی۔ سلجوقیوں نے اسلامی دنیا کے ایک بڑے حصے کو پھر سے متحد کر دیا۔ سلجوقی دور میں عباسی خلفاء نے جو وقار ختم ہو چکا تھا اس کو از سر نو قائم کرنے کی کوشش کی۔ مسترشد نے اپنے دور حکومت میں خلافت بنی عباس کے وقار کو واپس لانے کی کوشش کی حالانکہ وہ کامیاب نہ ہو سکا۔ حافظ ذہبی کا بیان ہے کہ: ''مسترشد نے بنی عباس کے وقار وعظمت کو زندہ اور امور مملکت کو منظم کیا۔ ''سلجوقی آپس میں لڑ کر کمزور ہو چکے تھے۔ مقتفی جب خلیفہ بنا تو عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لیتے ہی عدل وانصاف سے کام لینے لگا اور بہت جلد ہی پورے بغداد پر قابض ہو گیا۔ مقتفی بہت بہادر اور سیاست سے واقف تھا۔ مقتفی نے سلجوقیوں کی خانہ جنگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے تھوڑے ہی عرصے میں بغداد وقرب وجوار کے علاقے میں اپنا قبضہ جما لیا۔ گرچہ سلجوقی اس کے بعد بھی عرصے تک چھوٹے چھوٹے ملکوں پر اپنی حکومت کرتے رہے لیکن بغداد میں بحیثیت نائب السلطنت اور سرپرست کے اپنا دور مکمل کر چکے تھے۔

تیسرے دور کی منظر کشی کرتے ہوئے پروفیسر یسین مظہر صدیقی لکھتے ہیں:

عباسی خلافت کے اس تیسرے دور تغلب میں شہروں میں خاص کر بغداد کی عوامی شورشیں قائم رہی۔ فوج وقتاً فوقتاً بغاوت کرتی رہی۔ امراء اور حکام میں اقتدار اور عہدوں کے لیے دوڑ ہوتی رہی اور ناکام لوگوں کا قتل ہوتا رہا۔ عربوں اور ترکوں میں تصادم ہوئے۔ مختلف علاقوں میں بغاوتیں اور شورشیں ہوتی رہیں۔ اس دور میں سنی مکاتب فکر اشاعرہ اور حنابلہ میں سخت معرکے ہوئے۔ کئی باطنی اور شیعی تحریکیں ابھریں۔ متعدد مسلم حکمراں خاندان جیسے غزنوی اور سلجوقی دست و گریبان رہے۔ کئی نئے حکمراں خاندان جیسے موصل کے اتابک، مغرب میں موحدین، خوارزم میں خوارزمی وغیرہ وجود میں آئے۔

4.0.4 آخری دور

مقتفی

مستنجد

مستضی

ناصر

ظاہر

مستنصر

مستعصم

بغداد سے سلجوقیوں کے خاتمے کے بعد عباسی خلفاء خود مختار تو ہو گیے لیکن ان کی خلافت زیادہ بڑے علاقے پر مشتمل نہیں تھی بلکہ وہ صرف عراق (یعنی بغداد، بصرہ و کوفہ) پر قابض تھے۔ مستضی کے عہد خلافت میں دولت فاطمیہ کا خاتمہ ہو گیا اور مادی اقتدار امیر صلاح الدین کے ہاتھ میں آ گیا لیکن مستضی اور نورالدین زنگی کے اثرات غالب رہے۔ اس طریقے سے وسط ایشیا سے لے کر مصر و مغرب تک عباسی خلافت کا پرچم برائے نام ہی سہی پھر سے بحال ہو گیا۔ مستضی کے بعد ناصر خلیفہ بنا اور 47 سال حکومت کی اور عباسی خلفاء میں الناصر لدین اللہ کے برابر کسی نے خلافت نہیں کی۔ ناصر کا دور عزت و جلالت کا دور رہا، اراکین سلطنت اور عمال ناصر سے ہمیشہ خوف زدہ رہتے تھے۔ دشمنوں کو تباہ و برباد کیا، بادشاہوں کے سر کو خم کیا اور کسی شخص کو اس سے سرکشی کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ مورخین کہتے ہیں کہ حصول زر کے لیے اس نے رعایا پر بعض اوقات بڑی زیادتی کی۔ نئے ٹیکس جاری کیے۔ مال و جائداد کے لیے سینکڑوں آدمیوں کو جیل میں بھر دیا۔ خراج کی مقدار غیر معمولی حد تک بڑھا دی۔۔۔ مگر زندگی کے واقعات بتاتے ہیں کہ ناصر ٹیکس رفاہ عام میں خرچ کرتا تھا۔ ناصر کے ظاہر کی حکومت نو ماہ رہی لیکن اس مختصر مدت میں ناصر نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کی یاد تازہ کر دی۔ حکومت میں چاروں طرف عدل و احسان کا بول بالا ہو گیا۔ مستنصر نے جب خلافت کا بار سنبھالا تو شروعاتی دور میں تو اپنے باپ کے نقش قدم پر قائم رہا لیکن بہت دنوں تک یہ نظام قائم نہ رہ سکا اور جلد ہی سلطنت کا نظام بگڑنے لگا اس کے سامنے امرائے بنی عباس خود سری کرنے لگے۔ خلیفہ مستنصر نے دجلہ کے کنارے شرقیہ پر ایک مدرسہ بنایا جس میں چاروں مذہبوں کے واسطے چار مدرس مقرر کیے۔ مدرسہ سے متعلق اسپتال اور غرباء و فقراء کے لیے باورچی خانہ بنوایا۔ مدرسہ

سے متعلق ایک عظیم الشان کتب خانہ بھی تھا، غرض مدارس کی ہر ضرورت کا خیال رکھا گیا۔ آخری عباسی خلیفہ مستعصم باللہ تاتاریوں کی طرف سے بالکل مطمئن تھا کہ تاتاری بغداد پر حملہ نہ کریں گے لیکن یہ اطمینان مستقبل میں کوہ آتش فشاں بن کر بغداد کو لپیٹ میں لے لیا۔

4.1 عباسی حکومت کا زوال

آپس کی نااتفاقی اور خانہ جنگی نے عباسیوں کو بہت کمزور کیا اور یہ ایک ایسی بیماری ہے جس سے دنیا میں کوئی خاندان بھی محفوظ نظر نہیں آتا۔

آخری عباسی خلیفہ مستعصم باللہ پر وزیر ابن علقمی حاوی ہو گیا تھا۔ علقمی بڑا عقلمند و ہوشیار تھا لیکن اس کی نیت خراب تھی، جس کا نتیجہ بغداد کی تباہی و بربادی کی صورت میں ظاہر ہوا۔ ابن علقمی کو دولت فاطمیہ مصر کے خاتمہ کا بہت قلق تھا علقمی کی خواہش تھی کہ بنو عباس کو نیست و نابود کر کے کسی فاطمی کو برسر اقتدار میں لایا جائے۔ علقمی نے تاتاریوں سے خط و کتابت کی اور پوری کوشش کی کہ کسی طرح سے مستعصم کو خلافت سے دست بردار کیا جائے۔ بغداد میں شیعہ سنی کے جھگڑے وقتاً فوقتاً ہوتے رہتے تھے، مستعصم کے عہد میں حد سے زیادہ ہو گیے تو خلیفہ کے بیٹے ابو بکر نے مستعصم کے حکم پر شیعوں کے محلہ کرخ کو تباہ کر دیا۔ وزیر علقمی جو شیعہ تھا اس کو بہت غصہ آیا۔ علقمی نے سارے احوال خواجہ نصیر الدین طوسی کو لکھ بھیجا کہ ہلاکو خاں کو بغداد پر حملہ کرنے کے لیے ہر صورت میں تیار کرے۔ علقمی نے اپنے بھائی کی معرفت میں بغداد آنے کے لیے دعوت دی۔ ہلاکو بغداد پر حملہ کرنے سے ڈرتا تھا کیونکہ اس سے پہلے تاتاریوں کی فوج کو دو مرتبہ عباسی فوج شام کے علاقے میں شکست دے چکے تھے۔ مگر وزیر علقمی کا اصرار بڑھتا گیا اور اس نے تاتاریوں کو حملے کے لیے اکسایا۔ محقق طوسی نے بھی علم نجوم کے حوالہ دے کر ہلاکو کو بتایا کہ یہ وقت آپ کے لیے موزوں ہے اور اس نے فتح بغداد کی بشارت بھی دی۔

ہلاکو نے محرم 656ھ / 1258 میں بغداد کا محاصرہ کر لیا اور خلیفہ مستعصم کو لکھ بھیجا کہ تم اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دو ورنہ طاقت سے کام لیا جائے گا۔ ہلاکو تاتاری لشکر کی کمان خود کر رہا تھا اس نے بغداد کے مشرقی طرف اپنی فوج اتاریں، شیعہ کی ریشہ دوانیوں سے تاتاریوں کے لیے صورت مزید آسان ہو گئی۔ ہلاکو کے لشکر نے بغداد کا محاصرہ چاروں طرف سے کر لیا۔ خلیفہ کے فوج نے ہلاکو کی فوج کا مقابلہ کیا لیکن شکست ہوئی۔ مختلف بیانات کے مطابق دس سے چالیس روز تک ہلاکو نے بغداد کا محاصرہ کیا اور مستعصم نے مزید برداشت کی قوت نہ رکھتے ہوئے ہتھیار ڈال دیے۔ صورتحال کو دیکھ کر وزیر علقمی نے خلیفہ مستعصم کو ان سے صلح کرنے کا مشورہ دیا اور فرمایا کہ آپ سپہ سالار فوج تاتار سے چل کر ملیے میں ان سے صلح کے تعلق سے بات چیت کرتا ہوں۔ علقمی اپنے لیے امان لے کر اور عہد و پیمان کر کے خلیفہ مستعصم کے پاس آیا اور کہا کہ بادشاہ تاتار اپنی بیٹی کی شادی آپ کے بیٹے ابو بکر سے کرنا چاہتے ہیں۔ ان کی خواہش ہے کہ اسی طرح منصب خلافت پر قائم رہیں جس طرح سے آپ کے بزرگوں کو سلجوق نے قائم رکھا تھا۔ بہتر ہے کہ آپ اس کو منظور کر لیں کیوں کہ مسلمانوں کے خون بچانے کی تدبیر اس کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔ غرض خلیفہ مستعصم تمام اعیان کو لے کر ہلاکو کے پاس پہنچا۔ ہلاکو نے سب سے پہلے علماء فقہاء کو شرائط صلح طے کرنے کے بہانے سے بلا کر سب کو قتل کر دیا۔ آخر میں اس نے مستعصم کو اس کے بیٹوں اور خاندان کے دیگر اعزہ

واقارب کے ساتھ مرواڈالا۔ غرض خلیفہ کی اطاعت مان لینے کا پیغام بھی بے اثر ثابت ہوا۔ اہالیان بغداد نے ہلاکو کے فوج کی کوئی خاص مزاحمت نہیں کی اور خلیفہ کے حکم سے مطیع ومنقاد ہو کر شہر کے دروازوں پر جمع ہو گیے۔ تاتاری بغداد میں داخل ہو گیے اور کئی روز تک قتل عام کیا عورتوں، بچوں اور بوڑھوں تک کو نہیں بخشا گیا۔ غرض اطاعت کے باوجود بھی ان پر جو مظالم ڈھائے گیے اور جو سفاکی، غارت گری اور خونریزی روا رکھی گئی اس کی داستان نہایت تکلیف دہ ہے۔ بغداد جو اپنی علمی وفنی شہرت کی وجہ سے ایک خاص مقام رکھتا تھا وہ پل بھر میں ہی کھنڈرات کا ڈھیر بن گیا۔ صدیوں کے علمی وفنی ذخیروں کو جلادیا گیا یا برباد کر دیا گیا۔ اس طرح تمدنی ترقی کا ایک روشن دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا۔ ابن خلدون کے مطابق سولہ لاکھ جانیں اس میں تلف ہوئیں۔ خلیفہ مستعصم کے بعد ساڑھے تین سال تک کوئی خلیفہ نہیں تھا اس کے بعد مستعصم باللہ کے چچا ابوالقاسم احمد کے ہاتھ پر مصر میں مملوک سلطان ملک ظاہر بیبرس نے بیعت کر کے عباسی خلافت کا دوبارہ خطبہ اور سکہ جاری کیا۔

4.2 زوال کے اسباب

عباسی خلافت کی حکومت 508 سال تک رہی (750-1258)۔ یہ تاریخ کی سب سے بڑی سلطنت تھی، اس سلطنت میں 37 خلیفہ نے تخت کو زینت بخشی۔

کربلا کے روح گداز واقعہ نے بنی ہاشم میں سرگرمی تیز کر دی اور خلافت کو حاصل کرنے کے لیے "آل محمد" کی بنیاد پڑی۔ یہ دعوت خفیہ طور پر پروان چڑھتی رہی اور بالآخر بنوامیہ کا خاتمہ کر دیا۔ اس تحریک میں علویوں نے بڑی قربانیاں پیش کیں لیکن جب بنی عباس تخت سلطنت پر بیٹھے تو انہوں نے علوئیوں کی قربانیوں کو فراموش کر دیا۔ علوی لوگ عباسی عہد میں وقتاً فوقتاً خروج کرتے رہے اور مملکت بنوعباس کے علاقے میں دولت ادریسیہ، دولت زیدیہ اور فاطمی حکومت کے نام سے حکمرانیاں کیں۔ بنی عباس کے زوال میں یہ بھی ایک بڑا سبب ہے کیوں بنی ہاشم کی دعوت کو لے کر بنوعباس اقتدار میں آئے اور اسی دعوت کی مخالفت کر کے خلافت بنوعباس نے زوال کی راہ اختیار کی۔

بنوعباس کے زوال کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے عربوں کو سرے سے نظر انداز کیا۔ ایرانیوں اور ترکوں پر زیادہ بھروسہ کیا جس کی وجہ سے عربی اور عجمی کا جھگڑا شروع ہوا اور وہ ساری باتیں لوٹ کر معاشرے میں پھر سے آگئی جس کو اسلام نے ختم کیا تھا۔ اسلام نے عربی وعجمی میں جو وحدت اور اخوت کی تعلیم دی تھی اور لوگ اس کے پیروکار ہو کر ہی اسلام کی شوکت وعظمت کو بلندی تک پہنچایا تھا۔

ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ جہاد کی روح ختم ہو چکی تھی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اموی حکومت جب تک فتوحات کرتی رہی وہ قائم ودائم رہی لیکن جب فتوحات کا سلسلہ رکا تو ان کا بھی زوال ہو گیا۔ عباسی خلافت میں فتوحات کا سلسلہ بالکل بند ہو گیا تھا۔ بازنطینی یا صقلیہ وغیرہ میں جو معمولی اور وقتی جیت ہوئی وہ زیادہ تر حملے تھے اور فوج کی واپسی کے بعد یہ علاقے پھر سے ان کی دسترس میں چلے گیے۔ مستقل فتوحات اغلبی، اندلسی، غزنوی، غوری وغیرہ کی فتوحات تھی نہ کہ عباسی حکومت کا کارنامہ۔ خانہ جنگی بھی عباسی حکومت میں کمزوری کا باعث بنی اور اس وجہ

سے عباسی حکومت کو بہت زیادہ نقصان پہنچایا۔

عہد عباسی میں نظم ونسق کی جو تنظیمیں تھیں وہ بھی زوال کی طرف گامزن ہوئیں اور اپنی حیثیت کھوتی رہیں۔ وزیر، حاجب، غرض سبھی ذمہ داریاں پیسہ کمانے کا ذریعہ بن گئی۔ یہاں تک کہ خلیفہ کا ادارہ بھی مطلب پرستی اور بد نظمی کا ہیڈ کوارٹر بن گیا۔ فوج سرکش اور باغی ہوگئی غرض لوٹ مار کی نشانی ہوگئی۔ خلافت کے کارندے معاوضے کے لالے پڑ گیے۔ حکومت کے ٹیکس کا سسٹم بھی پورا تتر بتر ہوگیا۔ اس میں رشوت، بے ایمانی اور دوسرے غلط ذرائع سے حکومت کے لوگ مال ودولت حاصل کرنے لگے۔ سرکاری آمدنی کی کمی کے باعث خلیفہ کے پاس اتنی دولت نہ ہوتی کہ وہ نوکروں اور فوجوں کو تنخواہ وقت پر دے سکتی۔ ابتدائی دور کے خلفاء نے ان سب چیزوں پر کنٹرول رکھا جس سے حکومت چلانے میں ان کو آسانی ہوی، لیکن بعد کے خلفاء میں چند ایک کو چھوڑ کر اکثریت ناموزوں خلیفہ کی تھی جن کو زندگی کے لطف لینے کے سوا کوئی دوسرا کام نہ تھا۔

شروعاتی دور میں عباسی خلفاء نے ایرانی اور عرب امراء کی جو چپقلش تھی اس میں توازن قائم رکھا اور کسی گروپ کو حد سے آگے نہ بڑھنے دیا۔ تاکہ وہ خلافت کے لیے مشکلات کا سبب نہ بنیں۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ہارون کے عہد میں برامکہ کا عروج خلیفہ کی ذات تک حاوی ہوگیا اس کے بعد مامون کے عہد میں ایرانی بلندیوں پر پہنچ گیے۔ عباسی خلفاء کی اس لغزش نے عربوں اور ایرانیوں کے درمیان دوری کو مزید بڑھایا۔ دونوں ایک دوسرے کو کمزور کرنے کے لیے اپنی توانائی صرف کرتے رہے، جس سے عباسی خلافت ہی کمزور ہوئی۔ ایرانی اور عرب کی کشمکش نے ہی ترک کو آگے بڑھنے اور خلافت پر چھاجانے کا موقع فراہم کیا۔ عرب اور ایرانی مہذب ہونے کی وجہ سے خلیفہ اور دوسرے لوگوں کے احترام کا پاس ولحاظ رکھتے تھے۔ لیکن ترک سالار یا فوج نے گنوار اور تہذیب سے ناآشنا ہونے کی وجہ سے کسی چیز کا خیال نہیں رکھا۔ نظم وضبط سے محروم ہونے کی وجہ سے بلا جھجک خلافت کے محکموں کی بنیادوں کو کمزور کرتے رہے۔

اموی خلافت اور عباسی خلافت میں ایک طاقت جو جوڑ کر رکھنے والی تھی وہ اسلامی طاقت تھی۔ لیکن جب حکمرانوں نے اس بنیاد پر حملہ کیا اور دوسرے نظریات کو نمونہ بنایا۔ عباسی خلافت میں ایرانی، ترک سالار، بویہی حکمراں، سلجوق اور دوسرے طاقتور گروہ نے غلبہ حاصل کیا تو اس نے حکومت کو تباہ وبرباد کرنے میں اہم رول ادا کیا۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ عباسی خلفاء اور حکومت کی مرکزیت ختم ہو گئی۔ غلبہ حاصل کرنے والے گروہ کی فوجی قوت کے استعمال نے حکومت کے نظم ونسق کو برباد کر دیا۔ شیعہ سنی اختلافات نے بھی ریاستوں کو بہت نقصان پہنچایا۔ طبقات شیعہ اور بویہی حکمرانوں نے کبھی بھی خلافت کو اپنا نہیں سمجھا، ان کے مطابق حکومت ان کا حق تھا جو غصب کی گئی اور اس حکومت کا خاتمہ باعث اجر تھا۔ عباسی خلفاء میں مامون، معتصم، اور واثق نے نظریاتی اساس پر متفقہ عقائد کے خلاف معتزلی افکار وخیالات کو قبول کرکے اسلامی طاقت کو شدید نقصان پہنچایا۔ سنیوں میں بھی مسلکی تعصبات، دینی اور مذہبی فساد نے بھی حکومت کو نقصان پہنچایا۔

عباسی خلافت کی بنیاد چونکہ غلط اصولوں پر تھی اس لیے بھی ثابت قدمی نصیب نہ ہوئی۔ حکومت کا طور طریقہ شخصی اور استبدادی تھا، خلفاء میں وہ تمام برائیاں پیدا ہوئیں جو شخصی حکومت کا حصہ ہیں، تکلفات، شراب اور عیش وعشرت وغیرہ۔ دل بستگی کے سامانوں نے

انہیں سلطنت کے معاملات کی طرف زیادہ توجہ مبذول نہ کرنے دی، جس سے ملک میں امن کا قیام مشکل ہو گیا اور امراء کے اندر خود مختاری کی ہمت پیدا ہوئی۔ یہ سارے اسباب عباسی خلافت کے زوال کی وجہ بنے۔ ہلاکو خاں نے دارالخلافہ بغداد، سمرقند اور بخارا کے تاریخی شہروں کو برباد کر دیا اور عباسی خلافت کی شان و شوکت والی سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔ منگولوں کا یہ سیلاب خلافت عباسی کے تمدنی اور علمی کارناموں کو نیست نابود کر دیا۔

4.3 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- بنو عباس کا پہلا خلیفہ ابو العباس سفاح نے ہر ممکن کوشش کی کہ عوام کو خوش رکھا جائے اور اس نے اس سلسلے میں کوشش بھی کی۔ علوی جن کو حکومت میں حصہ داری نہ ملنے کی وجہ سے ملال تھا ابو العباس نے بے دریغ مال و دولت خرچ کر کے ان کو اپنا ہم نوا بنائے رکھا۔
- معتصم سے پہلے عباسی سلطنت میں عربوں کے مقابلے عجمیوں کو عروج حاصل رہا لیکن معتصم نے ترکوں کو آگے بڑھانا شروع کیا۔ معتصم نے ترکوں کو بڑے بڑے عہدے اور گورنر تک مقرر کیا۔ ایرانیوں اور عربوں دونوں پر ترکوں کو فوقیت دی جس کی وجہ سے ایرانی اور عربی جنرلوں کی غیرت کو تکلیف پہنچی۔
- ہلاکو نے محرم 656ھ / 1258 میں بغداد کا محاصرہ کر لیا اور خلیفہ مستعصم کو لکھ بھیجا کہ تم اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دو ورنہ طاقت سے کام لیا جائے گا۔ ہلاکو تاتاری لشکر کی کمان خود کر رہا تھا اس نے بغداد کے مشرقی طرف اپنی فوج اتاریں، شیعہ کی ریشہ دوانیوں سے تاتاریوں کے لیے صورت مزید آسان ہو گئی۔ ہلاکو کے لشکر نے بغداد کا محاصرہ چاروں طرف سے کر لیا۔ خلیفہ کے فوج نے ہلاکو کی فوج کا مقابلہ کیا لیکن شکست ہوئی۔
- عباسی خلافت کی حکومت 508 سال تک رہی (1258-750)۔ یہ تاریخ کی سب سے بڑی سلطنت تھی، اس سلطنت میں 37 خلیفہ نے تخت کو زینت بخشی۔

4.4 نمونہ امتحانی سوالات

4.4.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. عباسی حکومت میں کتنے خلفاء ہوئے؟

37.(a) 23.(b) 4.(c) 12.(d)

2. بنو عباس کو اقتدار تک پہنچانے میں کس نے اہم رول ادا کیا؟

(a).ایرانی (b).ترکی (c).ہندوستانی (d).تمام غلط

3. عباسی خلفاء میں ترکوں کو کس نے آگے بڑھایا؟

(a). معتصم باللہ (b). ابو جعفر منصور (c). مہدی (d). ابوالعباس سفاح

4. عباسی خلفاء میں کون آخری خلیفہ ہے جس نے جمعہ کا خطبہ دیا؟

(a). راضی باللہ (b). مستعصم باللہ (c). ہارون رشید (d). ابو جعفر منصور

5. آخری عباسی خلیفہ کا نام بتائیں؟

(a). مستعصم باللہ (b). معتصم باللہ (c). متقی باللہ (d). قاہر باللہ

6. مستعصم باللہ کا وزیر کون تھا؟

(a). ابن علقمی (b). ابو سلمیٰ خلال (c). جعفر برمکی (d). خالد برمکی

7. عباسی حکومت کا خاتمہ کب ہوا؟

(a). 1258ء (b). 1171ء (c). 909ء (d). 800ء

8. سفاح ثانی کس کو کہا جاتا ہے؟

(a). معتضد باللہ (b). معتصم باللہ (c). مستعصم باللہ (d). تمام غلط

9. بغداد کو کس نے تباہ و برباد کیا؟

(a). ہلاکو خاں (b). عبید اللہ مہدی (c). حجاج بن یوسف (d). چنگیز خاں

10. خلیفہ ناصر لدین اللہ نے کتنے سال حکومت کی؟

(a). 47 سال (b). 22 سال (c). 6 سال (d). 12 سال

4.4.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. عباسی دور میں بنی بویہ پر مختصر نوٹ لکھیے۔
2. عباسی دور میں سلجوقی غلبے کو قلمبند کیجیے۔
3. عباسی دور میں ایرانیوں کے غلبے پر مضمون لکھیے۔
4. عباسی دور میں ترک غلبے پر روشنی ڈالیے۔
5. عباسی دور کے اسباب زوال پر مختصر نوٹ لکھیے۔

4.4.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. عباسی حکومت پر اجمالی نظر ڈالیے۔

2. خلافت عباسی کے تنزلی کا جائزہ لیجیے۔
3. عباسی حکومت کے زوال پر تفصیلی مضمون لکھیے۔

4.5 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. تاریخ اسلام : شاہ معین الدین ندوی
2. تاریخ اسلام : شاہ اکبر نجیب آبادی
3. تاریخ ملت : مفتی زین العابدین سجاد میرٹھی
4. ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ : ثروت صولت
5. تاریخ الامت : اسلم جیراجپوری
6. تاریخ الخلفاء : جلال الدین سیوطی

اکائی 5: عباسی حکومت کا نظم ونسق

اکائی کے اجزا:

5.0 تمہید

5.1 مقاصد

5.2 مرکزی نظام

5.3 صوبائی نظام

5.3.1 دفاعی اور فوجی نظام

5.3.2 مالیاتی نظام

5.3.3 عدل وقضاء

5.4 سماجی ومعاشرتی حالات

5.4.1 غیر مسلموں سے تعلقات

5.5 کلیدی الفاظ

5.6 اکتسابی نتائج

5.7 نمونہ امتحانی سوالات

5.7.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

5.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

5.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

5.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

5.0 تمہید

اس اکائی میں عباسی دور کے نظام حکومت پر روشنی ڈالی جائے گی۔ اس زمانہ کے دفاعی وفوجی نظام، مالیاتی نظام، عدل وقضاء کی

صورتحال اور تعلیمی، معاشی اور تمدنی حالات سے بحث کی جائے گی۔

5.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد ہے کہ آپ اس حقیقت سے واقف ہو جائیں کہ عباسی حکومت کا نظم ونسق کیا تھا، اس نظام کے تحت کون کون سے محکمے (دیوان) قائم کیے گئے اور ان کی عمل داری کس طرح ہوتی تھی۔ اس اکائی کا مقصد یہ بھی ہے کہ یہ بات آپ کے علم میں آئے کہ عباسی خلافت کے نظم ونسق میں مرکزی نظام کے ساتھ ساتھ صوبائی نظام کی کارکردگی کس طرح انجام پاتی تھی۔

5.2 مرکزی نظام

عباسی دور میں حکومت کا نظم ونسق اموی دور کی طرح ہی تھا۔ آسانی کی خاطر نظام حکومت کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔

(1) مرکزی نظام

(2) صوبائی نظام

- مرکزی نظام

مرکزی نظام کا تعلق براہ راست حاکم سے ہوتا اور دیگر صوبوں کے ذمہ دار وہاں کے والی ہوتے تھے۔ جو حاکم کی طرف سے نامزد کیے جاتے۔ مرکزی نظام میں سربراہ اعلی حاکم ہوتا تھا۔ عباسی حکمراں جب سلطنت پر فائز ہوئے تو انہوں نے پورے طریقے سے ایرانیوں کے نظام حکومت کو اپنالیا۔ اس میں ایک وزرات کا نظام بھی تھا اور عباسی حکمرانوں نے اپنے زمانہ میں وزیر کا ایک نیا عہدہ قائم کیا جو حاکم کے تمام امور و معاملات کو اس کی طرف سے انجام دیتا۔ جو حیثیت اموی دور میں حاجب کو حاصل تھی وہی جگہ اس نئے عہدہ وزارت نے لے لی تھی۔ وزیر خلیفہ کا دایاں بازو سمجھا جاتا تھا اور نظم ونسق کا مرکز تصور کیا جاتا تھا۔ ابن خلدون کا بیان ہے کہ: "جس وقت خلافت عباسیہ کا آفتاب اقبال جاہ وجلال اور عظمت وشان میں نصف النہار پر تھا۔ اس وقت وزرات کا اثر واقتدار اور مرتبہ بہت بلند تھا۔ وزیر نظم ونسق میں خلیفہ کا قائم مقام اور مملکت کا سب سے بڑا حاکم اور مالیات کا سب سے بڑا افسر ہوتا تھا۔ اس کی ہدایات کے مطابق فوجوں کی تنخواہوں کا بجٹ تیار کیا جاتا تھا۔ اس کے سامنے بڑے باوقار لوگوں کی گردنیں جھکتی تھیں۔۔۔ غرض وزیر کی شخصیت سیف وقلم دونوں کی حامل تھی اور خارجی وداخلی کوئی شعبہ اس کے دائرہ اقتدار سے خارج نہ تھا، نظم سلطنت اسی کے اشارہ سے گردش کرتا تھا۔"

المنصور کے عہد تک وزارت کا عہدہ زیادہ مضبوط اور طاقتور نہیں تھا۔ ابتدائی حکمران تمام سیاسی امور میں فیصلہ خود کرتے تھے لہٰذا وزارت اس دور میں کمزور رہی۔ ہارون رشید کے زمانے سے وزارت نے ترقی کی۔ حکمراں اس عہدہ کے لیے ملک کے ممتاز ترین اور ذہین ترین لوگوں کا انتخاب کرتے۔ عباسی سلطنت کے ابتدائی دور میں اس عہدہ پر برامکہ فائز رہے جن کی حکمت ودانش، علم وفضل، صلاحیت وقابلیت اور سخاوت وفیاضی سے ایک طرف حکومت کی نیک نامی میں اضافہ ہوا تو دوسری طرف رعایا کو بھی ان کی داد ودہش اور عطا وبخشش سے بہت

فائدہ پہنچا۔ لیکن جب عباسی سلاطین نے یہ محسوس کیا کہ اس طرح برامکہ ہی سیاہ وسفید کے مالک ہو رہے ہیں اور ان کے سامنے حکمراں کی کچھ زیادہ عظمت نمایاں نہیں ہو سکے گی تو انہوں نے برامکہ کا زور توڑ دیا اور پھر دوسرے افراد کو اس عہدہ پر مقرر کیا۔

وزارت کے عہدہ کے علاوہ بنیادی عہدے اور محکمے جن کو دیوان کہا جاتا تھا، درج ذیل تھے۔

- دیوان الجند (دفتر فوج)

بنو امیہ کی طرح عباسی سلطنت میں بھی یہ محکمہ بڑا مرتب اور منظم تھا۔ اس کا ایک سربراہ ہوتا جو امیر الجند کہلاتا وہ فوج کے تمام انتظامات کا نگراں ہوتا۔ فوج میں تین طبقے ہوا کرتے تھے: پیدل فوج، تیر انداز اور شہسوار، امیر الجند سب کا ذمہ دار ہوتا۔ عباسی دور میں سلطنت کی باقاعدہ فوج لاکھوں تک پہنچ چکی تھی اور سپاہیوں کی ماہانہ تنخواہ دی جاتی۔ اس کے علاوہ ایک رضاکار فوج بھی تھی جو دیہاتوں، زراعت پیشہ لوگوں اور عام شہریوں سے تشکیل کی گئی تھی۔ یہ رضاکار فوج مذہبی جذبے یا مالی منفعت کی غرض سے لڑائیوں میں شرکت کرتی تھی۔

- دیوان الخراج (دفتر مالیات)

اس محکمے کے تحت حکومت کی آمدنی و مصارف کا انتظام کیا جاتا۔ یہ حکومت کا بہت اہم محکمہ سمجھا جاتا تھا۔ آمدنی کے ذرائع پیداوار کا عشر اور خمس، مختلف حکومتوں سے ملنے والا خراج، جزیہ، زکاۃ اور تجارتی مال کا ٹیکس (customs tax) اور مال غنیمت وغیرہ تھے۔ اس آمدنی کو فوج کے اخراجات، رفاہ عام کے کام اور ملکی انتظامات میں خرچ کیا جاتا۔ عہد عباسی میں خراج وصول کرنے کے تین طریقے تھے۔

1۔ محاسبہ: یہ پیائش کا ایک طریقہ ہوتا تھا جس میں زمین کی پیائش کے بعد خراج نقد یا پیداوار کی شکل میں مقرر کر دیا جاتا۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا کہ نصف نقد کی شکل میں اور نصف پیداوار کی شکل میں مقرر کر دیا جاتا تھا۔

2۔ مقاسمہ: یہ بٹوارے کا طریقہ اس میں پیداوار کی ایک معین مقدار مقرر کر دی جاتی تھی۔

3۔ مقاطعہ: ان جاگیروں کا خراج ہوتا جو حکومت اپنے خاص لوگوں کو نقد کی ایک متعین رقم خاص کر کے اس کے بدلے میں دیتی تھی۔ ان جاگیروں میں بڑا رقبہ اراضی کا ہوتا تھا۔ تنگی اور خشک سالی کے دور میں ان لوگوں کے خراج کا کچھ حصہ معاف کر دیا جاتا۔ مثال کے طور پر معتضد کے عہد میں خشک سالی کے زمانہ میں ایک بار ان جاگیروں کا چوتھائی حصہ خراج معاف کر دیا تھا۔ اس کے علاوہ آدائیگی کی تاریخ بھی آگے بڑھا دی تھی۔ ہارون کے عہد میں خراج کی سالانہ آمدنی ستائیس کروڑ بیس لاکھ درہم اور پینتالیس لاکھ دینا تک پہنچ گئی تھی۔ عہد عباسی میں خراج کے نظام میں اصلاح کی طرف بھی توجہ دی گئی خاص طور پر ہارون رشید نے اس نظام کے اصلاح کی طرف بہت توجہ دی۔ آپ نے امام ابو حنیفہ کے شاگرد امام ابو یوسف سے خراج کے متعلق ایک کتاب لکھنے کی گزارش کی۔ جس میں خراج، عشر اور صدقات کے اصول و قوانین بیان کیے جائیں اور اس نظام میں جو خرابیاں پیدا ہو گئیں ہیں اس کی اصلاح کی جائے۔ ہارون کا مقصد یہ تھا کہ مالی معاملات کی اصلاح کی جائے اور رعایا کو ظلم و ستم سے بچایا جائے۔ آپ کی درخواست پر امام ابو یوسف نے "کتاب الخراج" کے نام سے ایک جامع کتاب

لکھی۔ جس کو سرکاری قانون قرار دیا گیا۔

- دیوان القضاء (محکمۂ عدل وانصاف)

عباسیوں کے عہد میں عدالت کے نظام میں تبدیلیاں ہوئیں۔ عباسیوں نے اپنے عہد میں قاضی القضاۃ کا منصب قائم کیا گیا۔ جس کا تقرر خلیفہ کرتا تھا۔ قاضی القضاۃ دارالحکومت میں ہی رہتا تھا اور اپنی طرف سے پوری مملکت میں قاضیوں کا تقرر کرتا تھا جو بطور نائب عدالت کے فرائض انجام دیتے تھے۔ اس محکمہ کے تحت رعایا اور عوام کے مقدمات کا فیصلہ کیا جاتا۔ عباسی حکمران قاضیوں کے معاملات میں دخل نہیں دیا کرتے تھے۔ ہارون رشید کے زمانہ میں جب اس محکمہ کا سربراہ امام ابو یوسف کو بنایا گیا اس وقت سے عدالتی نظام مزید مستحکم ہو گیا۔ عہد عباسی کے ہر صوبے میں مذاہب اربعہ کی نمائندگی کے لیے چار قاضی مقرر کیے جاتے تھے، جب کہ اس سے پہلے صوبے میں صرف ایک قاضی ہی مقرر کیا جاتا تھا۔

- دیوان البرید (محکمۂ ڈاک)

یہ محکمہ بھی امویوں کے زمانہ سے چلا آرہا تھا۔ جس کے تحت پوری مملکت میں خبر رسانی کا انتظام کیا جاتا تھا۔ اس کے لیے دار الحکومت بغداد سے تمام صوبوں کے لیے براہ راست سڑکوں کی تعمیر کی گئی۔ جن پر ڈاک چوکی کا انتظام تھا اور ہر وقت تازہ دم گھوڑے، خچر اور اونٹ موجود رہتے۔ جن سے خبر پہنچانے کے علاوہ فوجی ساز وسامان کی منتقلی کا بھی کام لیا جاتا تھا۔ ایک خاص بات یہ تھی کہ دار الحکومت بغداد کے محکمۂ ڈاک میں پوری مملکت کے راستوں کے نقشے (road map) موجود رہتے۔ جن سے مسافروں کو سفر میں مدد ملتی۔ جاسوسی کا نظام بھی اس محکمہ سے متعلق کر دیا گیا تھا۔ اس وقت تک ڈاک کا نظم صرف حکومت کے لیے مخصوص تھا اور اس کا دائرہ کار شہریوں کے لیے نہیں تھا کیوں کہ یہ ایک سرکاری محکمہ تھا۔

- دیوان الشرطۃ (محکمۂ پولیس)

مملکت کے تمام حدود میں امن وامان قائم رکھنے کے لیے "دیوان الشرطۃ" (دفتر پولیس) سرگرم رہتا جس کا سربراہ (صاحب الشرطۃ) حکومت کا کوئی اہم شخص ہوا کرتا تھا۔ اس منصب پر بڑے بڑے جرنلوں اور ممتاز لوگوں خصوصاً ممتاز عجمیوں، کو مامور کیا جاتا تھا۔ پولیس کا منصبی فرض ممتاز امرا بڑے بڑے عہدیداروں، غنڈوں اور سرکشوں کی گرفتاری اور انہیں سزائیں دینا تھا۔ اسی طرح کاتب اور حاجب کے جو عہدے بنو امیہ کے زمانہ میں تھے وہ عباسی حکومت میں بھی بدستور باقی رہے۔ کچھ نئے عہدوں کا بھی اضافہ کیا گیا جن میں چند یہ ہی۔

- دیوان النفقات

شاہی محل کے مصارف، انعامات اور وظیفوں کے انتظامات دیکھنے کا محکمہ تھا۔

- **دیوان النظر فی المظالم**

اس محکمہ کا کام حکومتی اہلکاروں کے کام کی تفتیش و جانچ اور ان کے رجسٹروں کو چیک کرنا اور ان کی بد عنوانیوں کو دور کرنا اور عوام کی شکایت سن کر اس کا تدارک کرنا تھا۔

- **دیوان الائنہار**

اس محکمہ کے فرائض میں پورے ملک میں آب پاشی کے نظام کو درست رکھنا، اس کے وسائل میں اضافہ کرنا اور زراعت کو ترقی دینا تھا۔

5.3 صوبائی نظام

- **صوبائی نظام**

صوبائی نظام کا تعلق ہر صوبہ کے والی سے ہوتا۔ وہ حاکم وقت کے مشورہ سے اپنے اپنے صوبہ کا انتظام کرتا۔ پوری مملکت کو مختلف صوبوں میں تقسیم کیا گیا تھا لیکن ان کی حدود بدلتی رہتی تھیں۔

ان صوبوں میں بعض وقت مرکزی حکومت کے تحت نیم خود مختار حکومتیں بھی قائم ہوئیں۔ ان صوبوں کا ذمہ دار والی یا عامل (گورنر) کہلاتا۔

بنو عباس کے زمانہ میں مختلف محکموں کے اعلی افسران جو وزراء کہلاتے تھے، ان کے اختیارات بہت بڑھ گئے تھے۔ بعض وقت سلطان سے زیادہ وزیر صاحب میں اختیار دیکھا جاتا تھا۔ جس سے عباسی حکومت میں زوال کے راستے کھلے۔ ترکوں کا جب غلبہ ہوا تو امیر الأمراء کا ایک نیا عہدہ نکلا جو آگے چل کر سب سے زیادہ اختیارات کا حامل بنا۔

5.3.1 دفاعی اور فوجی نظام

عباسی دور حکومت میں فوج کے دو حصے ہوا کرتے:

(1) مستقل فوج

(2) رضاکار فوج

- **مستقل فوج**

مستقل فوج باضابطہ طور پر چھاؤنیوں میں رہتی اور ان کو تنخواہ دی جاتی۔ رضاکار فوج کو وقت ضرورت پر استعمال کیا جاتا۔ البتہ جب ان سے خدمات لی جاتیں تو ان کو تنخواہ بھی دی جاتی پھر کام ختم ہونے کے بعد یہ اپنے گھروں کو چلے جاتے۔

ابتدائی حکمران کی فوج عربی و خراسانی لوگوں پر مشتمل تھی۔ معتصم کے زمانہ سے ترک فوجیوں کی بڑے پیمانہ پر بھرتی کی گئی۔

معتصم کے زمانہ مین فوجی تنظیم اور فوج کی تعداد عروج پر تھی۔

فوج میں تین طبقے ہوتے، پیدل فوج، تیر انداز، شہ سوار، ان سب کا ذمہ دار امیر الجند کہلا تھا۔ جنگی ہتھیار میں نیزہ، تیر، تلوار اور منجنیق کے ساتھ کسی شہر کا محاصرہ کرتے وقت استعمال کئے جانے والے عرادے اور دبابے بھی تھے جن کو قلعہ اور اس کے دروازہ کو توڑنے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ نفط کا استعمال بھی اس زمانہ میں ہونے لگا تھا۔ "نفط" دراصل تیل کو کہتے ہیں۔ یہ تیل پچکاریوں کے ذریعہ دشمنوں کے علاقہ میں پھینکا جاتا اور پھر انگارے پھینک کر آگ لگائی جاتی جس سے قلعہ کے اندر آگ لگ جاتی اور دشمن بھاگنے پر مجبور ہو جاتے۔

فوج کے لئے خاص وردیاں ہوتیں جن میں حکمران اپنے اپنے ذوق کے مطابق تبدیلی کرتے رہتے۔ معتصم نے ترک فوجوں کے لئے خاص وردی بنوائی تھی جن پر لیس لگے ہوئے تھے اور ان کی پٹیاں سنہری ہوتیں۔ فوج کے ساتھ طبیب اور جراح بھی ہوتے۔ زخمیوں کو اٹھانے اور لانے کے لئے معقول انتظام رہتا تھا۔

5.3.2 مالیاتی نظام

مالیات کا محکمہ 'دیوان الخراج' سے متعلق تھا۔ یہ حکومت کا اہم محکمہ تھا جس کے تحت حکومت کی آمدنی وخرچ کا انتظام ہوتا۔ آمدنی کے ذرائع جزیہ، زکوۃ، تجارتی ٹیکس، زرعی پیداوار کا خراج اور لگان وغیرہ تھا۔ یہ آمدنی حکومت کے افسران اور کارکنان اور عوام کے رفاہی کاموں میں استعمال کی جاتی۔ اس آمدنی سے شہروں اور قلعوں کی تعمیر کے علاوہ مدرسے، سرائیں، پل، نہریں، کنویں، مسجدیں وغیرہ بھی تعمیر ہوتی رہتی تھی۔ انجینیروں اور کاریگروں کو بھی اس میں سے بڑے بڑے انعامات دئے جاتے۔ حکیموں، طبیبوں، شاعروں اور فقیہوں کو بھی انعامات سے نوازا جاتا تاکہ ان کی حوصلہ افزائی ہو۔ اسلحہ سازی، پارچہ بافی (کپڑا بنانا) دواسازی وغیرہ کے بڑے بڑے کارخانے قائم کیے جاتے اور ان کی دیکھ ریکھ بھی اس آمدنی سے ہوتی۔

عباسی دور میں مالیاتی نظام بہت ہی مستحکم ہو گیا تھا جس کی وجہ سے رعایا بڑی خوشحال زندگی گزار رہی تھی۔ عیش وعشرت کے سامان کی ایسی فراوانی ہوئی کہ معاشرہ کا ایک طبقہ عیش ولذت پرستی کی ان سماجی برائیوں میں مبتلا ہونے لگا جو مال ودولت کی کثرت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔

5.3.3 عدل وقضاء

نظام قضاء (محکمۂ انصاف) عباسی حکومت میں مضبوط بنیادوں پر استوار تھا۔ قاضی عدل وانصاف کے پابند ہوتے۔ حاکم وقت بھی ان کے فیصلوں میں مداخلت نہ کرتا تھا۔ مہدی، ہارون اور مامون کے زمانہ کی عدالتی کاروائیاں حیرت انگیز حد تک عدل وانصاف کے تقاضوں کو پورا کرتی تھیں۔ حاکم وقت کے خلاف بھی اگر کوئی مقدمہ پیش ہوتا تو حاکم اور عام آدمی کے درمیان کوئی امتیاز نہیں برتا جاتا۔ ہارون رشید نے اپنے زمانہ کے بڑے عالم امام ابو یوسف کو قاضی القضاۃ بنایا تھا اور ان کو بہت وسیع اور جامع اختیارات بھی دیئے تھے۔

ہر شہر میں قاضی مقرر ہوتے جو عوام کے مقدمات کا فیصلہ کرتے۔ غیر مسلموں کے مقدمات کا فیصلہ ان کے علماء اور مذہبی لوگوں

کے ذریعہ کرایا جاتا تاکہ مذہبی طور پر وہ کسی تنگی کا سامنا نہ کریں۔ اگر ایک فریق مسلم اور دوسرا فریق غیر مسلم ہو تو فریقین کی رضامندی سے جس عدالت سے چاہتے وہ مقدمات فیصل کرواتے۔ لیکن عام طور پر غیر مسلم بھی اپنے مقدمات مسلم قاضی ہی کے پاس لے کر جاتے۔ اس لیے کہ ان کو وہاں انصاف ملنے کا پورا یقین ہوتا۔

اس دور میں قاضیوں کے لیے مخصوص لباس بھی ہوا کرتے تھے جو ان کے عہدہ کے وقار میں اضافہ کرتے۔

5.4 سماجی و معاشرتی حالات

عباسی حکومت کے زیر اثر عرب، ترک، ایرانی، پٹھان، سندھی، رومی، مصری، حبشی، بربر (شمال افریقہ) اور ہندوستانی قومیں آباد تھیں۔ اسی طرح عیسائیت، بدھ مت، ہندو مت، یہودیت وغیرہ مذاہب کے ماننے والے بھی اس زمانہ میں بڑی تعداد میں موجود تھے۔ ان تمام قوموں کے میل جول سے ایک نئی تہذیب وجود میں آئی اور یہی تہذیب عباسی دور کی سماجی تہذیب تھی۔ اس میں اسلامی روح کے ساتھ غیر اسلامی اثرات کا بھی امتزاج ہو گیا تھا۔ چنانچہ دینی علوم: تفسیر، حدیث، فقہ، علم کلام وغیرہ اور عقلی علوم: طب، ریاضی، فلسفہ، ہیئت، منطق وغیرہ کے ساتھ موسیقی، مصوری اور گانے کا رجحان بھی سماج میں فروغ پایا۔ رقص و سرود کی محفلیں بھی سجائی جاتیں اور اس پر بے دریغ روپیہ خرچ کیا جاتا۔ ایرانی اثرات کے نتیجہ میں نجومیوں، کاہنوں اور رمالوں کی طرف بھی لوگ رجوع کرتے اور ان کے مشورے سے فیصلے کرتے۔ سماج اور معاشرہ پر خالص اسلامی یا عربی رنگ کے بجائے عجمی رنگ کا غلبہ تھا۔ لوگوں کے مکانات عالیشان ہوتے۔ گرمی میں ان کو مختلف طریقے سے ٹھنڈا رکھنے کا اہتمام کیا جاتا اور سردی میں گرم رکھنے کے طریقے اپنائے جاتے۔ کھانے پینے میں تکلفات اور لباس میں خوش پوشی اور عیش پسندی کا مظاہرہ ہوتا۔

حمام کا رواج بکثرت تھا۔ ایک ایک شہر میں بے شمار حمام ہوتے۔ کوئی چھوٹے سے چھوٹا محکمہ بھی حماموں سے خالی نہ ہوتا۔ بعض حمام صرف عورتوں کے لیے ہوتے تھے۔ بعض حمام ایسے تھے جن میں مردوں کے لیے الگ اور عورتوں کے لیے الگ دن متعین ہوتے۔

عورتوں میں پردے کا رواج پایا جاتا تھا۔ باندیاں رکھنے کا بھی بہت رواج ہو گیا تھا اور ان کو گھر کی ضروریات کے علاوہ گانا بھی سکھایا جاتا تھا۔ جس سے معاشرہ میں گانے کا رواج بڑھا اور فسق و فجور اور لہو و لعب کا ماحول بنا۔

عباسی حکومت میں سماج میں عربی اور غیر عربی کی چپقلش اور ایک کو دوسرے سے کمتر سمجھنے کا رجحان پیدا ہوا اور یہ رجحان دن بدن بڑھتا گیا جس نے بعد میں شعوبیت کے نام سے ایک تحریک کی شکل اختیار کر لی۔ جس کا نظریہ تھا کہ عرب دوسروں سے افضل نہیں ہیں۔ اس رجحان کا اثر سماج کے فکر و خیال، ادب و ثقافت اور سیاسی زندگی پر بھی پڑا۔ جس کے نتیجہ میں عربوں اور ایرانیوں کی کشمکش اپنے عروج پر پہنچ گئی تھی۔ شعوبی تحریک کا آغاز تو اس بحث سے ہوا تھا کہ عربوں کو غیر عرب پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے، لیکن بہت جلد اس تحریک نے عربوں کی مخالفت کا رنگ اختیار کر لیا اور عرب کی مذمت حتی کہ قریش سمیت ان کے ایک ایک قبیلے کی مذمت میں کتابیں لکھی جانے لگیں۔ انتہا پسند گروہ عربوں سے گزر کر خود اسلام پر حملے کرنے لگے اور غیر عرب حکام نے ان کی ہمت افزائی کی۔ جس کے نتیجے میں لادینیت

اور زندقہ کا ایک محاذ کھل گیا جو صرف اعتقادی گمراہیوں تک محدود نہ تھا بلکہ عملاً اخلاقی حدود سے آزادی بھی اس میں شامل ہو گئی۔

5.4.1 غیر مسلموں سے تعلقات

عباسی سلطنت ایک وسیع سلطنت تھی جس میں مختلف قومیں اور مختلف مذاہب کے ماننے والے آباد تھے۔ عباسی حکمران اپنی غیر مسلم رعایا کا ہر طرح خیال رکھتے تھے۔ ان کو مکمل مذہبی آزادی حاصل رہتی تھی۔ ان کی جان ومال اور عزت وآبرو کی حفاظت کا سامان کیا جاتا۔

ابو جعفر منصور نے حکومت کے نظم ونسق کو بہتر بنانے کے لیے مختلف دفاتر اور محکمے قائم کیے تھے۔ ان میں ایک محکمہ غیر مسلم قوموں کے حقوق کی حفاظت کا بھی تھا۔ اس محکمہ کا ایک افسر مقرر کیا جاتا جس کا کام غیر مسلم قوموں کے حالات بہتر بنانا اور ان کی خوشحالی اور ترقی کا انتظام کرنا تھا۔

حکومت کے متعدد شعبوں میں قابل اور لائق غیر مسلموں کو بھی اچھے عہدوں پر مقرر کیا جاتا۔ ہارون رشید کے زمانہ میں یہودی اور عیسائی علماء کی دربار حکومت میں بڑی قدر ہوتی تھی۔ اس نے عیسائیوں کو فوج کے اعلی عہدوں پر بھی فائز کیا۔ ان کو اپنی خاص مجلس میں جگہ دیتا۔ اس کے زمانہ میں ہندوستان کے علماء سندھ کے گورنر کے ذریعے اور خود براہ راست بھی بغداد پہنچے جہاں ان کی عزت افزائی کی گئی۔

عباسی حکمران معتصم نے فضل بن مروان کو اپنا وزیر مقرر کیا تھا جو مذہبا عیسائی تھا۔ وہ حساب وکتاب میں ماہر اور خوشخط تھا۔ اس لیے معتصم نے اس کو وزیر بنا کر تمام ملکی معاملات بھی اس کے سپرد کر دیئے تھے۔

عباسی حکمران غیر مسلم عالموں، حکیموں، طبیبوں اور شاعروں کی بہت قدر کرتے اور ان کو گرانقدر انعامات دیتے تھے۔ اس داد ودہش کی وجہ سے بعض عیسائی اور یہودی طبیب بغداد میں اس قدر مالدار ہو گئے تھے کہ حاکم کے علاوہ کوئی دوسرا شخص مال ودولت میں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ البتہ متوکل نے اپنے زمانہ میں عیسائیوں کو ایک خاص لباس پہننے کا حکم دیا تھا تاکہ وہ مسلمانوں سے الگ معلوم ہوں۔ لیکن اس کے اس عمل کو کسی اور سلطان نے قبول نہیں کیا اور نہ ہی اس کو جاری رکھا۔

عباسی حکمران غیر مسلموں کے ساتھ انتہائی مروت اور رواداری کا معاملہ کرتے تھے۔ ان کے مقدمات کے لیے ان کے مذہبی پیشواؤں کو مقرر کر دیا کرتے تاکہ وہ انھیں کے پاس اپنے مقدمات لے جائیں اور فیصلہ کرائیں۔ عیسائیوں اور یہودیوں کو سیاست تک میں اس قدر عمل دخل حاصل تھا کہ تاریخ پر نظر رکھنے والوں کو حیرت ہوتی ہے۔

شروعاتی دور میں ہی عباسی خلفا نے زراعت کی طرف پوری توجہ مبذول کی اور اس کے لیے جو آسانیاں وہ فراہم کر سکتے تھے اس کے لیے کوشاں رہے۔ نہریں جاری کی اور پھر ان نہروں سے چھوٹی چھوٹی نہریں نکالی، پل تعمیر کروائے، دجلہ اور فرات کے درمیان کا علاقہ زرخیزی کے لحاظ سے پوری عباسی سلطنت میں اہمیت رکھتا تھا۔ اس علاقے کی زراعت اور اس سے جڑے معاملات کی دیکھ بھال براہ راست عباسی حکومت کرتی تھی۔ غرض اس علاقے کی ترقی کے لیے حکومت نے کوئی کمی نہیں چھوڑی۔ عباسی عہد میں سلطنت کے چاروں طرف

نہروں کا جال بچھا دیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی عباسیوں نے باغات کی طرف بھی توجہ دی۔ زراعت کی تعلیم کے لیے باقاعدہ اسکول کھولے گیے اور عملی تجربوں کے لیے زراعتی فارم قائم کیے گیے۔ ان اسکولوں میں مختلف نباتات کی زراعت کی تعلیم دی جاتی تھی اور وضاحت کی جاتی کہ کون سی زمین کس پیداوار کے لیے زیادہ مناسب ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی بتایا جاتا کہ فصلوں اور نباتات کے لیے کون سی کھاد زیادہ فائدہ مند ہے۔ اس کے ساتھ عباسیوں نے اس بات کو بھی دھیان میں رکھا کہ کاشت کاروں پر لگان کا بوجھ زیادہ نہ پڑے۔ بعض عباسی خلفانے خراج کی مختلف قسموں کے مستقل قوانین ترتیب دیے۔ جس میں پیداوار کی نوعیت اور زمین کی زرخیزی کا خاص خیال رکھا گیا۔ اگر کبھی پیداوار میں کمی واقع ہوتی تو لگان بھی کم کر دیا جاتا۔

5.5 کلیدی الفاظ

نامزد	مقرر، متعین، تعینات
نصف النہار	کسی شخص یا چیز کا انتہائی عروج، بلندی
داد و دہش	بخشش و عطا، سخاوت، فیاضی، خیر خیرات
خوش خط	پختہ اور اچھی تحریر، فن خطاطی، خوشنویس
محکمہ	دفتر، شعبہ جات، ڈپارٹمنٹ
آب پاشی	پودوں یا کھیتوں کی سینچائی، کھیتوں کی سیرابی
دیوان الشرطہ	دفتر پولیس
خبر رسانی	اطلاعات ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانا
امتزاج	اختلاط، دو یا دو چیزوں کی آمیزش

5.6 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- مرکزی نظام کا تعلق براہ راست حاکم سے ہوتا اور دیگر صوبوں کے ذمہ دار وہاں کے والی ہوتے۔ جو حاکم کی طرف سے نامزد کیے جاتے۔ مرکزی نظام میں سربراہ اعلی حاکم تھا۔
- عباسی دور کا نظام مملکت اموی دور ہی کی طرح مرکزی اور صوبائی انتظامیہ پر مشتمل تھا۔ البتہ وزیر کا ایک نیا عہدہ اس دور میں قائم کیا گیا جو سلطان کے جملہ امور و معاملات کو اس کی طرف سے انجام دیتا۔ اس عہدہ پر ذہین ترین اور علم و فضل اور تدبر میں ممتاز افراد کو فائز کیا جاتا۔ عباسی دور کے آغاز میں برامکہ اس عہدہ پر فائز رہے جو بڑے ذہین، ہوشیار، علم و فضل میں ممتاز اور سخی و فیاض

لوگ تھے۔ لیکن جب عباسی حکمران نے یہ محسوس کیا کہ برامکہ کا اثر عوام پر سلطان سے بھی زیادہ ہو رہا ہے تو انھوں نے ان کا زور توڑا اور دوسرے افراد کو اس عہدے کے لیے نامزد کیا۔

- بنو عباس کا فوجی و دفاعی نظام بہت مستحکم تھا۔ جس میں شروع میں عربی و خراسانی عنصر پایا جاتا تھا۔ معتصم کے زمانہ میں ترک فوج کی بھرتی کی گئی اور فوجی تنظیم کو بہتر بنایا گیا۔ مالیاتی نظام ایسا مضبوط تھا کہ رعایا میں خوشحالی بہت عام ہو گئی تھی اور لوگ عیش و عشرت کی زندگی گزارنے لگے تھے۔
- عدل وانصاف کا محکمہ مضبوط بنیادوں پر استوار تھا۔ ہارون رشید کے زمانہ میں قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) امام ابو یوسف تھے جنھوں نے کتاب الخراج نام سے ایک کتاب ہارون رشید کی فرمائش پر لکھی تھی جس میں خراج، صدقات اور جزیہ وغیرہ کے قوانین تھے اور حکومت ورعایا کے تعلقات، ذمیوں اور مسلمانوں کے حقوق و فرائض اور حکومت کے اعلی عہدیداروں کے اختیارات اور اسلامی حکمرانی کے اصول سے متعلق بڑی قیمتی بحثیں تھیں۔
- عباسی حکمران غیر مسلموں کے ساتھ انتہائی مروت اور رواداری کا معاملہ کرتے تھے۔ ان کے مقدمات کے لیے ان کے مذہبی پیشواؤں کو مقرر کر دیا کرتے تاکہ وہ انھیں کے پاس اپنے مقدمات لے جائیں اور فیصلہ کرائیں۔ عیسائیوں اور یہودیوں کو سیاست تک میں اس قدر عمل دخل حاصل تھا کہ تاریخ پر نظر رکھنے والوں کو حیرت ہوتی ہے۔
- عباسی حکومت میں سماج میں عربی اور غیر عربی کی چپقلش اور ایک کو دوسرے سے کمتر سمجھنے کا رجحان پیدا ہوا اور یہ رجحان دن بدن بڑھتا گیا جس نے بعد میں شعوبیت کے نام سے ایک تحریک کی شکل اختیار کر لی۔ جس کا نظریہ تھا کہ عرب دوسروں سے افضل نہیں ہیں۔ اس رجحان کا اثر سماج کے فکر و خیال، ادب و ثقافت اور سیاسی زندگی پر بھی پڑا۔ جس کے نتیجہ میں عربوں اور ایرانیوں کی کشمکش اپنے عروج پر پہنچ گئی تھی۔
- حمام کا رواج بکثرت تھا۔ ایک ایک شہر میں بے شمار حمام ہوتے۔ کوئی چھوٹے سے چھوٹا محکمہ بھی حماموں سے خالی نہ ہوتا۔ بعض حمام صرف عورتوں کے لیے ہوتے تھے۔ بعض حمام ایسے تھے جن میں مردوں کے لیے الگ اور عورتوں کے لیے الگ دن متعین ہوتے۔
- عورتوں میں پردے کا رواج پایا جاتا تھا۔ باندیاں رکھنے کا بھی بہت رواج ہو گیا تھا اور ان کو گھر کی ضروریات کے علاوہ گانا بھی سکھایا جاتا تھا۔ جس سے معاشرہ میں گانے کا رواج بڑھا اور فسق و فجور اور لہو و لعب کا ماحول بنا۔

5.7 نمونہ امتحانی سوالات

5.7.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. آسانی کی خاطر نظام حکومت کو.....حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا؟

(a). تین (b). چار (c). دو (d). تمام غلط

2. مرکزی نظام کا تعلق براہ راست حاکم سے ہوتا اور دیگر صوبوں کے ذمہ دار وہاں کے.....ہوتے۔

(a). امیر (b). والی (c). قاضی (d). حاجب

3. جو حیثیت اموی دور میں حاجب کو حاصل تھی وہی جگہ.....نے لے لی تھی؟

(a). عامل (b). قاضی (c). وزیر (d). سب صحیح

4. عوام کی شکایت حکومتی اہلکار کے خلاف سننے کا کام کس محکمہ کا تھا؟

(a). دیوان النظر فی المظالم (b). دیوان الشرطہ (c). دیوان القضاء (d). دیوان الخراج

5. شاہی محل کے مصارف، انعامات اور وظیفوں کے انتظامات دیکھنے کا محکمہ تھا؟

(a). دیوان البرید (b). دیوان الجند (c). دیوان النفقات (d). دیوان الانہار

6. کام ختم ہونے کے بعد یہ عسکری اپنے گھروں کو چلے جاتے؟

(a). رضاکار (b). جند الخاص (c). منتظم فوج (d). سبھی صحیح

7. یہ حکومت کا اہم محکمہ تھا جس کے تحت حکومت کی آمدنی وخرچ کا انتظام ہوتا؟

(a). دیوان المظالم (b). دیوان الجند (c). دیوان الخراج (d). دیوان الحسبہ

8. عباسی حکمراں ہارون رشید نے اپنے زمانہ کے بڑے عالم.....کو قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) بنایا تھا؟

(a). امام زفر (b). امام ابو یوسف (c). امام شیبانی (d). امام شافعی

9. مملکت کے تمام حدود میں امن وامان قائم رکھنے کے لیے محکمہ پولیس سرگرم رہتا جس کا سربراہ.....تھا؟

(a). صاحب الشرطہ (b). صاحب البرید (c). عامل (d). حاجب

10. غیر مسلم قوموں کے حقوق کی حفاظت کرنے کے لیے ایک خاص محکمہ قائم کیا تھا؟

(a). ہارون الرشید (b). ابو جعفر منصور (c). مامون رشید (d). معتصم باللہ

5.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. عباسی حکومت میں سب سے اہم کون سا عہدہ تھا؟ تفصیلات بیان کیجیے۔
2. عہد عباسی میں صوبائی نظام کی صورت حال پر بحث کیجیے۔
3. عباسی حکومت میں فوجی نظام پر ایک نوٹ لکھیے۔
4. "عباسی حکمران اپنی غیر مسلم رعایا کا ہر طرح خیال رکھتے تھے"، اس عبارت پر روشنی ڈالیے۔
5. عباسی حکومت میں عدل و قضاء کی صورت حال پر روشنی ڈالیے۔

5.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. عباسی نظامِ حکومت پر ایک تجزیاتی مضمون قلم بند کیجیے۔
2. عہد عباسی میں مرکزی نظام پر مضمون لکھیے۔
3. عہد عباسی میں سماجی و معاشرتی حالات کا تفصیل سے جائزہ لیجیے۔

5.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ : ثروت صولت
2. تاریخ اسلام : شاہ معین الدین ندوی
3. تاریخ اسلام : اکبر شاہ نجیب آبادی
4. تاریخ الامت : محمد اسلم جیراجپوری
5. مختصر تاریخ اسلام : غلام رسول مہر
6. تاریخ ملت : مفتی انتظام اللہ شہابی اکبر آبادی

اکائی 6: عباسی دور میں تعمیر و تمدن

اکائی کے اجزا:

6.0 تمہید

6.1 مقاصد

6.2 عباسی دور کی تعمیرات

6.2.1 بغداد

6.2.2 کرخ

6.2.3 مہدیہ

6.2.4 سامرا

6.2.5 مدرسہ مستنصریہ

6.3 عباسی دور کی تمدنی ترقیاں

6.4 اکتسابی نتائج

6.5 نمونہ امتحانی سوالات

6.5.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

6.5.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

6.5.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

6.6 تجویز کردہ اکتسابی مواد

6.0 تمہید

عباسی عہد تہذیب و تمدن کے عروج کا دور تھا، اس دور کے خلفاء و امراء کی سرپرستی میں فن تعمیر و فنون لطیفہ کو خوب ترقی ملی، خلفاء نے متعدد نئے شہر آباد کرائے، اس میں قصور، محلات، مساجد، مدارس، بازار، حمام، شفاخانے وغیرہ تعمیر کرائے، ان عمارتوں پر بلند و بالا گنبد

اور مینار تعمیر کرائے جسے عباسی عہد کے طرز تعمیر کا شاہ کار شمار کیا جاتا ہے۔

اس دور میں دولت کی فراوانی اور ملک کی خوشحالی کی وجہ سے معاشرتی زندگی کے اہم مظاہر میں کافی ترقی ہوئی، عیش ونشاط کے ساز و سامان، خورد ونوش، ملبوسات، تقریبات اور تفریحات میں تنوع اور جدت پیدا ہو گئے، نفاست ولطافت اور حسن ودل آویزی کے اعتبار سے اس عہد کا تمدن اتنا عظیم الشان قرار پایا کہ تمدنی لحاظ سے اسلامی دنیا ساری دنیا پر فوقیت لے گئی۔

عزیز طلبہ !اس اکائی میں ہم عباسی دور کی تعمیرات، ان کی خصوصیات اور اس دور کی تمدنی ترقی کے بارے میں جانیں گے۔

6.1 مقاصد

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ درج ذیل نکات سے واقف ہو جائیں گے:

- عباسی دور کی عالی شان عمارتیں اور ان کی خصوصیات۔
- نئے شہروں کے آباد کاری کی تفصیلات۔

عباسی دور کی معاشرتی زندگی، خورد ونوش، ملبوسات، تقریبات اور تفریحات۔

6.2 عباسی دور کی تعمیرات

کسی تہذیب یا سماج کے معیار زندگی کا اندازہ کرنا ہو تو اس کے فن تعمیر میں اس کی مکمل تصویر دیکھی جاسکتی ہے۔ اس کے مقاصد زندگی، ان کی تکمیل کے لئے قوت اظہار اور اظہار میں بلندی خیال کے مطالعے کے لئے فن تعمیر ایک دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ فن تعمیر کی تعریف پروفیسر محمد مجیب نے اس طرح کی ہے: فن تعمیر دراصل پیکر کو الفاظ میں اور الفاظ کو پیکر میں ڈھالنا ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ فن تعمیر مسلمانوں کا محبوب اور مخصوص فن رہا ہے، مسلمانوں نے اپنے جمالیاتی حس اور ذوق کا بھرپور مظاہرہ وسیع پیمانے پر فن تعمیر میں کیا ہے۔ مساجد، مدارس، مقابر، قصور ومحلات، حمام، شفاخانے اور باغات کی شکل میں مسلمانوں کے مخصوص فن تعمیر کے نمونوں سے خطہ ارض کا وسیع حصہ مزین دکھائی دیتا ہے۔

فن تعمیر کے ارتقاء کے اعتبار سے عہد عباسی اسلامی تاریخ کا ممتاز ترین دور رہا ہے۔ اس دور میں خلفاء کی سرپرستی میں فن تعمیر کو خوب ترقی ملی۔ پہلے عباسی خلیفہ ابو العباس سفاح نے عباسی خلافت قائم کرنے کے بعد پرانے شہر انبار کے مقام پر 134ھ 752ء میں اپنا نیا دار الخلافہ قائم کیا اور اسے ھاشمیہ کے نام سے موسوم کیا، اسے مدینۃ المنصور بھی کہا جاتا تھا۔ یہ شہر دریائے فرات کے کنارے آباد کیا گیا تھا۔ اس میں خلیفہ کے محلات، سرکاری دفاتر کی عمارتیں، وزراء، امراء، عمال وغیرہ کے مکانات، بازار، مسجدیں، پل اور سڑکیں تعمیر کی گئی تھیں۔ ان تعمیرات میں وہیں سے حاصل کردہ پہاڑی پتھروں کا استعمال کیا گیا تھا، لیکن اس مقام پر دار الخلافہ زیادہ دن قائم نہ رہ سکا کیوں کہ ابو جعفر منصور کے دور میں جب عباسی حکومت کی بنیاد پوری طرح مستحکم ہو گئی تو اس نے بغداد تعمیر کرایا اور اسے اپنا نیا دار الخلافہ بنایا۔

6.2.1 بغداد

عباسی فن تعمیر کا اصل شاہ کار بغداد شہر کی تعمیر ہے، دارالخلافہ بغداد کی تعمیر عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور کا ایک عظیم الشان کارنامہ ہے، اس شہر کی تعمیر کے لئے بڑا اہتمام کیا گیا، ماہرین نے پہلے مختلف پہلوؤں سے متعدد مقامات کا معائنہ کرنے اور تحقیق کرنے کے بعد بغداد نامی گاؤں کو پسند کیا جہاں کی آب وہوا خوش گوار، زمین سرسبز وشاداب اور علاقہ خوبصورت تھا۔ دریائے دجلہ اس کے قریب سے گزرتا تھا، چنانچہ پانی اور سبزہ کی فراوانی تھی۔ شہر کی تعمیر سے پہلے ماہر انجینیروں اور معماروں نے شہر کا تفصیلی نقشہ تیار کیا، پھر شہر کی تعمیر کے لئے شام، موصل، بصرہ، کوفہ، واسط اور بلاد دیلم سے اعلی درجہ کے سنگ تراش، بڑھئی، نقاش، فنکار، معمار، خطاط، مزدور اور کاریگر جمع کئے گئے، اس کے علاوہ تعمیر کا ضروری سامان جیسے سنگ مرمر، آبنوس، صندل کی لکڑی وغیرہ کثیر مقدار میں منگائی گئی، پھر باقاعدہ ایک منصوبہ اور نقشہ کے مطابق اس شہر کی تعمیر کا کام 762ء میں شروع ہوا۔

بغداد شہر کا نقشہ ایک دائرہ کی شکل کا تھا، اس لحاظ سے یہ مسلمانوں کا پہلا مدور (گول) شہر تھا، جس کے اطراف اندرونی فصیل اور ایک بیرونی فصیل تھی، جس پر مدور برجیاں بنائی گئی تھیں، اس میں چار دروازے چار سمت میں بنائے گئے تھے، ان دروازوں کے نام اپنی اپنی سمت کے اہم شہروں کی مناسبت سے رکھے گئے تھے جن کے نام یہ تھے: باب الکوفہ، باب الشام، باب البصرہ اور باب الخراسان۔ ان میں مضبوط اور بلند پھاٹک لگے تھے جو لوہے کی سلاخوں سے بنے تھے، پھاٹکوں کے اوپر اونچے اونچے برج تھے۔ شہر پناہ پتھروں سے تعمیر کی گئی تھی، ہر دروازہ خلیفہ کے محل سے مساوی فاصلے پر بنایا گیا تھا اور ان میں سے ہر ایک پر قبہ تعمیر کیا گیا تھا۔ شہر پناہ کے نچلے حصے کی چوڑائی پچاس ہاتھ تھی جو اوپر کی جانب بتدریج کم ہوتی چلی گئی تھی یہاں تک کہ اوپری حصہ صرف بیس ہاتھ چوڑا رہ گیا تھا۔ خارجی شہر پناہ کو چاروں جانب سے چوڑی خندق کے ذریعہ گھیر دیا گیا تھا۔

شہر بغداد کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا، مرکزی حصہ میں خلیفہ کا محل اور دوسری سرکاری عمارتیں نیز خلیفہ کے فوج کی بیرکیں اور جامع مسجد تھی، یہ مسجد سرخ سنگ مرمر کی بنی تھی، اس کی دیواروں پر عربی رسم الخط سے خطاطی کی گئی تھی، جو کوفی خط کہلاتا تھا، اندرون مسجد کی چھت سرخ رنگ کی ستونوں پر بنایا گیا تھا اور اسے ایرانی طرز کے نقش ونگار سے سجایا گیا تھا۔ خلیفہ کے محل اور مسجد کے آگے ایک خالی میدان تھا جس کے کنارے خلیفہ کے خاندان کے قصور ومحلات اور دیگر سرکاری ملازمین اور سرکاری افسران اور امراء کے محلات تعمیر تھے، اور وہیں خزانہ خراج اور سرکاری اسلحہ خانہ کی عمارتیں تعمیر کی گئی تھیں، اور اس سے متصل دوسری سرکاری عمارتیں تھیں۔ منصور کا شاہی محل شہر کے وسط میں واقع تھا، یہ شہر کا خوبصورت ترین اور عالی شان محل تھا، اس شاہی محل کو قصر الذہب (سونے کا محل) کہتے تھے، اس قصر کے صدر میں ایک ایوان تعمیر کیا گیا جس کا طول تیس فٹ اور عرض بیس فٹ تھا۔ قصر چونے اور پکے اینٹوں سے تعمیر کیا گیا تھا۔ کمروں کے ستون ساگوان کی لکڑی کے تھے۔ چھت بھی لکڑی کی تھی اور اس پر لاجورد سے نقش ونگار بنائے گئے تھے۔ قصر الذہب کے وسطی ہال پر اسی گز بلند ایک عظیم الشان گنبد تھا جو قبۃ الخضرا کہلاتا تھا، اس گنبد کا کلس سونے کا تھا۔ اس کی چوٹی پر ایک گھڑ سوار کا مجسمہ نصب تھا، جسے پتھر کو تراش کر بنایا گیا تھا، جو شہر کے ہر گوشہ سے نظر آتا تھا، منصور کا شاہی محل شہر کی بلند ترین عمارت تھی جہاں سے پورے شہر کا

معائنہ کیا جاسکتا تھا، اس محل میں داخل ہونے کے لئے ایک قیمتی دروازہ تھا جس پر سونے کا ملمع تھا، اس کو باب الذہب (سونے کا دروازہ) کہتے تھے، محل کے اندر کا فرش سفید سنگ مرمر کے ٹائلس سے مزین تھا جنہیں ایران سے منگایا گیا تھا، اس محل میں متعدد عالی شان کمرے تھے جن کے دروازے عموماً لکڑی کے بنے تھے اور ان پر ایرانی طرز کے بہترین نقش و نگار تھے، شاہی کمروں میں ستون ہاتھی دانت کے اور چھت لکڑی کی تھی جس پر پالش کی گئی تھی۔

ایوان خلافت سے ہر دروازے تک وسیع و عریض سڑکیں نکالی گئی تھیں اور ان وسیع شاہراہوں سے خاص زاویہ پر متعدد چھوٹی چھوٹی سڑکیں نکالی گئی تھیں، جو شہر کے تمام حصوں کو مرکز خلافت سے جوڑ دیتی تھیں، ان سڑکوں کے دونوں جانب ترتیب کے ساتھ مکانات تعمیر کئے گئے تھے۔

شہر کے دوسرے حصے میں امراء وارا کین حکومت کے قصور و محلات اور دفاتر تعمیر کئے گئے تھے، تیسرے حصے میں عام آبادی تھی، ہر قبیلہ اور ہر طبقہ کے محلے الگ الگ تھے، چوتھے حصے میں بازار تھا جو مختلف چیزوں کی صنعت و حرفت کے لحاظ سے تعمیر کیا گیا تھا۔ ہر محلہ، بازار اور آبادی کے ساتھ مناسب تعداد میں مسجدیں تعمیر کی گئی تھیں۔ ان تعمیرات پر ایک کروڑ اسی لاکھ دینار خرچ ہوا تھا جو اس زمانے کے لحاظ سے بہت بڑی رقم تھی۔ شہر کی تعمیر میں پانچ سال کی مدت لگی جس کے دوران روزانہ ایک لاکھ مزدور، کاریگر اور انجینئر کام کرتے تھے۔ کچھ ہی عرصہ میں آبادی میں اضافہ ہو جانے کی وجہ سے خلیفہ نے اپنے لئے بغداد شہر سے باہر دجلہ کے مغربی کنارے باب خراسان کی جانب 775ء میں ایک دوسرا محل بنوایا جو اپنی خوبصورتی اور آرایش وزیبائش کے لحاظ سے "قصر الخلد" کہلاتا تھا، اس محل میں جالی دار کھڑکیاں، ہوا دار روشن دان بنائے گئے تھے اور تعمیر میں سفید سنگ مرمر کا کثرت سے استعمال ہوا تھا، جس کی وجہ سے یہ محل واقعی فن تعمیر کے اعتبار لاجواب بن گیا تھا۔

6.2.2 کرخ

وقت گزرنے کے ساتھ شہر بغداد کی آبادی میں اضافہ ہوتا گیا اور گنجان آبادی کی وجہ سے صحت کے مسائل پیدا ہونے لگے، بازار اندرون شہر ہونے کے سبب آبادی پر نگاہ رکھنا مشکل تھا، تحفظ کے انتظام کو خطرہ لاحق تھا اور انتظامی مشکلات بڑھتی جارہی تھیں۔ چنانچہ خلیفہ منصور نے 157ھ / 774ء میں بغداد سے باہر لیکن متصل ہی ایک دوسرا شہر کرخ نامی تعمیر کرایا، جس میں مساجد، سڑکیں اور انتظامی عمارتیں بنوائیں اور کرخ کا بازار شہر کی آبادی سے باہر دجلہ کے ساحل پر بنوایا اور سارے بازار وہاں منتقل کر دیئے، وہاں بھی مختلف چیزوں کے بازار الگ الگ بنائے گئے، ان بازاروں کے راستے چالیس گز چوڑے اور کشادہ تھے، اس پر پکی اینٹوں کو چونے سے جوڑا گیا تھا۔ وہاں آبادی کا کچھ حصہ بھی بسایا گیا، نیز ایک جامع مسجد بھی وسط شہر میں سرخ سنگ مرمر کی تعمیر کی گئی، اس کا فرش اور مینارے بھی سرخ سنگ مرمر کی تھیں، تقریباً تمام محلوں میں مسجدیں تعمیر کی گئیں اور پانی کی دستیابی کے لئے چھوٹی بڑی نہریں نکالی گئیں۔

یہاں کی عمارتوں میں ہاتھی دانت، آب نوس، صندل اور دیگر قیمتی لکڑیوں کا استعمال بکثرت کیا گیا۔ ہاتھی دانت کے ستون زیادہ تر عمارتوں میں لگائے گئے، لیکن آبنوس، صندل جیسی قیمتی لکڑیوں کا استعمال عموماً دروازے، کھڑکیوں اور چھتوں میں کیا گیا، نیز میز، کرسی،

تخت، صراحی اور گلاس وغیرہ میں بھی کثرت سے استعمال کیا گیا۔

6.2.3 مہدیہ

خلیفہ منصور نے بغداد کے مشرقی جانب ایک شہر محفوظہ آباد کیا، جسے اپنے ولی عہد مہدی کے نام سے منسوب کیا۔ مؤرخین اس شہر کی تعمیر کے کئی اسباب بیان کرتے ہیں، جن میں ایک سبب یہ ہے کہ بغداد کی آبادی میں مستقل اضافہ ہو رہا تھا، لہٰذا آبادی کی کثرت کو کم کرنے کے لئے اس شہر کو آباد کیا۔ ایک سبب یہ بھی بتایا جاتا ہے، خلیفہ منصور کے سپاہی عجمی سرداروں کے ساتھ رہتے تھے، جن کے بارے میں منصور کو بخوبی علم تھا کہ وہ عباسی خاندان سے بغض و عناد رکھتے ہیں، اس وجہ سے منصور اپنے عربی النسل فوجیوں کو ان کے ساتھ نہیں رکھنا چاہتا تھا، چنانچہ منصور نے شہر مہدیہ کی تعمیر کے بعد اپنی وفادار فوجوں کو یہاں منتقل کر دیا۔ فوجوں کی رہائش کے سبب یہ شہر مہدیہ کے علاوہ عسکریہ مہدی بھی کہلاتا تھا۔ شہر مہدیہ کی تعمیر اور آبادکاری میں اس کی حفاظت اور مضبوطی پر خاص توجہ دی گئی۔ اس شہر کے چاروں جانب بلند و بالا شہر پناہ تھی، جس کی تعمیر پتھروں سے ہوئی تھی، اس میں داخل ہونے کے لئے چار دروازے تھے۔ دروازوں کو چہار دیواری میں بڑی مضبوطی سے نصب کیا گیا تھا۔ تمام دروازے لوہے کے بنے ہوئے تھے۔ فصیل کے ارد گرد خندق بھی کھودی گئی تھی۔

شہر مہدیہ کی آبادی کی ترتیب بھی بغداد کی آبادی کی طرح تھی، ہر طبقہ کے محلے جدا جدا تھے۔ ہر محلے میں ایک مسجد تھی، وسط شہر میں ایک جامع مسجد تھی۔ یہاں بھی بغداد اور کرخ کی طرح ہی مختلف چیزوں کے بازار الگ الگ تھے، کچھ ہی مدت میں بازاروں کی اتنی کثرت ہو گئی کہ وہ دنیا کا بڑا تجارتی مرکز بن گیا۔ شہر مہدیہ دن بدن وسیع ہوتا گیا، اس کی وسعت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ یہاں صرف عوام کی آمد و رفت کے لئے عام سڑکوں اور گلیوں کی تعداد چار ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ یہ سڑکیں پکی اینٹوں سے تعمیر کی گئی تھیں اور گلیاں زیادہ تر کچی تھی۔ ہر محلے کی گلیوں کو عام شاہ راہوں سے جوڑ دیا گیا تھا اور ہر محلے کی مسجد تک چار گلیاں ضرور جاتی تھیں، آبادی بڑھنے کے ساتھ مسجدوں کی تعمیر میں بھی اضافہ ہوا اور محلے، بازاروں اور مسجدوں میں کثرت سے حمام بھی بنائے گئے تھے، اس طرح سے یہاں مسجدوں کی تعداد پندرہ ہزار اور حماموں کی تعداد پانچ ہزار تک پہنچ چکی تھی۔ جب ولی عہد مہدی نے خلافت کی باگ ڈور سنبھالی تو مہدیہ کے رقبے کو اور وسیع کرایا۔ تعمیرات اور بازاروں کی شان و شوکت میں خاطر خواہ اضافہ کیا۔ اس طرح سے مہدی کے عہد میں یہ شہر اپنے پورے عروج پر پہنچ گیا۔

قصر مہدیہ: پورے شہر مہدیہ میں خلیفہ مہدی کا محل سب سے عالی شان اور بلند و بالا تھا۔ اس محل کے اطراف و جوانب میں خلیفہ کے ملازمین اور خدام کے گھر تعمیر کئے گئے تھے۔ قصر مہدیہ کے باہر ایک خوبصورت چمن تھا جس میں ایک نہر جاری تھی۔ محل کے اندرونی حصہ میں سرخ اور سفید پتھروں کا استعمال کثرت سے کیا گیا تھا۔ اس کے دروازوں اور دیواروں میں بھی پتھر کا استعمال کیا گیا تھا۔ محل کے داخلی دروازے لوہے کے بنے تھے اور دیگر دروازے اور کھڑکیاں لکڑی کی تھیں جن پر عمدہ نقاشی کی گئی تھی۔ محل کے اندر غسل کرنے کے لئے سفید اور سرخ سنگ مرمر کے حوض بنائے گئے تھے۔ قصر کا دربار نہایت عالی شان تھا، اس کا فرش قیمتی مخملی قالین سے آراستہ تھا۔ در و دیوار اور ستون کو ریشمی کپڑوں سے آراستہ کیا گیا تھا، پردے لگائے گئے تھے جن پر سونے اور چاندی کے تاروں سے کام کیا گیا تھا، ان پر

پھول، پتیاں اور بیل بوٹے بھی بنائے گئے تھے اور پردوں پر مختلف قسم کی تحریریں بھی تھیں۔

خلیفہ ہارون رشید نے بھی اپنے دور حکومت میں شہر مہدیہ کو مزید ترقی دی۔ خود اپنی رہائش کے لئے متعدد محل تعمیر کرائے، جن میں دریائے دجلہ کے کنارے تعمیر کردہ قصر رصافہ اپنی آرائش وزیبائش کی وجہ سے بہت مشہور ہوا۔ اس محل کے در ودیوار اور ستون وفرش کو سفید سنگ مرمر سے آراستہ کیا گیا تھا اور فرش وستون پر پچکاری کے عمدہ ڈیزائن بنائے گئے تھے۔ خلیفہ ہارون رشید کے خاص محل میں پورے ستون ہاتھی دانت کے تھے اور دیوار وفرش سنگ مرمر کے تھے۔ خلیفہ ہارون رشید کی صاحب زادی ام حبیبہ نے بھی اپنے لئے ایک عالی شان محل تعمیر کروایا جو قصر ام الحبیب کہلاتا تھا۔ اس محل میں متعدد کھڑکیاں، دروازے اور جھاڑ فانوس تھے۔ اس محل میں سفید سنگ مرمر کے ستون اور فرش تھے۔ اس کی چھت میں خوبصورت نقش ونگار تھے۔ اس محل کے دروازوں پر قیمتی ریشمی کپڑوں کے پردے تھے اور فرش عمدہ قسم کے قالینوں سے مزین تھے۔

خلیفہ ہارون رشید کے برمکی وزراء نے مہدیہ کے قریب بغداد کی مشرقی جانب ایک خوبصورت شہر شمسیہ تعمیر کروایا یہاں عالی شان محل اور باغات تعمیر کرائے۔ برمکی وزراء کے محل، فن تعمیر کا بہترین نمومہ تھے۔ جعفر بن یحی برمکی کا محل قصر جعفری بہت خوبصورت تھا جس کی تعمیر پر مورخ طبری کی روایت کے مطابق بیس لاکھ درہم صرف ہوئے تھے۔ اس محل میں جگہ جگہ قیمتی ہیرے وجواہرات نصب کیے گئے تھے، ستونوں اور محرابوں پر رنگین اور چمکدار ہیرے لگائے گئے تھے، جعفر برمکی کے تخت پر سونے کا ملمع چڑھا تھا جس میں ہیرے وجواہرات جڑے ہوئے تھے۔

6.2.4 سامرا

نویں صدی کے نصف اول میں عباسی خلیفہ معتصم باللہ نے دجلہ کے کنارے بغداد سے شمال میں ساٹھ میل کے فاصلے پر سامرا شہر بسایا جو دریا کے کنارے تقریبا 33 میل تک پھیلا ہوا تھا۔ یہاں کی آب وہوا بہت خوش گوار تھی۔ سامرا شہر کی تعمیر اور دار الخلافہ کو بغداد سے سامرا لے جانے کی اصل وجہ عرب اور ترکی فوج کی آویزشیں تھیں، عوام ترکوں کو پسند نہیں کرتے تھے، نیز ترکی فوجی دستے اہل بغداد کے لئے باعث زحمت بھی بن گئے تھے۔ خلیفہ معتصم باللہ نے سامرا کو تعمیر کرا کر ترکی فوجوں کو یہاں منتقل کر دیا۔ یہاں ترکی فوجوں کے لئے بیرکیں، بازار اور اپنے لئے محلات وباغات اور ایک جامع مسجد بنوائی۔ سامرا میں جگہ جگہ فوجی چھاؤنیاں اور بیرکیں تھیں۔ امراء، جانشینوں، شہزادوں اور سپہ سالاروں کے عالی شان محلات تھے، اس کے بعد عام آدمی کے محلات اور بازار اور مساجد تھیں۔ سامرا کے محلوں کی تعمیر میں خاص طور سے ساگوان، شیشم اور ساکھو کی لکڑیاں اور رنگین تراشے ہوئے پتھروں کا استعمال کیا گیا تھا۔ خلیفہ معتصم باللہ نے بازار شہر کے باہر آباد کروایا تھا۔ اس شہر میں خاص طور پر ترکوں کی آبادی کو عام آبادی سے بالکل الگ رکھا گیا تھا اور ان کی خرید وفروخت کے لئے بازار بھی الگ رکھے گئے تھے۔ خلیفہ معتصم باللہ نے سامرا کی تعمیر مکمل ہونے کے بعد اپنا دار الخلافہ بغداد سے سامرا منتقل کر دیا تھا۔ سامرا کے دار الحکومت بننے کے بعد عوام بغداد کے مقابلہ سامرا کو فوقیت دینے لگے اور سامرا کی قدر ومنزلت بڑھ گئی۔ یہ شہر کم وبیش ساٹھ سال تک عباسی حکومت کا دار الخلافہ رہا۔

اس شہر میں خلیفہ معتصم نے اپنے لئے کئی خوبصورت اور عالی شان محل بنوائے، ان محلوں کی خصوصیت کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس وقت سب سے پہلی مرتبہ ان محلوں میں فن مصوری کا استعمال کیا گیا اور سنگ تراشی اور مجسمہ سازی کا استعمال تصویروں کی شکل میں ہوا، ان میں شکار کے مناظر پیش کئے گئے، پھر واثق باللہ نے اپنے دور حکومت میں سامرا کی شان وشوکت اور تعمیرات میں اضافہ کیا۔ خلیفہ واثق باللہ نے یہاں قصر ہارون نامی عالی شان محل بنوایا جو دریائے دجلہ کے ساحل پر واقع تھا۔ واثق کے بعد خلیفہ متوکل علی اللہ نے اپنے عہد میں قصر ہارونی میں اضافہ کیا اور اس کی آرائش وزیبائش اور شان وشوکت کو دوبالا کیا۔ اس میں جھاڑ فانوس، قندیلوں اور جھروکوں کا اضافہ کیا اور ایران سے شاندار قالین منگوا کر اس کے فرش کو سجایا۔ خلیفہ متوکل نے سامرا میں 846 تا 852ء میں ایک عالی شان مسجد بنوائی جس کا طول 260 گز اور عرض 180 گز تھا، دیوار صحن پر کنگورے اور گنبد تھے، صحن مسجد سے باہر ایک چکر دار گنبد تھا۔ اس مسجد میں فوارہ بھی تھا، یہ فوارہ حوض کے وسط میں لگوایا گیا تھا۔ سامرا کی جامع مسجد کے لئے خلیفہ متوکل نے ایک بلند وبالا مینار تعمیر کروایا جو عباسی طرز تعمیر کا نادر نمونہ شمار کیا جاتا ہے۔ اس مینار کی بلندی 52 میٹر ہے، جو 2 چوکور چبوتروں پر قائم ہے، اس پر اسطوانی شکل کی 5 منزلہ مینار کی عمارت قائم ہے، جس کی چوڑائی بلندی کے ساتھ رفتہ رفتہ کم ہوتی چلی گئی ہے، مینار کے اطراف دو میٹر چوڑی سیڑھیاں ہیں جو گھڑی کی سوئیوں کی مخالف سمت میں گھومتی ہوئی اوپر کی جانب چلی گئی ہیں، سیڑھیوں کی تعداد 399 ہے، مینار کی بلندی پر ایک منزل دائرہ کی شکل میں بنی ہوئی ہے، جس میں سات کھڑکیاں لگی ہیں۔ اس طرح سے متوکل نے اپنے دور میں شہر سامرا میں کئی عالی شان عمارتیں تعمیر کروا کر اس شہر کی شان وشوکت میں مزید اضافہ کیا۔ اس شہر کے متعلق یاقوت حموی کا بیان ہے کہ خلیفہ متوکل نے سامرا میں متعدد عالی شان عمارتیں تعمیر کرائیں، ان عمارتوں کی تعمیر پر سات لاکھ اشرفیاں خرچ کیں۔ ان محلوں کے نام یہ تھے، عروس، مختار، وحید، جعفری، غریب، شیدان، برج، بستان، تل، صبح، ملیح، برکوان جوسق، قلائد، قصر متوکلیہ اور لولو۔ سامرا کی ایک اور مسجد ابودلاف تھی۔ اس میں ایک بلند برج تھا اور چھت نوکدار کمانوں پر ڈالی گئی جو قبلہ کی دیوار کے متوازی تھیں۔ سامرا کے قلعہ بلقورا کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اسے خلیفہ متوکل نے اپنے بیٹے معتز کی نگرانی میں 854 تا 859ء میں تعمیر کرایا تھا۔ اس میں بڑے بڑے صحن تھے۔ درمیانی صحن میں وسیع وعریض کمرے، ہال اور تخت گاہیں تھیں۔

اس طرح سے عباسی خلفاء نے اپنے دور میں کئی عالی شان عمارتیں تعمیر کروائیں، معتضد باللہ کے دور میں قصر ثریا، قصر التاج، خلیفہ معتمد باللہ کے دور کی قصر العاشق عالی شان عمارتیں تھیں۔ مقتدر باللہ نے اپنے عہد میں ایک حسین قصر تعمیر کرایا، جس کا نام دار الشجرہ رکھا، اس محل کے اندر ایک گول حوض کے درمیان ایک مصنوعی درخت لگوایا۔ یہ درخت مکمل طور سے سونے، چاندی اور جواہرات سے آراستہ تھا، اس درخت کی 18 شاخیں تھیں، جو سونے چاندی کی تھیں، اس پر لعل، نیلم، ہیرے وغیرہ آویزاں تھے۔ اس مصنوعی درخت کی سونے چاندی کی شاخوں پر مصنوعی چڑیاں تھیں، جن کی آنکھوں میں لعل لگے ہوئے تھے، یہ چڑیاں ہوا سے حرکت کرتی تھیں اور پورا درخت شاخوں کے ساتھ حرکت کرتا تھا۔ اس طرح حرکت کرنے سے چڑیوں کے چہچہانے کی آوازیں نکلتی تھیں۔ نیز اس حوض کے دائیں اور بائیں دونوں طرف پندرہ پندرہ نیزہ بردار سواروں کے مجسمے تھے، جو مصنوعی طریقے سے اس طرح حرکت کرتے تھے کہ دیکھنے والوں کو ایسا احساس ہوتا تھا کہ وہ ایک دوسرے پر ان نیزوں سے حملہ کرنے والے ہیں۔

دار الشجرہ کے بالکل سامنے قصر فردوس تھا، جس کی عمارت لاجواب اور بے مثال تھی ،فردوس میں تیئیس(23) مختلف محل تھے،جو ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے دجلہ کے کنارے تک بڑھتے چلے گئے تھے۔

6.2.5 مدرسہ مستنصریہ

عباسی خلیفہ مستنصر باللہ نے اپنے دور حکومت میں مختلف محل، مساجد اور مدارس وغیرہ تعمیر کرائے۔ ان کی تعمیرات میں سے بغداد کا مدرسہ مستنصریہ اپنی فنکارانہ آرائش وزیبائش اور شان وشوکت کے لحاظ سے معروف ومشہور ہے۔ اس مدرسہ کی تعمیر کا کام 625 ہجری میں شروع ہوااور 632 ہجری میں تکمیل کو پہنچا۔ اگر چہ یہ عمارت عباسی دور کے بہت آخر میں بنی لیکن یہ اس دور کی عمارتوں میں بہت خوبصورت تھی،اس کی تعمیر میں دو ہزار کاریگروں نے حصہ لیا،اسے دریائے دجلہ کے ساحلی علاقے میں تعمیر کیا گیا،یہ مدرسہ خلیفہ مستنصر کے نام سے موسوم کیا گیا۔ اس مدرسہ میں طلبہ کی عمدہ تعلیم وتربیت کے لئے مدرسہ سے متصل وسیع وعریض عمارت کتب خانے کی تعمیر کی گئی، پورا کتب خانہ پکی اینٹوں سے بنایا گیا تھا،اس عمارت میں داخلے کے آٹھ پھاٹک تھے، فرش کو پتھر کے ٹائلس سے آراستہ کیا گیا تھا، ستون بھی پتھر کے تھے، جن پر سنگ تراشی کی گئی تھی، تمام دروازے اور کھڑکیاں لکڑی کی تھیں، جن پر عمدہ نقش ونگار تھا، درس وتدریس کے لئے وسیع وعریض ہال بنایا گیا تھا،اس میں سفید وسرخ سنگ مرمر کے ٹائلس لگے تھے۔ فرش پر سرخ پتھروں کا استعمال کیا گیا تھااور ستون ودیوار سفید سنگ مرمر کے ٹائلس سے مزین تھا۔ طلبہ کے قیام کے لئے ہاسٹل کی عمارت تھی اس عمارت میں بڑے بڑے اور کشادہ کمرے بنائے گئے تھے اس میں بھی پکی اینٹوں کا استعمال کیا گیا تھا۔ طلبہ اور اساتذہ کے خورد ونوش کے لئے کئی مطبخ تھے اور صحت وتندرستی کے لئے مدرسے سے متصل ایک شفاء خانہ بھی بنایا گیا تھا۔ مدرسہ میں ایک عالی شان اور خوبصورت مسجد تھی، جس کے صحن میں حوض تھا وضو کے پانی کی نکاسی کے لئے کنارے نالیاں بھی بنائی گئی تھیں۔ مسجد پر ایک بلند وبالا مینار سنگ مرمر کا بنایا گیا تھا اور اس میں کمانی دار محرابیں بھی تھیں۔ داخلے کے لئے تین سمتوں میں تین لوہے کے پھاٹک تھے، پوری عمارت کو ایک بہت ہی خوبصورت اور نفیس باغ سے احاطہ کیا گیا تھا۔

6.3 عباسی دور کی تمدنی ترقیاں

عباسی عہد کا تمدن، ظاہری نفاست ولطافت اور حسن ودل آویزی کے اعتبار سے نہایت ہی بلند وبالا تھا، اس دور کے تمدن پر عجمی اثرات ظاہر تھے، سرزمین عجم باغ وبہار کا بڑا ہی قدر داں تھا۔ چنانچہ خلفاء، وزراء اور امراء کو نہر، باغات اور سبزہ زار کا کافی شوق تھا۔ خصوصاً بغداد میں نہروں کی کثرت تھی، یہاں پانی کی فراوانی سے باغ وچمن کی تعداد زیادہ تھی۔

خلیفہ معتصم نے سامرا آباد کر کے متعدد باغ وچمن لگائے تھے۔ ہر باغ میں نشست کے لئے عمارات اور تفریح کے لئے حوض، تالاب اور کھلے میدان تھے۔ اس کے علاوہ متعدد عباسی خلفاء نے مختلف مقامات پر قصور اور باغات لگوائے۔ جن کے نام یہ تھے۔ قصور شماسیہ، رقہ، قصر احمری، عیسٰی آباد اور روضۃ الریاض وغیرہ۔

عباسی دور میں عوام وخواص اپنے مکانات کی تعمیر میں ایرانی اسلوب سے خصوصی طور پر متاثر تھے،عام طور پر متمول طبقہ کے

گھر تین حصوں میں منقسم ہوتے تھے۔ ایک مقاصیر حرم یعنی زنان خانہ، دوسرا مجالس السلام جسے دیوان خانہ یا مردانہ بیٹھک کہہ سکتے ہیں، یہ حصہ عام زائرین سے ملاقات اور مہمانوں کے لئے ہوتا تھا، تیسرا ملازموں کے قیام کے کمروں پر مشتمل ہوتا تھا، ان مکانات میں پانی کا خاص انتظام ہوتا، ہر مکان سے متصل باغیچہ ہوتا، جس میں مختلف اقسام کے پھلوں کے درخت اور پھولوں کے پودے ہوتے تھے۔ ان کے گرد چہار دیواری ہوتی تھی۔ عموماً مکانوں کی چھتیں اور دیواریں سنہرے اور طرح طرح کے نقش و نگار سے مزین ہوتی تھیں اور دروازوں پر عمدہ پردے آویزاں ہوتے تھے۔ ہر مکان کی ایک چہار دیواری ہوتی تھی، لیکن عوام کے مکانات میں چہار دیواری نہیں ہوتی تھی، اور ان کے روشن دان سڑکوں کی جانب کھلتے تھے۔

مکانوں میں موسم کے اعتبار سے مصنوعی ٹھنڈک اور گرمی کا خاص انتظام ہوتا تھا۔ موسم گرما میں ٹھنڈک اور پانی کا خاص اہتمام کرتے تھے۔ کمروں کو ٹھنڈا رکھنے کے کئی طریقے تھے، گھروں کی چھتیں کچی مٹی سے بنائی جاتی تھیں، اور مکانوں کے چاروں طرف موٹے موٹے بانس اور بید کی ٹٹی بنادی جاتی تھی اور بیچ میں برف بھر دی جاتی تھی، ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ دبیز کپڑہ پانی سے تر کرکے دیواروں پر منڈھ دیا جاتا تھا، اس کے علاوہ آرام گاہوں میں مصنوعی طریقہ سے پانی لایا جاتا تھا، جو سنگ مرمر سے تراشے گئے درندوں اور پرندوں کے منھ سے آبشاروں اور فواروں کی شکل میں چھوٹتا تھا، اور چھتوں میں لگے پنکھے (جو ایک رسی سے کھینچے جاتے تھے) سے ٹھنڈی ہوا نکلتی تھی، اس سے گرم ہوا کے جھونکے ٹھنڈے بن جاتے تھے۔ اس کے علاوہ آرام گاہوں میں ٹھنڈک پیدا کرنے کے دیگر طریقے بھی رائج تھے۔

سردیوں کے موسم میں آرام گاہوں میں مصنوعی طریقہ سے گرمی پیدا کرنے کی صورت یہ تھی کہ بڑے بڑے مکانوں میں چھوٹے چھوٹے لکڑی کے کمرے بنائے جاتے تھے اور ان کے اطراف لوہے اور لکڑی کے جنگلے بنائے جاتے تھے۔ ان کے درمیان آتش دانوں اور انگیٹھیوں میں آگ بھر دی جاتی تھی، جن کو خدام دہکاتے رہتے تھے، اس سے پورا کمرہ گرم رہتا تھا۔

کھانے کا ذوق عربوں کے حسن مذاق کا آئینہ دار ہے، وہ کھانے میں جدت اور تنوع کے اتنے شوقین تھے کہ بے موسم کے شکار کو بڑی سے بڑی رقم دے کر حاصل کرتے تھے، اور بے موسم کے پھلوں کو بھاری قیمت دے کر خریدتے تھے، ان کے دستر خوان مختلف قسم کے کھانوں سے بھرے ہوتے تھے، گوشت کی مختلف قسمیں ہوتی تھیں جو کئی طریقوں سے پکائے جاتے تھے، ان میں مرغ، پرندے، بکری، برہ، بھیڑ، ہرن اور دوسرے پالتو اور جنگلی جانوروں کا گوشت شامل تھا، اسی طرح مچھلی کی بھی مختلف قسمیں تھیں، صحنا چھوٹی بھنی ہوئی مچھلیاں، مچھلی کی زبان کا سالن، اس میں بہت ہی لاگت آتا تھا، اس قسم کی بہت سی لذیذ اور قیمتی چیزوں سے ان کے دستر خوان آراستہ ہوتے تھے، ثرید، حریصہ اور خلیص پرانے روایتی عرب کھانے تھے جو عباسیوں میں بھی مقبول تھے، اس کے علاوہ بھی کھانے کی دیگر قسمیں تھیں جو مختلف ناموں سے مشہور تھیں مثلاً سکباج، کشک، حضیرہ، عصیدہ وغیرہ۔

امراء کے یہاں مکلف کھانوں کے لئے جو مرغ پکایا جاتا تھا ان کو پہلے کچھ دنوں تک دانے اور پانی کے بجائے خشک میوے اور گلاب کا عرق پلایا جاتا تھا، حکمراں اور امراء کے یہاں دعوتوں اور تقریبات میں طلائی اور نقرئی کے قیمتی ظروف استعمال کیے جاتے تھے۔

خلیفہ ہارون رشید کے دستر خوان پر متعدد اقسام کے کھانے ہوتے تھے، ہارون رشید کے مطبخ کا یومیہ خرچ دس ہزار درہم تھا، اس

دور میں کھانے پر صرف خلفاء ہی دل کھول کر خرچ نہیں کرتے تھے، بلکہ امراء اور اراکین سلطنت اور اہل ثروت حضرات بھی بے دریغ صرف کرتے تھے۔

میوے اور پھل، کھانے کے لازمی حصہ ہوتے تھے، کھانے سے پہلے حاضرین کی میوے سے تواضع کی جاتی تھی، پھر کھانے کا دستر خوان بچھایا جاتا، ان پر کھانے کی قسمیں یکے بعد دیگرے سامنے آتی تھیں، میزبان کھانے کے دوران لطف و مدارات کی باتیں کرتا رہتا، کھانے کے بعد خدام پانی سے ہاتھ دھولاتا، اس کے بعد عرق گلاب کا شیشہ پیش کیا جاتا جو ہاتھ اور منھ پر ملا جاتا تھا۔

عباسی عہد میں مشروبات بھی مختلف اقسام کے ہوتے تھے، ان میں نبیذ نوشی کا عام رواج تھا، نبیذ نوشی کے ظروف بھی طلائی اور بلور کے ہوتے تھے، اس کے علاوہ شربت، پھلوں کا رس وغیرہ بھی مقبول تھا۔ وہ اپنی شربت کو شہتوت، بنفشہ اور گلاب کا عرق ملا کر خوشبودار بناتے تھے۔

متوسط طبقہ کے عام کھانوں میں اتنے اقسام نہیں ہوتے تھے، تاہم ان کے دستر خوان پر بھی مختلف قسم کے گوشت اور سبزیاں ہوتی تھیں، ان کے مشروبات میں نبیذ اور پھلوں کے رس شامل تھے، غریب اور عوام الناس بھی خوشحال تھے، چنانچہ انہیں بھی گوشت اور پھل وغیرہ میسر تھے۔

اعلی تمدن، معاشرت کا ایک مظہر حسن لباس اور اس کی نفاست بھی ہے، اس اعتبار سے اہل بغداد بڑے خوش ذوق تھے، ان کے لباس، ان کی وضع قطع اور تراش و خراش اعلی معیار کی تھی، بغداد ریشمی اور سوتی پارچہ بافی کی صنعت و تجارت کا بڑا مرکز تھا، اس کے ایک محلہ عتابیہ میں مختلف رنگ کے ریشمی اور سوتی کپڑے تیار کئے جاتے تھے جو اس محلہ کے نام سے منسوب ہو کر عتابی کہلاتے تھے۔

عباسی عہد میں خصوصا عرب علاقوں میں عربوں کا روایتی لباس بھی رائج رہا، لیکن ایرانی تہذیب و تمدن کے زیر اثر، ان کے لباس میں ایرانی پوشاکیں، اوڑھنیاں، ٹوپیاں اور دوسرے کپڑوں کا بھی رواج عام ہوتا گیا، رفتہ رفتہ بغداد، کرخ، سامرا اور دوسرے مشرقی علاقوں میں ایرانی لباس مثلا اونچی ٹوپیاں، کامدار قبائیں، جبے اور عمامے مقبول ہوتے گئے، خلیفہ ابو جعفر منصور کے عہد سے ایرانی لباس سرکاری بن گیا، لیکن گھریلو لباس عربی روایتی لباس کا رواج باقی رہا، خود خلیفہ ابو جعفر منصور اپنے محل میں معمولی اور پیوند لگے لباس میں رہتے تھے، البتہ دربار اور جلوس میں باہر نکلتے وقت شاندار لباس میں ہوتے تھے، بعد کے خلفاء زیادہ پر تکلف لباس استعمال کرنے لگے، جن میں ریشم کمخواب، دیبا، حریر، کتان وغیرہ بھی شامل تھے، اونچے طبقے کی عورتیں بھی بہت قیمتی لباس استعمال کرنے لگیں، دخانی کپڑوں کے کرتے، رشیدی چادریں، طبری چادریں، رنگین کتان، نیشاپوری مقنع وغیرہ بھی رائج ہو گئیں، اس طرح سے اعلی، متوسط اور ادنی طبقات کے کپڑے ان کی اقتصادی حالات کے مطابق ہوتے تھے۔

مردوں کا عام لباس پائجامہ، لمبی چوڑی قمیص، جبہ، چادر، موزہ اور عمامہ تھا، خواص زیادہ تر ایرانی لباس پہنتے تھے جس کو خلیفہ منصور نے سرکاری لباس قرار دیا تھا، ایرانیوں کی تقلید میں اونچی ٹوپیاں زیادہ رائج تھیں، قاضیوں کی ٹوپیاں لمبی ہوتی تھیں، خلفاء ٹوپیوں پر عمامہ باندھتے تھے، فقہاء، قضاۃ، حکام اور عوام سب کا لباس الگ الگ تھا، سرکاری لباس سیاہ تھا، خلفاء کے دربار میں حاضری کے لئے سیاہ لباس

ضروری تھا۔

عورتیں دخانی کپڑوں کے کرتے، خراسانی کتان کے ازار، گریباں دار گلوبند مخانقیہ، ڈھیلے پاجامے، سربند استعمال کرتی تھیں، سفید رنگ کے کپڑوں کا استعمال سہاگنوں میں ناپسندیدہ سمجھا جاتا تھا، وہ مطلقہ عورتوں اور بیواؤں کا لباس خیال کیا جاتا تھا، سہاگن عورتیں رنگین لباس استعمال کرتی تھیں، سرخ، زرد، سبزہ، سیاہ اور گلابی رنگ کے کپڑے زیادہ تر ادنی درجہ کی نبطی عورتیں اور مغنیہ استعمال کرتی تھیں، اس رنگ کے استعمال کو اعلی طبقہ کی خواتین بہتر نہیں سمجھتی تھیں، لیکن جن کپڑوں کا اصلی رنگ یہی ہوتا ان کے استعمال میں انہیں کوئی حرج نہیں تھا۔

عباسی عہد کے معاشرہ میں عطریات اور خوشبوؤں کا شوق عام تھا، اہل شوق حضرات مشک اور گلاب کا عرق، لونگ کے پانی میں بھگویا ہوا عنبر آمیز عود، سلطانی، بحرین کا عنبر اور دوسری چھڑکنے والی خوشبوئیں استعمال کرتے تھے، لباس کے علاوہ گھروں میں خوشبوؤں کا خاص اہتمام کیا جاتا تھا، مکان کی فضا کو خوشبودار بنانے کے لئے کھڑکیوں، روشن دانوں اور طاقچوں وغیرہ میں مختلف اقسام کے خوشبودار پھل، پھول، کافور، صندل، گلاب، خلود اور ند وغیرہ چیزیں رکھ دی جاتی تھیں، جن سے پورا مکان معطر ہو جاتا تھا، اس طرح سے مختلف اشیاء اور مقامات میں خوشبو کا انتظام رہتا تھا۔

دولت کی فراوانی اور ملک کی خوشحالی کی وجہ سے اس دور کی معاشرتی زندگی میں عیش و عشرت نے قبضہ جما لیا تھا، طرح طرح کی تقریبات منعقد کی جاتیں تھیں، ان تقریبات میں اس اولوالعزمی سے کام لیا جاتا تھا کہ اسراف کی حد سے بھی بڑھ جاتا تھا، تقریبات میں مدارات اور لطف و تفریح کے مختلف سامان مہیا کئے جاتے تھے، تقریبات میں صاحب ثروت اور خوش ذوق حضرات اپنی فیاضیوں کا بڑے پیمانے پر مظاہرہ کرتے تھے، ظاہری شان و شوکت اور تمدنی تکلفات کرتے تھے، عام زندگی میں شادی بیاہ، عقیقہ اور بسم اللہ خوانی وغیرہ اہم تقریبات شمار کی جاتی تھیں، مذہبی تیوہاروں میں عید الفطر میں خوب خوشیاں منائی جاتیں، ان تقریبات میں قسم قسم کی ثقافتی محفلیں سجائی جاتیں اور کھیل تماشے کئے جاتے، اس میں خوب فضول خرچی کی جاتی تھی، ان کا اثر دوسرے مالدار طبقات پر بھی پڑتا تھا، البتہ عام طبقہ کے لوگ اپنی زندگی گزارنے کے لئے پریشان تھے، لیکن ان کا معیار زندگی خاص کر بغداد میں بہت اچھا تھا، شہروں کے طبقات میں عموماً کاریگر اور مزدور کم آمدنی والے لوگ تھے، دوسرے تیوہاروں میں نوروز، مہرجان وغیرہ ایرانی تیوہار ایرانی تہذیب کے غلبہ کے سبب منائے جانے لگے تھے، نوروز ایرانیوں کا قدیم تیوہار تھا جو نئے سال کے موقع پر بڑی شان و شوکت سے منایا جاتا تھا، یہ ان کے سال کا پہلا دن ہوتا تھا اور موسم ربیع کے شروع میں پڑتا تھا، عباسی خلفاء سال کے شروع میں نوروز کے موقع پر جس شان و شوکت سے عظیم الشان اجتماع منعقد کرتے تھے اسی شان و شوکت کے ساتھ سال کے اخیر میں مہرجان کا جشن مناتے تھے۔

اس دور کے تفریحی مشاغل میں شطرنج، شکار، شمشیر زنی، نیزہ اندازی، تیر اندازی اور چوگان بازی وغیرہ شامل تھے، گھوڑ دور خلفاء، امراء اور اراکین سلطنت کا ایک اہم تفریحی مشغلہ تھا، بعض عباسی خلیفہ شکار کے بھی بے حد شوقین تھے، اور اس کے لئے بہترین سامان کا انتظام کرتے تھے، شکار کے اعلی اور عمدہ سامان سے دلچسپی کی انتہا یہ تھی کہ وہ اپنے تیروں کی نوک کو بھی سونے کی بناتے تھے، اور

شکار کے لئے باز اور شکرے پالتے تھے، عوام میں کشتی، کشتی رانی، گھوڑ سواری اور تیراکی کا عام ذوق تھا، اور وہ اس فن میں طرح طرح سے اپنی مہارت کا مظاہرہ کرتے تھے، مثلا تیراک ایک جلتی ہوئی انگیٹھی ہاتھ میں لے کر تیرتا تھا اور اس پر ہانڈی میں گوشت پکتا رہتا تھا، اور تیراک اس وقت تک تیرتا رہتا تھا جب تک گوشت مکمل طور پر تیار نہ ہو جاتا، عوام کو مضحکات اور مسخرے پن میں بھی بڑی دلچسپی تھی ، جس کی وجہ سے مسخروں کی ایک جماعت پیدا ہو گئی تھی جو "مضحکین" کہلاتے تھے، وہ اس فن میں اپنی مہارت سے عوام کی دل لگی اور دلچسپی کا سامان فراہم کرتے تھے۔

عباسی دور میں فن موسیقی نے بہت فروغ پایا تھا، اس کی وجہ یہ تھی کہ خلفاء و امراء اور اہل ثروت حضرات اس فن کی خوب سرپرستی کرتے تھے، خلیفہ واثق باللہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ خود موسیقی کا بہت بڑا ماہر تھا، وہ خلفائے عباسیہ میں سب سے زیادہ موسیقی کے فن سے باخبر تھا اس نے متعدد راگ وراگنیاں اور نئی دھنیں بنائی تھیں۔

غنا اور طرب کی محفلیں صرف خلفاء کے محلوں میں ہی منعقد نہ ہوتی تھی، بلکہ امراء، وزراء اور سلطنت کے بڑے بڑے ارکان کے محلوں میں بھی مجلسیں سجائی جاتی تھیں اور ان فنکاروں کو انعامات اور بخشش سے نوازا جاتا تھا، اس دور کے مشہور مغنیوں اور موسیقی کے ماہرین میں ابن جامع، ابراہیم موصلی، اسحاق بن ابراہیم موصلی، منصور زلزل اور زریاب وغیرہ کا نام شمار کیا جاتا تھا۔

6.4 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- فن تعمیر کے ارتقاء کے اعتبار سے عہد عباسی اسلامی تاریخ کا ممتاز ترین دور رہا ہے، اس دور میں خلفاء کی سرپرستی میں فن تعمیر کو خوب ترقی ملی۔
- عباسی فن تعمیر کا اصل شاہکار بغداد شہر کی تعمیر ہے، دارالخلافہ بغداد کی تعمیر عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور کا ایک عظیم الشان کارنامہ ہے اس شہر کی تعمیر کے لئے بڑا اہتمام کیا گیا تھا۔
- بغداد شہر کا نقشہ ایک دائرہ کی شکل کا تھا، اس لحاظ سے یہ مسلمانوں کا پہلا مدور شہر تھا، جس کے اطراف اندرونی فصیل اور ایک بیرونی فصیل تھی اور جس پر مدور برجیاں بنائی گئی تھیں۔
- بغداد شہر میں چار دروازے چار سمت میں بنائے گئے تھے، ان دروازوں کے نام اپنی اپنی سمت کے اہم شہروں کی مناسبت سے رکھے گئے تھے جن کے نام یہ تھے: باب الکوفہ، باب الشام، باب البصرہ اور باب الخراسان۔
- ابو جعفر منصور کا شاہی محل بغداد شہر کے وسط میں واقع تھا، یہ شہر کا خوبصورت ترین اور عالی شان محل تھا، اس شاہی محل کو قصر الذہب (سونے کا محل) کہتے تھے۔
- خلیفہ ابو جعفر نے اپنے لئے بغداد شہر سے باہر دجلہ کے مغربی کنارے باب خراسان کی جانب 775ء میں ایک دوسرا محل بنوایا جو

اپنی خوبصورتی اور آرائش وزیبائش کے لحاظ سے "قصر الخلد" کہلاتا تھا۔

- خلیفہ ابو جعفر منصور نے 157ھ / 774ء میں بغداد سے باہر لیکن متصل ہی ایک دوسرا شہر کرخ نامی تعمیر کرایا۔ یہاں بازار، مساجد، سڑکیں اور انتظامی عمارتیں بنوائیں اور کرخ کا بازار شہر کی آبادی سے باہر دجلہ کے ساحل پر بنوایا اور سارے بازار وہاں منتقل کر دیئے۔
- خلیفہ منصور نے بغداد کے مشرقی جانب ایک شہر محفوظہ آباد کیا، جسے اپنے ولی عہد مہدی کے نام سے منسوب کیا۔ فوجوں کی رہائش کے سبب یہ شہر مہدیہ کے علاوہ عسکریہ مہدی بھی کہلاتا تھا۔
- خلیفہ ہارون رشید کی صاحبزادی ام حبیبہ نے بھی اپنے لئے ایک عالی شان محل تعمیر کرایا جو قصر ام الحبیب کہلاتا تھا۔ اس محل میں متعدد کھڑکیاں، دروازے اور جھاڑ فانوس تھے۔ اس کی چھت میں خوبصورت نقش ونگار تھے۔ اس محل کے دروازوں میں قیمتی ریشمی کپڑوں کے پردے تھے اور فرش عمدہ قسم کے قالینوں سے مزین تھے۔
- نویں صدی کے نصف اول میں عباسی خلیفہ معتصم باللہ نے دجلہ کے کنارے بغداد سے شمال میں ساٹھ میل کے فاصلے پر سامرا بسایا۔ دریا کے کنارے تقریباً 33 میل تک پھیلا ہوا تھا۔ یہ شہر بھی حسن تعمیر میں لاجواب تھا۔
- خلیفہ معتصم باللہ نے سامرا کی تعمیر مکمل ہونے کے بعد اپنا دار الخلافہ بغداد سے سامرہ منتقل کر دیا تھا۔ سامرا کے دار الحکومت بننے کے بعد عوام بغداد کے مقابلہ سامرا کو فوقیت دینے لگے اور سامرا کی قدر ومنزلت بڑھ گئی۔
- عباسی خلیفہ مستنصر باللہ نے اپنے دور حکومت میں مختلف محل، مساجد اور مدارس وغیرہ تعمیر کروائے۔ ان کی تعمیرات میں سے بغداد کا مدرسہ مستنصریہ اپنی فنکارانہ آرائش وزیبائش اور شان وشوکت کے لحاظ سے معروف ومشہور ہے۔
- اعلی تمدن اور معاشرت کا ایک مظہر حسن لباس اور اس کی نفاست بھی ہے، اس اعتبار سے اہل بغداد بڑے خوش ذوق تھے، ان کے لباس، ان کی وضع قطع اور تراش وخراش اعلی معیار کی تھی۔
- عباسی عہد کے معاشرہ میں عطریات اور خوشبوؤں کا شوق عام تھا، اہل شوق حضرات مشک اور گلاب کا عرق، لونگ کے پانی میں بھگویا ہوا عنبر آمیز عود، سلطانی، بحرین کا عنبر اور دوسری چھڑکنے والی خوشبوئیں استعمال کرتے تھے۔
- خلیفہ واثق باللہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ خود موسیقی کا بہت بڑا ماہر تھا، وہ خلفائے عباسیہ میں سب سے زیادہ موسیقی کے فن سے باخبر تھا اس نے متعدد راگ وراگنیاں اور نئی دھنیں بنائی تھیں۔
- عباسی دور کے مشہور مغنیوں اور موسیقی کے ماہرین میں ابن جامع، ابراہیم موصلی، اسحاق بن ابراہیم موصلی، منصور زلزل اور زریاب وغیرہ کا نام شمار کیا جاتا تھا۔

6.5 نمونہ امتحانی سوالات

6.5.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. ابو جعفر منصور کے دور میں کون سا شہر تعمیر ہوا

(a). سامرا (b). بغداد (c). قاہرہ (d). ان میں سے کوئی نہیں

2. کس عباسی حکمراں کے زمانے میں قصر الخلد کی تعمیر کی گئی۔؟

(a). ابو جعفر منصور (b). ہارون رشید (c). مہدی (d). معتصم باللہ

3. سامرا کس نے تعمیر کرایا؟

(a). واثق باللہ (b). معتصم باللہ (c). متوکل علی اللہ (d). مہدی

4. خلیفہ واثق باللہ نے کون سا محل بنوایا؟

(a). قصر جعفری (b). قصر ہارونی (c). قصر الخلد (d). قصر ام الحبیب

5. مدرسہ مستنصریہ کی تعمیر کا کام کس سن ہجری میں شروع ہوا؟

625.(a) 630.(b) 632.(c) 650.(d)

6. ابراہیم موصلی کی شہرت کس فن میں ہے؟

(a). موسیقی (b). جراحت (c). زراعت (d). طب

7. ان میں سے مشہور مغنی کون ہے؟

(a). مسلمہ المجریطی (b). اسحاق بن ابراہیم (c). جعفر برمکی (d). ان میں سے کوئی نہیں

8. کس عباسی خلیفہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ خود موسیقی کا بہت ماہر تھا؟

(a). ابو جعفر منصور (b). ہادی (c). واثق باللہ (d). قائم بامر اللہ

9. کس خلیفہ نے دار الشجرہ تعمیر کرایا؟

(a). ہادی (b). مہدی (c). مقتدر باللہ (d). معتصم باللہ

10. ابو جعفر منصور کے محل کا نام کیا تھا؟

(a). قصر الذہب (b). قصر ہارونی (c). قصر التاج (d). قصر العاشق

6.5.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. شہر مہدیہ کی تعمیری خصوصیات پر روشنی ڈالیے۔
2. خلیفہ ابو جعفر منصور کی تعمیری خدمات بیان کیجیے۔
3. عباسی دور کی تقریبات پر ایک نوٹ تحریر کیجیے۔
4. مدرسہ مستنصریہ کی تعمیر اور اسکی خصوصیات بیان کیجیے۔
5. عباسی دور کی معاشرتی زندگی پر روشنی ڈالیے۔

6.5.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. عباسی دور کی تمدنی ترقی پر ایک تفصیلی مضمون قلمبند کیجیے۔
2. بغداد شہر کی تعمیر اور اس کی خصوصیات پر روشنی ڈالیے۔
3. عہد عباسی میں تعمیری ترقی پر ایک مضمون قلم بند کیجیے۔

6.6 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. تاریخ اسلام (جلد دوم) : شاہ معین الدین احمد ندوی
2. علوم وفنون عہد عباسی میں : محمد رضوان علوی
3. تاریخ تہذیب اِسلامی (جلد سوم) : یسین مظہر صدیقی
4. عہد عباسیہ میں فن تعمیر کا ارتقاء : غلام معین الدین
5. تاریخ ملت (جلد دوم) : مفتی زین العابدین
6. P. K. Hitti, *History of the Arabs* اردو ترجمہ: مترجم یاسر جواد

اکائی 7: عباسی دور میں نقلی علوم کا ارتقا

اکائی کے اجزا:

7.0 تمہید

7.1 مقاصد

7.2 عباسی دور میں نقلی علوم کا ارتقا

7.3 قرآنیات

7.3.1 علوم قرآن

7.3.2 تفسیر

7.3.3 تفسیر بالرائے

7.3.4 موضوعاتی تفسیریں

7.4 علوم الحدیث

7.4.1 روایت حدیث و تدوین حدیث

7.4.2 تدوین اصول حدیث

7.4.3 علم جرح و تعدیل اور اسماء الرجال

7.5 علم فقہ

7.5.1 علم فقہ کی تدوین

7.5.2 اصول فقہ کی تدوین

7.6 کلیدی الفاظ

7.7 اکتسابی نتائج

7.8 نمونہ امتحانی سوالات

7.8.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

7.8.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

7.8.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

7.9 تجویز کردہ اکتسابی مواد

7.0 تمہید

اسلامی تاریخ میں عباسی خلافت کا دور نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ اس دور میں اسلامی تہذیب و تمدن کی تشکیل ہوئی، اور زندگی کے ہر میدان میں ہمہ جہتی ترقی ہوئی۔ جس کا ایک پہلو علمی ترقیات بھی ہیں۔ عباسی دور میں علمی ارتقاء دو میدانوں میں ہوا، عقلی علوم اور نقلی علوم۔ عقلی علوم سے سائنسی علوم مراد ہوتے ہیں۔ جس میں عقل اور تجربہ کی مدد لی جاتی ہے۔ نقلی علوم سے وہ علوم مراد ہوتے ہیں، جو بذریعہ نقل آگے بڑھتے ہیں۔ یہ اسلامی علوم کا اہم حصہ ہیں۔ نقلی علوم میں قرآنیات، علوم حدیث اور علم فقہ جلی عناوین ہیں۔ اس اکائی میں ہم عباسی دور میں ان علوم کے آغاز وارتقاء کے بارے میں جانیں گے۔

7.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد یہ ہے کہ اسلامی تاریخ کے عہد زریں یعنی عباسی دور میں اسلامی علوم کے آغاز وارتقاء کے بارے میں معلومات حاصل کریں۔ ہم جانیں گے کہ مذہب اسلام کی بنیاد جن علوم پر ہے، یعنی قرآن مجید، حدیث شریف، فقہ و فتاوی، ان علوم کی اس دور میں کیا ترقی ہوئی۔ ان مضامین کی کون کون سی کتابیں لکھی گئیں۔ وہ کون لوگ تھے، جنہوں نے ان علوم کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔ ہم یہ بھی جانیں گے کہ اس دور کو اسلامی علوم کی ترقی کا عہد زرین کیوں کہا جاتا ہے۔

7.2 عباسی دور میں نقلی علوم کا ارتقا

بنو امیہ کے بعد بنو عباس نے اسلامی خلافت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لی۔ انہوں نے 132ھ /750ء سے 656ھ /1258ء تک حکومت کی، ان کا دار الخلافہ بغداد تھا۔ دار الخلافہ ہونے کی وجہ سے بغداد علمی سرگرمیوں کا اہم مرکز تھا۔ بغداد سے قریب عراق میں دو اہم شہر بصرہ اور کوفہ بھی تھے۔ جو اموی دور میں ہی نقلی علوم کی ترقی کا مرکز بنے ہوئے تھے۔ اموی حکومت کا دار الخلافہ شام کا شہر دمشق تھا، اس لئے یہاں بھی نقلی علوم کی ترقی شروع ہو چکی تھی۔ علاوہ ازیں مصر بھی عباسی قلمرو میں معاشی اور سیاسی اہمیت کے ساتھ علمی اہمیت کا مرکز تھا۔ بغداد، بصرہ، کوفہ، شام اور مصر وہ مراکز تھے، جہاں عباسی دور میں نقلی علوم کی ترقی ہوئی۔

پانچ صدیوں پر محیط عباسی دور میں سیاسی استحکام کا زمانہ تقریباً سوا سو برس تک ہے۔ البتہ علمی ترقی سیاسی استحکام کے ساتھ وابستہ نہیں رہی۔ سیاسی زوال کے دور میں بھی علماء اور محققین علم و فضل کی نئی بلندیوں کو چھوتے رہے، اور نئی فتوحات حاصل کرتے رہے۔ اس کی

وجہ یہ تھی کہ نقلی علوم کی ترقی دربار خلافت کے ساتھ وابستہ نہیں رہی تھی، بلکہ عوام اور علماء اپنے ذاتی جذبہ اور مذہبی لگاؤ کی وجہ سے اس کے فروغ میں حصہ لے رہے تھے۔

7.3 قرآنیات

7.3.1 علوم قرآن

علوم القرآن کا مطلب ہے، وہ علوم جن سے قرآن مجید کو سمجھنے اور ان کی تشریح کرنے میں مدد حاصل کی جائے۔ علوم قرآن کے تحت متعدد علوم کا ذکر ملتا ہے، مثلاً علم مشکل القرآن، علم فضائل قرآن، معانی القرآن، اعراب القرآن، ناسخ و منسوخ، علم قرآت، قرآن مجید کی تحریر و کتابت وغیرہ۔ ان تمام علوم کو ایک کتاب میں جمع کرنے کا کام عباسی دور کے آخر میں شروع ہوا، عہد عباسی کے خاتمہ کے بعد اس طرح کی مزید کتابیں لکھی گئیں۔ مثلاً علوم القرآن کے نام سے ابتدائی کتابوں میں امام ابن جوزی کی " فنون الأفنان في عيون علوم القرآن " ہے، جو چھٹی صدی ہجری میں لکھی گئی۔ اس کے بعد ایک اہم کتاب آٹھویں صدی میں امام زرکشی نے البرہان فی علوم القرآن کے نام سے لکھی۔ عہد عباسی میں علوم القرآن کی جامع کتابوں کے بجائے ہر فن پر الگ الگ کتابیں تحریر کی گئیں، اور ہر علم کی علیحدہ علیحدہ ترقی ہوئی۔ ان میں سے چند اہم علوم کے ارتقاء پر ذیل میں روشنی ڈالی جاتی ہے۔

علم قرآت: علم قرآت کو قرآنی علوم میں اہم مقام حاصل ہے۔ اس علم کا تعلق قرآن مجید کو پڑھنے کے طریقوں سے ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے قرآن کو پڑھنے میں آسانی پیدا کرنے کے لئے ایک سے زائد طریقوں کی اجازت دی تھی۔ اور بتایا تھا کہ یہ قرآتیں اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہیں۔ قرآن مجید کو رسم عثمانی کے مطابق لکھنے میں ان طریقوں کا خیال رکھا گیا تھا۔ اور قرآن مجید کی تعلیم کے وقت بھی معلمین الگ الگ طریقوں سے پڑھنا سکھاتے تھے۔ عباسی دور میں ان موضوعات پر متعدد کتابیں تصنیف کی گئیں، تاکہ اس علم کو محفوظ کر دیا جائے۔ معلمین قرآن کے ساتھ ماہرین لغت نے بھی اس علم کی تدوین میں حصہ لیا۔ مثلاً ماہر لغت ابو عبیدہ معمر بن مثنی (وفات:210ھ / 825ء) نے اپنی کتاب 'مجاز القرآن' میں قرآتوں کے دلائل جمع کرنے کے لئے عربی زبان اور ادب سے مثالوں اور اشعار کو اکھٹا کرنے کا اہم کام کیا۔

قرآن مجید کو سات مشہور طریقوں سے پڑھنے کا نظام بھی عباسی دور میں مدون کیا گیا۔ امام ابو بکر ابن مجاہد نے اپنی کتاب 'السبعہ فی القرآت' لکھی، جس میں قرآن مجید کی ساتھ قرآتوں کو جمع کیا تھا۔ سات قرآتوں کے تین قراء یعنی ابن عامر شامی، ابن کثیر مکی اور عاصم کوفی کا تعلق اموی دور سے تھا۔ اور بقیہ چار قراء یعنی ابو عمرو بصری، حمزہ کوفی، نافع مدنی اور امام کسائی کا زمانہ عمل عباسی دور تھا۔ ابن مجاہد کا فیصلہ نام ابو بکر احمد بن موسی تھا۔ وہ بغداد کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے سب سے پہلے سات قرآتوں کو اپنی کتاب میں مدون کیا۔ ان کی وفات بغداد میں 324ھ / 936ء میں ہوئی۔ ابن مجاہد کی کتاب کو لغوی دلائل سے مضبوط کرنے کے لئے چوتھی صدی کے ایک ماہر زبان ادب ابو علی فارسی (وفات:377ھ / 987ء) نے ایک اور کتاب لکھی، جس کا نام " الحجة في القراءات السبع "" رکھا۔

علم ناسخ و منسوخ: علوم قرآن کی ایک اہم شاخ علم ناسخ و منسوخ ہے، جس میں اس بات سے بحث کی جاتی ہے کہ قرآن مجید کی کون سی آیات منسوخ ہیں، اور کون سی منسوخ نہیں ہیں، نیز آیات کو منسوخ کرنے والی دوسری آیات کون سی ہیں۔ اس علم میں عباسی دور میں ابو عبید قاسم بن سلام (وفات: 224ھ / 838ء) نے لکھی، جس کا نام "الناسخ والمنسوخ فی القرآن العزیز ومافیہ من الفرائض والسنن" تھا۔ چوتھی صدی ہجری میں ایک علم نحو کے امام ابو جعفر نحاس (وفات: 338ھ / 950ء) نے الناسخ المنسوخ کے نام سے ایک مبسوط کتاب لکھی، جس میں سورتوں کی ترتیب پر منسوخ آیات کی تفصیل ذکر کیں۔ عہد عباسی کے ختم ہوتے ہوتے چھٹی صدی ہجری میں اس علم میں ایک اور اہم تصنیف سامنے آئی، جس کا نام " المصفى بأكف أهل الرسوخ من علم الناسخ والمنسوخ "تھا، یہ کتاب مشہور مفسر اور محدث جمال الدین ابو الفرج ابن الجوزی) وفات 597:ھ / 1201ء) کی ہے، جس میں سورتوں کی ترتیب پر ناسخ و منسوخ آیات پر کلام کیا گیا ہے۔

علم غریب القرآن: قرآن مجید کو سمجھنے کے لئے اس کے مفرد الفاظ کو سمجھنا ضروری ہے، اہل عرب اگرچہ عربی زبان جانتے تھے، لیکن قرآن مجید کو سمجھنے میں غلطی سے بچنے کے لئے ان کے علماء نے ایسی کتابیں بھی اہتمام کے ساتھ لکھیں، جن میں قرآن کے مشکل الفاظ کا مفہوم واضح کیا گیا ہے۔ اس علم کو علم غریب القرآن کہا جاتا ہے، غریب کے معنی اجنبی کے ہوتے ہیں۔ عہد عباسی میں اس علم میں بڑی ترقی ہوئی، اور جو تصانیف تیار ہوئیں، وہ آج تک دنیا کے ہر حصے میں قرآن اور تفسیر پر کام کرنے والوں کے لئے رہنمائی کرتی ہیں۔ بلکہ ان سے بے نیاز رہ کر کوئی تفسیر نہیں لکھی جاسکتی۔ عہد عباسی کے آغاز میں اس موضوع پر ابو عبیدہ معمر بن مثنی (208ھ / 823ء) نے مجاز القرآن کے نام سے اہم کتاب تصنیف کی، ان کے بعد تیسری صدی ہجری کے عالم ابن قتیبہ دینوری ہیں، جو کوفہ میں پیدا ہوئے تھے، اور بغداد میں وفات پائی تھی، انہوں نے غریب القرآن کے نام سے ایک کتاب تحریر کی، جس میں ہر سورت کے مشکل الفاظ کے معانی الگ الگ بیان کئے۔ چوتھی صدی ہجری میں اس موضوع پر بغداد کے ایک عالم ابو بکر محمد بن عزیز سجستانی (وفات: 330ھ / 941ء) نے نزہۃ القلوب کے عنوان سے اپنی کتاب تیار کی، جو غریب القرآن کے نام سے مشہور ہوئی۔ انہوں نے اپنی کتاب کو لغت کے طریقہ پر مرتب کیا، حرف تہجی کے اعتبار سے مشکل الفاظ کے معانی لکھے۔ قرآن مجید کے مشکل الفاظ کی تشریح میں سب سے اہم کتاب مشہور عالم امام راغب اصفہانی وفات 50):2ھ / 1108ء) کی سمجھی جاتی ہے، جس کا نام " المفردات في غريب القرآن "ہے۔ یہ کتاب اپنے موضوع پر سند ہے۔

علم اسباب النزول: اسباب نزول بھی قرآن سے وابستہ ایک اہم علم ہے، جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ قرآن کی آیتوں کا پس منظر کیا ہے، اور کون سی آیت کب اور کیوں نازل ہوئی۔ اس علم سے قرآن کو سمجھنے اور تفسیر بیان کرنے میں مدد ملتی ہے، بلکہ احکام قرآنی بیان کرنے کے لئے بھی اس علم سے واقفیت ضروری ہے۔ اس فن کی ایک اہم کتاب امام ابو الحسن علی بن احمد واحدی (وفات: 468ھ / 1076ء) نے لکھی ہے، جس کا نام اسباب النزول ہے۔ یہ کتاب اس فن کی بہت مشہور اور متداول کتاب ہے۔

7.3.2 تفسیر

عہد عباسی میں ابتدائی تفسیری خدمات

دوسری صدی ہجری کے اواخر میں تفسیر کی تدوین کے کام کا آغاز ہو چکا تھا۔ اس دور میں لغت اور عربی قواعد کے حوالہ سے قرآن

مجید کی خدمت کی تفسیریں لکھی گئیں۔ ان کتابوں کے نام غریب القرآن، معانی القرآن، مشکل القرآن اور مجاز القرآن وغیر ہوتے تھے۔ ان میں ابو عبیدہ معمر بن مثنی (وفات:210ھ / 825ء) کی مجاز القرآن اور امام فراء نحوی (207ھ / 822ء) کی معانی القرآن ہمارے سامنے موجود ہیں۔ ان دونوں کتابوں کا بعد کی تفاسیر پر بہت اثر پڑا۔ تیسری صدی ہجری میں قرآن مجید کی تفسیر کو حدیث کی کتابوں میں روایات حدیث کے پہلو بہ پہلو جمع کیا گیا۔ محدثین نے تفسیر کے نام سے اپنی کتابوں میں علیحدہ ابواب قائم کئے۔ امام بخاری (وفات:256ھ) نے اپنی صحیح میں 'کتاب التفسیر' کے نام سے اور امام ترمذی (وفات:275ھ) نے 'ابواب التفسیر' کے نام سے تفسیر ماثور کا ایک معتد بہ حصہ اپنی کتابوں میں جمع کر دیا تھا۔

یہ عباسی دور میں تفسیر کا ابتدائی مرحلہ تھا۔ جس میں علم تفسیر دوسرے علوم کے ساتھ مدون ہو رہا تھا۔

اگلے مرحلہ میں علم تفسیر نے ایک مستقل علم کی حیثیت حاصل کر لی۔ اس میں قرآن مجید کی ہر آیت کی تفسیر لکھی گئی۔ قرآن مجید کی ترتیب کے لحاظ سے ان کو مدون کیا گیا۔ اس دور میں جن علماء نے تفسیر کے ارتقاء میں حصہ لیا، ان میں سے اہم نام یہ ہیں:

1. امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری (وفات:310ھ / 923ء): جامع البیان فی تاویل القرآن
2. امام ابو بکر محمد بن ابراہیم، ابن المنذر نیشاپوری (وفات:319ھ / 391ء): تفسیر القرآن
3. امام عبد الرحمن بن محمد، ابن ابی حاتم (327ھ / 938ء): تفسیر القرآن العظیم

ان تفسیروں میں تفسیری روایات کو سند سے نقل کیا گیا ہے، ان میں رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین کے اقوال کو ہی بیان کیا گیا ہے۔ اس لئے ان تفاسیر کو 'تفسیر ماثور' کے خانہ میں رکھا جاتا ہے۔ ان تمام تفسیروں میں سب سے پہلی مکمل تفسیر جو ہمارے سامنے موجود ہے، وہ امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری (وفات:310ھ) کی 'جامع البیان فی تاویل القرآن' ہے۔ یہ کتاب تفسیری ذخیرہ میں نہایت شاندار کتاب سمجھی جاتی ہے۔ جس سے کوئی بھی مفسر بے نیاز نہیں رہ سکتا۔ اس میں تفسیری روایات کے ساتھ لغت، نحو، صرف، قرآت، فقہ اور دوسرے مسائل کو بھی زیر بحث لائے ہیں۔

چوتھی صدی ہجری کے آخر اور پانچویں صدی ہجری کے اوائل میں مفسرین نے تفسیری روایات کو بیان کرنے میں اختصار سے کام لینا شروع کیا، اور مختصر سندوں کے ساتھ یا اسانید کے بغیر تفسیریں لکھیں۔ سند کو حذف کرنے کا ایک اثر یہ پڑا کہ تفسیر میں من گھڑت روایات داخل ہو گئیں۔ اسی طرح اسرائیلیات بھی تفسیر میں بڑے پیمانے پر شامل ہوئیں۔ مفسرین نے قرآن کی تفسیر میں نقل کردہ ہر قول کو بلا تحقیق لکھ کر تفاسیر میں شامل کر دیا، جس کی وجہ سے تفسیر کی کتابیں ہر قسم کے اقوال کا مجموعہ بن گئیں۔

امام ابو الحسن علی بن محمد، الماوردی (450ھ / 1058ء) کی تفسیر 'النکت و العیون فی تفسیر القرآن' ایک نمونہ کی تفسیر ہے، جس میں سند حذف کرتے ہوئے معتبر تفسیری روایات کو جمع کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح امام حسین بن مسعود بغوی (وفات:510ھ) کی تفسیر بغوی موسوم بہ 'معالم التنزیل' بھی صحیح روایات پر مشتمل تفسیر ماثور کا بہترین نمونہ ہے۔

7.3.3 تفسیر بالرائے

عہد عباسی ہی میں تفسیر کی ایک نئی قسم کا آغاز ہوا، جس کو تفسیر بالرائے کہا جاتا ہے۔ تفسیر بالرائے کا مطلب ہے قرآن مجید کی آیتوں کا مفہوم سمجھنے کے لئے خود سے اجتہاد کرنا، اور اس سلسلہ میں تفسیر ماثور، لغت عرب، عربی ادب اور دوسرے علوم سے مدد لیتے ہوئے تفسیر بیان کرنا۔ عہد عباسی میں تفسیر بالرائے کی جو کتابیں لکھی گئیں، ان میں سب سے مشہور کتاب امام فخر الدین رازی، محمد بن عمر (وفات: 606ھ/1210ء) کی مفاتیح الغیب ہے، اس کو تفسیر کبیر کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ اس کتاب میں امام رازی نے قرآن مجید کی تفسیر کے ساتھ کلامی، فقہی اور فلسفیانہ مباحث کو بھی جگہ دی ہے۔ تفسیر بالرائے کی دوسری اہم کتاب امام عبد اللہ بن عمر بیضاوی (وفات: 691ھ/1292ء) کی 'انوا ر التنزیل واسرار التاویل' ہے۔ ان دونوں تفسیروں کو علماء کے یہاں بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔

7.3.4 موضوعاتی تفسیریں

اسی طرح صوفیہ نے تفسیر اشاری کے نام سے کتابیں لکھیں۔ اس باب میں ابو عبد الرحمن محمد حسین سلمی (وفات: 330ھ) کی تفسیر 'حقائق التفسیر' بہت مشہور ہے۔

ایک اہم تفسیر امام ابو القاسم محمود بن عمر زمخشری (وفات: 538ھ/1143ء) کی ہے، جس کا نام 'الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل و عیون الاقاویل فی وجوہ التاویل' ہے۔ اس کتاب میں قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت پر نہایت عالمانہ کلام کیا گیا ہے۔ اپنے فن پر یہ تفسیر مرجع کا کام دیتی ہے۔ امام زمخشری چوں کہ معتزلی ہیں، اس لئے انہوں نے اس کتاب میں اعتزالی نقطہ نظر سے بھی قرآنی آیات کی تفسیر بیان کی ہے، اس طرح یہ ایک کلامی تفسیر بھی ہے۔

7.4 علوم الحدیث

اسلامی علوم میں قرآن اور تفسیر قرآن کے بعد دوسرا مقام حدیث اور علوم حدیث کا ہے۔ حدیث رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کرکے جو بات کہی جائے اس کو حدیث کہتے ہیں۔ عہد عباسی میں تدوین حدیث کو تین عناوین کے تحت بیان کیا جاسکتا ہے۔ 1۔ روایت حدیث و تدوین حدیث، 2۔ تدوین اصول حدیث، 3۔ علم جرح و تعدیل اور اسماء الرجال۔

7.4.1 روایت حدیث و تدوین حدیث

روایت حدیث سے مراد وہ عظیم الشان علمی سلسلہ ہے، جو پورے عالم اسلام میں حدیث کی زبانی روایت کی شکل میں پھیلا ہوا تھا۔ علمائے حدیث نے علم حدیث حاصل کرنے کے لئے دور دراز کے سفر کئے، ان کی اسفار کے حالات پڑھ کر تعجب ہوتا ہے، وہ پیدل اور سواری پر ملکوں نہیں، براعظموں کو طے کرتے، صحراء، سمندر اور پہاڑ ان کی ہمت کے آگے رائی کی حیثیت نہیں رکھتے تھے۔ وہ ایک ایک حدیث حاصل کرنے کے لئے ایک ایک مہینہ کا سفر کرتے۔ انہوں نے ہر قسم کی مشقتیں برداشت کرکے اپنے سینوں میں حدیث کی اسانید اور متون کو محفوظ کیا۔ اور ان کو بعد والوں تک منتقل کیا۔ ان کی قوت یادداشت کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے، ہزاروں نہیں لاکھوں حدیثیں ان کو

ازبر تھیں، سیکڑوں واقعات ان کے حیرت انگیز حفظ کی شہادت دیتے ہیں۔ دنیا کی تاریخ میں کسی علم کو محفوظ رکھنے کی کوئی دوسری ایسی مثال نہیں ہے۔ اور نہ ہی کسی علم کو زبانی یاد رکھنے اور مدون کرنے کے لئے اتنی کوششیں کی گئیں۔

تدوین حدیث سے مراد حدیث کی اسانید اور متون کو تحریری شکل میں محفوظ کرنا ہے۔ حدیث کی تحریر کا سلسلہ تو عہد رسالت میں شروع ہو چکا تھا۔ اموی دور میں حدیث کی کتابت کا بڑے پیمانہ پر آغاز ہو چکا تھا۔ عباسی دور یعنی دوسری صدی ہجری کے اواخر اور تیسری صدی میں کے زمانہ میں حدیث کے مواد کو موضوعاتی ترتیب پر جمع کیا گیا۔ تیسری صدی ہجری تدوین حدیث کا سب سے زریں دور ہے۔ اس دور میں لکھی جانے والی حدیث کی ابتدائی کتابوں کو 'مصنَّف'، 'سُنن'، 'مُوَطا' اور 'جامع' کا نام دیا گیا۔ اس دور میں جن علمائے حدیث نے حدیث کی روایت اور تدوین کی طرف بھرپور توجہ دی ان میں معمر بن راشد یمنی (152ھ /770ء)، امام مالک بن انس (179ھ /795ء)، امام ابو داود طیالسی (204ھ /819ء)، امام عبد الرزاق صنعانی (211ھ /827ء)، امام سعید بن منصور (227ھ /842ء) اور امام ابن ابی شیبہ (235ھ /850ء) شامل ہیں۔ امام مالک نے فقہی موضوعات پر صحیح احادیث کو مدون کرنے کی بنیاد رکھی۔ امام عبد الرزاق نے اپنی مصنف میں تقریبا بیس ہزار حدیث کے متون جمع کئے، اور ابن ابی شیبہ نے تقریبا اڑ تیس ہزار متون جمع کئے۔ اس دور میں سب سے اہم کام امام احمد بن حنبل (241ھ /855ء) کا ہے، جنہوں نے مرفوع حدیثوں پر توجہ مرکوز کی، اور ستائیس ہزار حدیثیں اپنی مسند میں جمع کیں۔

کتب ستہ: تیسری صدی ہجری کے ختم ہوتے ہوتے حدیث کی وہ چھ مشہور کتابیں مدون ہو چکی تھیں، جن کو امت مسلمہ میں سب سے زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی، ان کو 'صحاح ستہ' بھی کہا جاتا ہے، جو درج ذیل ہیں:

1. الجامع الصحیح: از امام محمد بن اسماعیل بخاری (متوفی 256ھ /871ء)
2. صحیح مسلم: از مسلم بن حجاج نیشاپوری (متوفی 261ھ /875ء)
3. سنن ابی داؤد: از ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی (275ھ /889ء)
4. جامع ترمذی: از ابو عیسی محمد بن عیسی ترمذی (279ھ /892ء)
5. سنن نسائی: از احمد بن شعیب نسائی (متوفی 303ھ /915ء)
6. سنن ابن ماجہ: از محمد بن یزید، ابن ماجہ (273ھ /887ء)

ان چھ کتابوں کی خصوصیت یہ ہے کہ ان میں صرف رسول اللہ ﷺ کی مرفوع احادیث کو جگہ دی گئی، جب کہ ان سے پہلے لکھی ہوئی کتابوں میں صحابہ اور تابعین کے اقوال کو بھی جمع کر دیا جاتا تھا۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ ان میں صحیح احادیث کی بڑی تعداد ایک جگہ محفوظ کر دی گئی۔ جو پہلے کہیں اور اس طرح جمع نہیں کی گئی تھیں۔ ان میں موضوعاتی ترتیب بھی عمدہ رکھی گئی، ان سے استفادہ کرنا آسان تھا۔ ان چھ کتابوں میں احکام کی اکثر حدیثیں جمع ہیں۔ نیز ان کتابوں کی احادیث کے معتبر ہونے پر علماء کا ہر دور میں اتفاق رہا ہے۔ ان وجوہات کی وجہ سے حدیث دیگر تصانیف کے مقابلہ ان چھ کتابوں سے سب سے زیادہ فائدہ اٹھایا گیا۔

چوتھی اور پانچویں صدی ہجری میں بھی تدوین حدیث کا سلسلہ جاری رہا، اور تیسری صدی ہجری کے طرز پر صحیح اور سنن کے نام سے کتابیں تصنیف ہوئیں، اس دور میں مستخرج، مستدرک اور معجم کے نام سے حدیث کی نئی کتابیں بھی لکھی گئیں۔ اس دور کے اہم محدثین میں امام ابن خزیمہ (وفات: 311ھ / 923ء)، امام ابن حبان (354ھ / 965ء)، امام طبرانی (وفات: 360ھ / 971ء)، حاکم نیشاپوری (405ھ / 1015ء) اور امام بیہقی (458ھ / 1066ء) شامل ہیں۔

پانچویں صدی ہجری کے اختتام تک روایت حدیث کا تقریباً پورا ذخیرہ مدون ہو چکا تھا۔ یعنی عباسی عہد کے خاتمہ سے پہلے محدثین نے بحث و تحقیق کے بعد حدیث کی روایات کو تحریری طور پر مدون کر دیا تھا۔

7.4.2 تدوین اصول حدیث

عہد عباسی میں علم حدیث کی خدمت کا ایک اہم میدان اصول حدیث کی تدوین کا ہے۔ دوسری صدی ہجری تک حدیث کو روایت کرنے کے اصول اور ضابطوں پر گفتگو شروع ہو چکی تھی، کیوں کہ اسی دور میں حدیث کی روایت میں وضع حدیث کا فتنہ سر اٹھا رہا تھا، اور مختلف مقاصد رکھنے والے فرقے اپنے اپنے فائدہ کے لئے حدیثیں بیان کر رہے تھے۔ اس لئے محدثین نے حدیث کی روایت کرنے کے قواعد وضوابط مقرر کرنا شروع کئے۔ صحیح حدیث کی شرطیں بیان کیں، سند میں اگر راوی چھوٹ جائے، تو اس حدیث کی حیثیت پر الگ سے کلام کیا۔ روایوں کے اعتبار سے حدیث کی درجہ بندی کی۔ اس طرح اصول حدیث کا فن وجود میں آیا۔ اس سلسلہ کی پہلی کتاب جو ہمارے سامنے موجود ہے، وہ امام شافعی محمد بن ادریس (وفات: 204ھ / 819ء) کی الرسالہ ہے۔ انہوں نے عباسی قلمرو کے طول و عرض میں اسفار کئے، اور علم حاصل کیا، اور علم کی اشاعت کی۔ امام شافعی نے الرسالہ میں اصول حدیث کی ابتدائی بحثیں مرتب کیں۔ انہوں نے صحیح حدیث کی شرطیں بیان کیں، منقطع اور مرسل حدیث کی تعریف کی، تدلیس کا حکم بیان کیا۔ الرسالہ میں اصول حدیث کا ابتدائی مواد پایا جاتا ہے۔

اصول حدیث کی پہلی باضابطہ کتاب امام ابو محمد رامہرمزی (360ھ / 970ء) کی 'المحدث الفاصل بین الراوی والواعی' سمجھی جاتی ہے۔ ان کے بعد ابو عبد اللہ حاکم نیشاپوری کی "معرفۃ علوم الحدیث" ایک اہم کتاب ہے۔ اصول حدیث کی پہلی باضابطہ تصانیف پانچویں صدی ہجری کے مشہور محدث خطیب بغدادی (463ھ / 1072ء) کی کتابیں ہیں، انہوں نے اصول حدیث کے مباحث پر الگ الگ کتابیں لکھیں، اور روایت حدیث کے اصول قوانین پر اپنی مشہور کتاب 'الکفایۃ فی علم الروایہ' لکھی۔ اصول حدیث پر سب سے مشہور کتاب امام ابن صلاح (وفات: 643ھ / 1245ء) کی "معرفۃ انواع علوم الحدیث" عہد عباسی کے آخر میں بغداد میں لکھی گئی۔ اس کتاب کی شہرت 'مقدمہ ابن صلاح' کے نام سے ہوئی۔ اس کتاب میں علوم حدیث کو عمدہ طریقہ سے جمع کر دیا گیا ہے۔ ہر اصول کی وضاحت کی ہے، انواع حدیث کی تعریف، ان کی قسمیں اور ان کی مثالیں بیان کی ہیں۔ یہ کتاب بعد میں آنے والوں کے مرجع کی حیثیت رکھتی ہے، اور آج بھی اس کی عظمت برقرار ہے۔

7.4.3 علم جرح وتعدیل اور اسماء الرجال

علم جرح وتعدیل سے مراد وہ علم ہے، جس میں حدیث بیان کرنے والے راویوں کے بیان پر حکم لگایا جاتا ہے، اور بتایا جاتا ہے کہ

ان میں سے کون روای روایت حدیث کی شرطوں کو پورا کرتا ہے، اور کون راوی پورا نہیں کرتا۔ ان حالات کو جاننے کے لئے اس کے ساتھ دوسرا فن وجود میں آیا، جس کو اسماء الرجال کہتے ہیں، اسماء الرجال سے مراد وہ علم ہے، جس میں راویان حدیث کے حالات جمع کئے جاتے ہیں۔ اس علم کی جمع وتدوین کے ذریعہ امت مسلمہ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ صرف ایک ذات رسالت مآب یعنی رسول اللہ ﷺ کے احوال وآثار کو محفوظ رکھنے کے لئے بقول ایک مستشرق تقریبا پانچ لاکھ راویوں کی زندگی کے حالات محفوظ رکھے گئے۔ حدیث کے ناقدین نے اس علم کو روایت حدیث کے کھرے اور کھوٹے کی کسوٹی بنادیا، روای کی پیدائش سے لیکر وفات تک کے حالات، اخلاق وعادات، اساتذہ اور شاگردوں کی تفصیلات اور ان کے مراتب بیان کئے۔ تاکہ رسول اللہ ﷺ کی حدیثوں کی سند کی ہر مرحلہ پر جانچ اور پرکھ کی جاسکے، اور سچ کو جھوٹ سے الگ کرنا ممکن ہو۔

علم جرح وتعدیل اور اسماء الرجال کی اہم کتابیں تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں مدون ہوئیں۔ اہم کتابوں میں امام بخاری کی التاریخ الکبیر، ابن ابی حاتم رازی (327ھ / 938ء) کی الجرح والتعدیل اہم کتابیں شمار ہوتی ہیں۔ اس فن میں ثقہ رایوں اور ضعیف راویوں کے حالات الگ الگ کتابوں میں جمع کئے گئے۔ مثلا حافظ ابن حبان نے 'الثقات' اور 'المجروحین' کے نام سے کتابیں لکھیں۔ اسی طرح کسی ایک کتاب کے روایت کرنے والوں کے حالات میں بھی علیحدہ علیحدہ کتابیں لکھی گئیں۔ حافظ عبد الغنی مقدسی (وفات:600ھ / 1203ء) نے الکمال فی اسماء الرجال کے نام سے ایک کتاب میں کتب ستہ کے تمام راویوں کے حالات جمع کر دئے۔

7.5 علم فقہ

قرآن مجید اور حدیث شریف سے زندگی کے مسائل کے بارے میں جو ہدایات مستنبط کی جاتی ہیں، ان کو 'علم فقہ' کے نام سے جانا جاتا ہے۔ زندگی کے مسائل بے شمار ہیں، ہر مسئلہ میں براہ راست رہنمائی ان دونوں مصادر میں نہیں پائی جاتی، اس لئے مختلف مسائل کا حل نکالنے کے لئے ایک طریقہ کار بنایا گیا، اس طریقہ کار کو 'اصول فقہ' کے نام سے جانا جاتا ہے۔ عباسی دور میں فقہ اور اصول فقہ دونوں میدانوں میں خدمات انجام دی گئیں، اور ان علوم کو ترقی دی گئی۔

7.5.1 علم فقہ کی تدوین

فقہ اسلامی کے ارتقاء کی تاریخ میں عباسی دور کی ابتدا سے انتہا تک کے زمانہ کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ اس دور کو فقہ اسلامی کی تاریخ کا سنہرا دور کہا جاتا ہے۔ اس دور میں فقہی علوم کو کمال حاصل ہوا۔ فقہ اسلامی کے پہلے مصدر یعنی قرآن مجید کی تدوین تو پہلی صدی میں ہو چکی تھی، لیکن علوم القرآن کی تدوین عباسی دور میں ہوئی، اسی طرح فقہ کے دوسرے مصدر یعنی حدیث کی تدوین کا زیادہ تر کام اسی دور میں انجام پایا، ان دونوں مصادر یعنی قرآن وحدیث کی تدوین سے فقہ کی تدوین میں مدد حاصل ہوئی۔ اس دور میں فقہی اصطلاحات کا ظہور ہوا، فقہاء نے فرض، واجب، سنت، مباح، مکروہ اور حرام جیسے الفاظ استعمال کرکے فقہی احکام کی درجہ بندی کی۔ ہر مسلک کی فقہی اصطلاحات کا دوسرے مسلک کے مقابلہ کچھ الگ مفہوم تھا۔ پیش آمدہ مسائل کے حل کے ساتھ عہد عباسی میں ایک اہم کام یہ ہوا کہ آئندہ پیش آنے

والے ممکنہ مسائل فرض کرکے ان کے احکام معلوم کئے گئے۔ اس سے فقہ اسلامی کے ذخیرہ میں بیش بہا اضافہ ہوا۔

عہد عباسی کے سماج کے فقہی تقاضے

عہد عباسی کے سماج کے فقہی تقاضے ابتدائی مسلم سماج کے تقاضوں سے الگ تھے، اس دور میں مسلم معاشرت کے مسائل پیچیدہ ہوگئے تھے۔ تجارت کی نئی نئی شکلیں سامنے آرہی تھیں، فارسی، رومی، مصری، ہندی اور دوسری قوموں کے اسلام میں داخل ہونے کی وجہ سے نت نئے مسائل جنم لے رہے تھے۔ وسیع و عریض عباسی حکومت میں تہذیب وتمدن کے تقاضے بھی وسیع تھے۔ علمائے اسلام اور فقہائے عظام نے ان تمام مسائل کا حل قرآن مجید اور حدیث شریف کی روشنی میں پیش کیا۔ اس طرز عمل میں مختلف مسالک وجود میں آئے، جنہوں نے اپنے اپنے اعتبار سے مسائل حل کرنے کے لئے مناہج مقرر کئے، یہی مناہج آگے چل کر مسالک کی بنیاد بنے۔

فقہی مسالک کی تشکیل

دوسری صدی کے اواخر اور تیسری صدی ہجری میں عالم اسلام کے الگ الگ مقامات پر ائمہ مجتہدین فقہی خدمات انجام دے رہے تھے، ان میں چار ائمہ کو مختلف اسباب کی بناء پر مرکزیت اور مرجعیت حاصل ہوئی، اور ان کے قائم کئے گئے مسالک آج تک عالم اسلام میں پائے جاتے ہیں۔

حنفی مسلک: یہ مسلک امام ابو حنیفہ کی طرف منسوب ہے، آپ کا نام نعمان بن ثابت (وفات:150ھ/767ء) تھا۔ یہ مسلک کوفہ میں پیدا ہوا۔ پھر بغداد میں اس کی پرورش ہوئی۔ پھر یہ مسلک مصر، شام، برصغیر ہند وپاک، ترکی، وسط ایشیا، چین اور افغانستان کے علاقوں میں پھیل گیا۔ عباسی دور میں اس مسلک کے فروغ کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ہارون رشید کے دور میں عباسی خلافت کے قاضی القضاۃ امام ابو یوسف (182ھ/798ء) تھے، جو امام ابو حنیفہ کے شاگرد تھے۔ حنفی مسلک کی بنیاد امام ابو حنیفہ نے رکھی، آپ کے دو شاگردوں امام ابو یوسف اور امام محمد بن حسن شیبانی (189ھ/804ء) نے اس کے فروغ میں سب سے زیادہ حصہ لیا۔ امام محمد نے فقہ حنفی کے مسائل چھ کتابوں میں جمع کئے، جن کو کتب ظاہر الروایہ کہتے ہیں۔ ان کتابوں کے نام یہ ہیں: ۱۔ کتاب المبسوط، ۲۔ کتاب الجامع الصغیر، ۳۔ کتاب الجامع الکبیر، ۴۔ کتاب السیر الصغیر، ۵۔ کتاب السیر الکبیر، ۶۔ کتاب الزیادات۔ بعد کے ادوار میں مزید کتابیں لکھی گئیں، جن میں امام حاکم شہید (334ھ) کی الکافی فی فروع الفقہ الحنفی، امام قدوری (428ھ/1037ء) کی مختصر القدوری، امام علاء الدین کاسانی (587ھ/1191ء) کی بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع اور امام برہان الدین مرغینانی (593ھ/1197ء) کی کتاب الہدایہ بہت مشہور ہوئیں۔

مالکی مسلک: مالکی مسلک کی بنیاد امام مالک بن انس ﷺ (وفات:179ھ/795ء) نے رکھی۔ اس مذہب کا آغاز مدینہ منورہ میں ہوا۔ پھر امام مالک کے شاگردوں نے اس کو عالم اسلام کے دوسرے حصوں میں فروغ دیا۔ یہ مسلک شمالی افریقہ، مصر، تونس، مراکش اور اندلس میں پھیلا۔ امام مالک کے شاگردوں میں عبد اللہ بن وہب، عبد الرحمن بن قاسم، اشہب عامری، اسد بن فرات اور عبد الملک بن الماجشون اہم ہیں۔ اس مسلک کی اہم کتابوں میں خود امام مالک کی لکھی ہوئی کتاب موطا ہے، آپ کی ایک اور کتاب المدونہ بھی ہے، جس کی جمع اور ترتیب

کا کام عبد السلام سحنون (240ھ / 854ء) نے کیا ہے۔ اس کے علاوہ فقہ مالکی میں ابن ابی زید قیروانی (386ھ / 996ء) کا 'الرسالۃ' اور قاضی عبد الوہاب مالکی (422ھ / 1031ء) کی 'التلقین فی الفقہ المالکی' مشہور کتابیں ہیں، جو عہد عباسی میں لکھی گئیں۔ فقہ مالکی چوں کہ اندلس میں زیادہ پھلی پھولی، اس لئے اس فن کی اکثر کتابیں اندلس میں لکھی گئیں۔ جو عباسی قلمرو سے باہر کا علاقہ تھا۔

شافعی مسلک: اس مسلک کی بنیاد امام محمد بن ادریس شافعی نے رکھی۔ ان کی زندگی ہی میں یہ مسلک حجاز، عراق اور مصر میں شائع ہو چکا تھا۔ آج اس مسلک کو ماننے والے یمن، فلسطین، آرمینیہ، ایران، سری لنکا، انڈونیشیا، ملیشیا، فلپائن اور ہندوستان کے ساحلی علاقوں میں موجود ہیں۔ امام شافعی کے شاگردوں میں اسماعیل مزنی، ابو یعقوب بویطی اور ربیع بن سلیمان مرادی ہیں۔ اس مسلک کی کتابوں میں خود بانیٔ مسلک کی کتاب الام، کتاب الحجہ اور کتاب الرسالہ موجود ہیں۔ ان کے علاوہ امام ابو اسحاق شیرازی (476ھ / 1083ء) کی کتاب 'المہذب فی فقہ الامام الشافعی، امام غزالی (505ھ / 1111ء) کی دو کتابیں البسیط اور الوجیز مشہور ہیں، ان میں سے دوسری کتاب کی شرح امام عبد الکریم رافعی نے 'فتح العزیز بشرح الوجیز' کے نام سے لکھی ہے۔ فقہ شافعی پر امام محی الدین یحیی بن شرف نووی (676ھ / 1278ء) اونچے درجہ کے فقیہ اور عالم شمار ہوتے ہیں، انہوں نے فقہ شافعی کو اپنی تصانیف سے مالا مال کیا، ان کی کتابوں میں ایک 'المجموع شرح المہذب' ہے، جو امام شیرازی کی کتاب کی شرح ہے۔ ایک اور کتاب 'منہاج الطالبین و عمدۃ المفتین فی الفقہ' کے نام سے ہے۔

حنبلی مسلک: اس مسلک کی بنیاد امام احمد بن حنبل (241ھ / 855ء) نے رکھی۔ سب سے پہلے یہ مسلک بغداد میں پھیلا، پھر اس کے ماننے والے مصر، حجاز، نجد، فلسطین اور شام کے علاقوں میں عام ہوا۔ امام احمد کے جن شاگردوں نے حنبلی مسلک کی خدمت کی، ان میں ان کے دونوں صاحبزادے صالح بن احمد بن حنبل اور عبد اللہ بن احمد بن حنبل، ان کے شاگرد ابو بکر الاثرم، عبد الملک المیمونی اور ابراہیم بن اسحاق حری شامل ہیں۔ اس مذہب کے بانی نے فقہ حنبلی کی کوئی کتاب نہیں لکھی۔ لیکن ان کی فقہی آراء کو تفصیل سے مدون کیا گیا۔ اس مسلک کی نمائندہ کتابوں میں امام ابو بکر خلال کی کتاب الجامع الکبیر، امام خرقی (334ھ / 945ء) کی مختصر الخرقی، امام ابو یعلی فراء (458ھ / 1066ء) کی شرح مختصر الخرقی، امام ابن قدامہ مقدسی (620ھ / 1223ء) کی تین کتابیں: کتاب المقنع، کتاب العمدہ اور کتاب المغنی شامل ہیں۔

7.5.2 اصول فقہ کی تدوین

علم فقہ کی تدوین و تشکیل کے ساتھ ساتھ اصول فقہ کی تدوین کا عمل بھی شروع ہوا۔ اصول فقہ میں فقہی مسائل کے دلائل اور ان کے استنباط کے منہج سے گفتگو ہوتی تھی۔ اصول فقہ میں سب سے پہلی کتاب جو ہمارے سامنے ہے، وہ امام شافعیؒ کی 'الرسالہ' ہے۔ انہوں نے یہ کتاب عبد الرحمن بن مہدی کے سوال کے جواب میں تحریر کی تھی۔

امام شافعی کے بعد اس فن میں تصنیف و تالیف کا سلسلہ چل پڑا۔ اور اصول فقہ کو تین طریقوں کے مطابق مدون کیا گیا۔

پہلا طریقہ شافعی فقہاء کا تھا، اس طریقہ کو اصولیین کا طریقہ بھی کہا جاتا ہے۔ اس طریقہ میں اصول فقہ کے قواعد و ضوابط کو حجت اور برہان کی بنیاد پر مدون کیا گیا۔ شریعت میں جس اصول کی دلیل ملتی، اور عقل سے اس کی تائید ہوتی، اس کو اصول مان لیا جاتا، چاہے فروع

میں وہ اصول کار فرما ہو، یا نہ ہو۔ اس طریقہ کے مطابق امام ابو المعالی عبد الملک جوینی (478ھ / 1085ء) نے 'کتاب البرھان' تصنیف کی، اور امام غزالی نے 'کتاب المستصفی' لکھی۔

دوسرا طریقہ حنفی فقہاء کا تھا، اس طریقہ میں علماء نے اپنے ائمہ مجتہدین کے اجتہادی مسائل کو سامنے رکھ کر ان سے اصول کا استنباط کیا۔ اس طریقہ میں فروع کو اصول بنانے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ اس طریقہ کے مطابق امام ابو بکر جصاص رازی (370ھ / 980ء) نے 'کتاب الاصول' لکھی، ابو زید دبوسی (430ھ / 1039ء) نے 'تقویم الادلہ' لکھی، فخر الاسلام ابو الحسن بزدوی (482ھ / 1089ء) نے 'کتاب الاصول' تصنیف کی۔

تیسرا طریقہ ان دونوں طریقوں کو ایک جگہ جمع کرنے کا تھا۔ اس طریقہ میں اصول فقہ کا ایک تیسرا منہج تشکیل دیا گیا، اس منہج میں پہلے تو دلائل سے قواعد وضوابط کو مستنبط کیا گیا، پھر ان کو فروع پر جاری کیا گیا۔ اس طریقہ کے مطابق امام ابن العربی نے 'المحصول' لکھی، جو اگرچہ اندلس کے رہنے والے تھے، لیکن انہوں نے علمائے مشرق مثلاً امام غزالی وغیرہ سے علم حاصل کیا تھا۔

7.6 کلیدی الفاظ

جلی عنوان	واضح اور اہم عنوان
عہد زریں	سنہرا دور
قلمرو	حکومت کا علاقہ
ناسخ آیت	حکم ختم کرنے والی آیت
منسوخ آیت	وہ آیت جس کا حکم ختم کیا گیا ہو۔
غریب القرآن	قرآن مجید کے مشکل الفاظ
سند ہونا	قابل اعتبار ہونا اور مرجع بننا
متداول	استعمال میں رہنے والی
معتدبہ حصہ	بڑا حصہ، زیادہ حصہ
متون	متن کی جمع: روایت کے الفاظ، حدیث کے الفاظ، نصوص

7.7 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- نقلی علوم سے مراد قرآن اور علوم قرآن، حدیث اور علوم حدیث اور فقہ اور اصول فقہ ہیں۔ عباسی خلافت کا تقریباً پانچ سو سال پر محیط زمانہ ان علوم کی ترقی کا سنہرا دور ہے۔
- علوم القرآن پر عہد عباسی کے آغاز میں الگ الگ موضوعات پر کتابیں لکھی گئیں، جن میں علم قرآت، علم ناسخ و منسوخ، علم غریب القرآن اور علم اسباب النزول خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ عباسی خلافت کے اخیر میں علوم القرآن کے مختلف عناوین پر جامع کتاب ابن جوزی کی فنون الافنان لکھی جاچکی تھی۔
- عباسی خلافت کے آغاز میں قرآن مجید کی تفسیر کو حدیث کی کتابوں میں جمع کیا گیا۔ مثلاً امام بخاری نے صحیح بخاری میں کتاب التفسیر کے نام سے ایک باب میں تفسیری روایات جمع کیں۔ اس کے بعد قرآن مجید کی تفسیر پر مستقل کتابیں لکھی گئیں۔ جن میں تفسیر طبری، تفسیر ابن المنذر اور تفسیر ابن حاتم اہم تفسیریں ہیں۔ یہ کتابیں تفسیر ماثور کی مثالیں ہیں۔ جن میں قرآن کی تشریحات کو سند کے ساتھ بیان کیا جاتا تھا۔ عباسی دور میں ہی تفسیر بالرائے کا بھی آغاز ہوا، اس منہج کی اہم تفسیر امام فخر الدین رازی کی مفاتیح الغیب ہے، جس کو تفسیر کبیر کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔
- عہد عباسی میں موضوعاتی تفسیریں بھی لکھی گئیں۔ قرآن مجید کے فقہی احکامات، صوفیانہ اشارات اور بلاغت قرآنی کے موضوع پر تفسیریں تیار کی گئیں۔
- حدیث شریف کے حوالہ سے عہد عباسی میں اہم خدمات انجام دی گئیں، محدثین نے پورے عالم اسلام میں حدیث کی زبانی روایت کا سلسلہ جاری رکھا، اور اس کو ترقی دی۔ تدوین حدیث کا سب سے اہم کام عہد عباسی میں انجام پایا، مصنف، سنن، موطا اور جامع کے ناموں سے کتابیں لکھی گئیں۔ تیسری صدی ہجری میں 'مسند احمد' اور 'کتب ستہ' کی تدوین سے مرفوع احادیث کا بڑا حصہ تحریر میں آگیا۔ چوتھی صدی ہجری میں گذشتہ قسموں کے ساتھ معجم، مستدرک اور مستخرج کے ناموں سے کتب حدیث کی نئی قسمیں بھی سامنے آئیں۔ پانچویں صدی تک حدیث کا پورا ذخیرہ ضبط تحریر میں آچکا تھا۔
- اصول حدیث پر پہلی تحریریں امام شافعی کی الرسالہ میں ملتی ہیں، اس کے بعد اصول حدیث پر متعدد کتابیں سامنے آئیں، عہد عباسی کے اخیر میں ابن صلاح کی مقدمہ ابن صلاح اصول حدیث پر ایک مفصل اور مثالی کتاب سمجھی جاتی ہے۔
- عہد عباسی میں علم جرح وتعدیل اور اسماء الرجال پر بھی اہم کتابیں لکھی گئیں، جس سے راویوں کے حالات زندگی اور روایت حدیث میں ان کے مقام کے تعین میں آسانی ہوئی۔ امام بخاری کی التاریخ الکبیر اور حافظ عبد الغنی نابلسی کی الکمال فی اسماء الرجال اس فن کی اہم کتابیں ہیں۔

- علم فقہ کے حوالہ سے بھی عباسی خلافت کا زمانہ بہت اہمیت رکھتا ہے۔ اس دور میں متعدد فقہی مسالک کی تشکیل ہوئی، جن میں سے چار فقہی مسالک حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی کو دوام حاصل ہوا۔ ہر مسلک کے ائمہ اور ان کے شاگردوں نے فقہی تصنیفات سے اس علم کو مالامال کیا۔
- عہد عباسی میں اصول فقہ پر تین طریقوں سے کتابیں لکھی گئیں، پہلے طریقہ میں اصول مدون کرکے فروع پر ان کو لاگو کیا گیا، دوسرے طریقہ میں فروعی مسائل سے اصول منضبط کئے گئے، اور تیسرے طریقہ میں دونوں طریقوں کو جمع کیا گیا۔

7.8 نمونہ امتحانی سوالات

7.8.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. اصول حدیث پر امام شافعی کی کتاب۔۔۔۔۔۔۔۔ اہم تصنیف ہے۔
2. فقہ مالکی پر خود امام مالک نے۔۔۔۔۔۔۔ نامی کتاب لکھی؟
3. امام احمد نے فقہ حنبلی پر کون سی کتاب تحریر کی؟

(a). الرسالہ (b). التلقین (c). المسند (d). کوئی نہیں

4. اصول فقہ میں امام غزالی کی کتاب کا نام کیا ہے؟

(a). البرھان (b). المجموع (c). المستصفی (d). الاصول

5. عہد عباسی میں تفسیر بالرائے کے موضوع پر لکھی جانے والی اہم تفسیر کا نام کیا ہے؟

(a). تفسیر ابن ابی حاتم (b). تفسیر جلالین (c). در منثور (d). مفاتیح الغیب

6. عہد عباسی میں تفسیر ماثور کے موضوع پر بغیر سند کے لکھی جانے والے کتاب کون سی ہے؟

(a). النکت والعیون (b). تفسیر بغوی (c). گذشتہ دونوں (d). تفسیر طبری

7. علم جرح وتعدیل پر امام بخاری کی کتاب کا نام کیا ہے؟

(a). التاریخ الکبیر (b). الجرح والتعدیل (c). الثقات (d). المجروحین

8. اسباب النزول کے موضوع پر عہد عباسی میں کون سی اہم کتاب لکھی گئی؟

(a). مجاز القرآن (b). غریب القرآن (c). اسباب النزول (d). معانی القرآن

9. فقہ حنفی کی مشہور چھ کتابیں جن کو ظاہر الروایہ کہا جاتا ہے، کس نے لکھیں؟

(a). امام ابو حنیفہ (b). امام ابو یوسف (c). امام محمد (d). امام علاء الدین کاسانی

10. امام ابن جوزی نے علوم القرآن کے موضوع پر کونسی کتاب لکھی تھی؟

(a). فنون الافنان (b). الاتقان (c). البرھان (d). زاد المسیر

7.8.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. عہد عباسی میں علم تفسیر کے میدان میں اہم خدمات پر نوٹ لکھیے۔
2. تیسری صدی ہجری میں حدیث کی تدوین کا جائزہ لیجیے۔
3. عباسی دور میں اصول حدیث کی صورتحال پر گفتگو کیجیے۔
4. عہد عباسی میں اصول فقہ کے میدان میں اہم خدمات پر جامع نوٹ لکھیے۔
5. علم جرح وتعدیل اور اسماء الرجال سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟ عہد عباسی میں اس فن کی اہم تصانیف پر روشنی ڈالیے۔

7.8.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. عہد عباسی میں علوم القرآن کے ارتقاء پر مضمون لکھیے۔
2. حدیث اور اصول حدیث کی تدوین کے زریں دور پر مفصل روشنی ڈالیے۔
3. عہد عباسی میں فقہی مسالک کے عروج وارتقاء کا جائزہ لیجیے۔

7.9 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. تاریخ افکار وعلوم اسلامی : راغب طباخ، ترجمہ: افتخار احمد بلخی
2. فقہ اسلامی- تدوین تعارف : خالد سیف اللہ رحمانی
3. فقہ اسلامی- تدوین وتعارف : محمد فہیم اختر ندوی
4. محاضرات حدیث، محاضرات قرآنی : محمود احمد غازی
5. خطبات بہاولپور : محمد حمید اللہ

اکائی 8: عباسی دور میں عقلی علوم کا ارتقا

اکائی کے اجزا:

8.0 تمہید

8.1 مقاصد

8.2 عقلی علوم کے ارتقا کے اسباب

8.3 ترجمے کی تحریک اور اس کے اثرات

8.4 عقلی علوم کا ارتقا

8.4.1 طب (Medicine)

8.4.2 فلکیات (Astronomy)

8.4.3 فلسفہ (Philosophy)

8.4.4 جغرافیہ اور طبیعات (Geography and Physics)

8.4.5 ریاضی و کیمیا

8.4.6 بعض دیگر علوم

8.5 فنون لطیفہ

8.5.1 تعمیر

8.5.2 مصوری و خطاطی اور موسیقی

8.6 اکتسابی نتائج

8.7 نمونہ امتحانی سوالات

8.7.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

8.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

8.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

8.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

8.0 تمہید

اس اکائی میں عہد عباسی میں عقلی علوم کے ارتقاء پر روشنی ڈالی جائے گی اور یہ بتایا جائے گا کہ عقلی علوم وفنون کی کن مختلف شاخوں میں اس عہد میں اضافے اور ترقیات ہوئیں۔ ان علوم کی تدوین اور ترقی میں عباسی حکم رانوں کی سرپرستی اور نوازشات کو بھی بنیادی اہمیت حاصل رہی ہے۔ اس پر بھی گفتگو کی جائے گی۔

8.1 مقاصد

اس اکائی کو پڑھنے کے بعد طلبہ اس حقیقت سے واقف ہوسکیں گے کہ عقلی علوم وفنون کے تعلق سے دور عباسی کی خصوصیات کیا ہیں؟ وہ اسباب ومحرکات کیا تھے جن کی وجہ سے عقلی علوم کو اس عہد میں پروان چڑھنے کا موقع ملا۔ اسی کے ساتھ طلبہ تفصیل کے ساتھ یہ جان سکیں گے کہ وہ کون سے عقلی علوم ہیں جنہیں اس عہد میں ترقی حاصل ہوئی اوران کے کیا اثرات ونتائج سامنے آئے۔

8.2 عقلی علوم کے ارتقا کے اسباب

عباسی دور میں عقلی علوم کے ارتقاء اور پھیلاؤ کے متعدد اسباب ومحرکات کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ خود قرآن وحدیث میں دینی اور غیر دینی علوم میں فرق نہیں کیا گیا تھا۔ قرآن میں علم کے حصول پر یہ کہہ کر ترغیب دی گئی کہ: اقرأباسم ربک الذی خلق۔ ''تم اپنے رب کے نام سے علم حاصل کرو جس نے تم کو پیدا کیا ہے۔ (سورہ العلق:1) اسی طرح حدیث میں یہ ترغیب دی گئی کہ: ''تم علم حاصل کرو خواہ تم کو اس کے لیے چین کا سفر کرنا پڑے''۔ (بیہقی) اس کے خصوصی اثرات مسلم ذہنوں پر مرتب ہوئے۔ مسلمانوں کے اندر یہ ذہنی انقلاب پیدا ہوا کہ وہ ہر طرح کے علوم حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

اس دور میں اسلامی تہذیب وتمدن اپنے ارتقاء پر پہنچ چکا تھا۔ معاشی خوش حالی اپنے عروج پر تھی۔ عباسی دور کی ابتدا میں جب ان علوم وفنون کا ارتقاء ہوا، سماج پرامن تھا۔ عباسی خلفاء علوم وفنون سے محبت رکھنے والے تھے۔ انہوں نے علوم کی اشاعت وتدوین میں خصوصی دلچسپی لی اور ان کی سرپرستی کی۔ علماء واسکالرس اور مترجمین کی اپنی نوازشات وعطیات کے ذریعہ حوصلہ افزائی کی۔ وہ ایک ایسی تہذیب کی تشکیل کے خواہاں تھے جو دنیا کی دوسری تہذیبوں کی قیادت کرسکے۔ عباسی دور میں علمائے اسلام کو بڑی سطح پر دوسری قوموں سے ملاقات کا موقع ملا جس کی بنا پر انہوں نے ان کے تجربات سے فائدہ اٹھایا۔ انہوں نے علوم کو دینی اور دنیاوی خانوں میں تقسیم نہیں کیا۔ چناں چہ دونوں شاخوں میں اصحاب علم ودانش نے بڑی سطح پر دلچسپی لی اور ان کی اس تعلق سے سماجی سطح پر حوصلہ افزائی کی گئی۔

غزالی نے احیاءالعلوم میں اس بات پر نہایت افسوس کا اظہار کیا ہے کہ مسلمان طب اور ہندسہ (انجیرنگ) کی تعلیم حاصل نہیں

کرتے۔ اس میں یہودیوں اور مسیحیوں کا بول بالا نظر آتا ہے۔ ان کے بقول لوگ صرف فقہ و قضا پر ٹوٹے پڑتے ہیں۔ تاکہ وہ اس کے ذریعہ وہ اعلی سرکاری مناصب حاصل کر کے پیسے کما سکیں۔ دینی علوم کے ماہرین اور ان کی شناخت رکھنے والے علماء بھی عقلی علوم کو پڑھنا اور ان میں بصیرت حاصل کرنا ضروری تصور کرتے تھے۔۔ چناں چہ ابن رشد، ابن حزم، غزالی، ابن تیمیہ وغیرہ ایسے ہی علما تھے جنہیں عقلی علوم میں بھی دینی علوم کی طرح انتہائی مہارت حاصل تھی۔ اس طرح خود علمائے دین کی طرف سے علوم دنیا تصور کیے جانے والے علوم کی طرف لوگوں کو رغبت دلائی گئی۔ اس کے خاطر خواہ اثرات مرتب ہوئے۔

تاہم ان اسباب کے علاوہ عقلی علوم کے ارتقاء میں جس چیز نے سب سے اہم کردار ادا کیا وہ دراصل ترجمے کی تحریک تھی جو اس دور میں شروع ہوئی اور عروج پر پہنچی۔ کہا جاسکتا ہے کہ اگر دوسری زبانوں سے ترجمے کی تحریک عباسی خلفاء کی سرپرستی میں شروع نہ ہوتی تو عقلی علوم کا ارتقاء اور اس کے نتائج واثرات اس طرح سامنے نہیں آتے جن کے اعلی اور روشن مظاہر آج نظر آتے ہیں۔

8.3 ترجمے کی تحریک اور اس کے اثرات

عہد اموی میں خالد بن یزید کی کوششوں سے طب و کیمیا کی صرف چند کتابوں کا دوسری زبانوں سے ترجمہ عمل میں آیا تھا۔ کہنا چاہیے کہ اس کا باضابطہ آغاز عباسی دور میں ابو جعفر منصور (عہد حکومت:753-774ء) کی کوششوں سے ہوا۔ منصور کو طب اور نجوم سے دل چسپی تھی۔ چنانچہ اس کے حکم سے ان موضوعات پر بعض کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا گیا۔ فلکیات میں لکھی گئی برہم گپت کی سنسکرت کی مشہور کتاب 'سدھانت' کا ترجمہ محمد ابن ابراہیم الفزاری نے اور طب میں جالینوس اور سقراط کی کتابوں کا ترجمہ یحییٰ بن البطریق نے کیا۔ بطلیموس (Ptolemy) کی کتاب المجسطی (Almagest) اور اقلیدس (Euclid) کی کتاب اولیات (Elements) اور سنسکرت کی مشہور کتاب 'پنچ تنتر' کا ترجمہ بھی 'کلیلہ و دمنہ' کے نام سے اس دور میں ہوا جسے ابن المقفع نے پہلوی زبان سے کیا تھا۔

دوسرے مرحلے میں ترجمے کی اس تحریک کو ہارون (عہد حکومت:786-098) نے آگے بڑھایا۔ چناں چہ اس کے حکم پر یوحنا بن ماسویہ نے طب اور حجاج بن یوسف بن مطر نے ریاضیات و فلکیات کی بعض کتابوں کا ترجمہ کیا۔ (لیکن مامون کے دور میں دوبارہ ان کتابوں کا ترجمہ زیادہ بہتر شکل میں سامنے آیا۔)

اس تحریک کے تیسرے مرحلے میں جو مامون الرشید (عہد حکومت:813-833) سے شروع ہوتا ہے، اس کو عروج حاصل ہوا۔ مامون کو خاص طور پر منطق و فلسفہ کی کتابوں سے حد درجہ شغف تھا۔ اس نے بعض جگہ مثلاً قسطنطنیہ (موجودہ استنبول، ترکی)، صقلیہ (سسلی) اور قبرص وغیرہ علمی وفود بھیجے اور بعض دوسرے علاقوں کے حکمرانوں کو خطوط لکھ کر مختلف موضوعات پر لکھی گئی اہم کتابیں منگوائیں اور ان کا عربی میں ترجمہ کروایا۔ کہا جاتا ہے کہ مامون کی فرمائش پر شاہ روم نے جو کتابیں ارسال کیں، ان میں ایک تعداد ایسی کتابوں کی بھی تھی، جنہیں مذہب کے لیے نقصان دہ اور شر انگیز تصور کرتے ہوئے اہل روم نے انہیں ایک الگ کمرے میں مقفل کر کے چھوڑ رکھا تھا۔ یہ دراصل منطق و فلسفہ کی کتابیں تھیں۔ مامون کے علمی شغف کے نتیجے میں یہ کتابیں بھی عربی میں ترجمہ کی گئیں۔ کہا جاتا ہے کہ مامون کے

ذہن میں خاص طور پر عقلی علوم کی سرپرستی اور دوسری زبانوں سے ترجمے کا خیال اس لیے پیدا ہوا کہ اس نے ارسطو کو ایک رات خواب میں دیکھا۔ مامون نے اس سے بعض سوالات کیے جن کا جواب ارسطو نے دیا۔ اسی خواب سے تحریک پاکر اس نے ارسطو کی کتابوں کے ترجمے کا حکم دیا اور پھر بہت سے دوسرے اصحاب علم کی کتابوں کے بھی ترجمے کیے گئے۔

ترجمے کی تحریک میں بیت الحکمت نے اہم کردار ادا کیا۔ اس کے مختلف شعبے یا حصے تھے جنہیں 'خزانۃ' (الماری) سے موسوم کیا جاتا تھا۔ چنانچہ قسطنطنیہ سے منگوا کر رکھی جانے والی کتابوں کو ایک الگ خزانے میں رکھا گیا تھا۔ اسی طرح ہارون اور مامون رشید کی کتابوں کو الگ الگ 'خزانوں' (خزانات) میں رکھا گیا تھا اور انہیں "خزانۃ الرشید" اور "خزانۃ المامون" کے ناموں سے موسوم کیا جاتا تھا۔

ترجمہ کرنے والوں کی ایک ٹیم بیت الحکمت سے متعلق تھی۔ اس ٹیم کا ایک سربراہ اور اس سربراہ کے اہل کار اور معاونین ہوتے تھے۔ اسی کے ساتھ کتابت کرنے والے اور جلد ساز بھی رکھے گئے تھے۔ مامون کے زمانہ میں ترجمہ کرنے والوں کا سربراہ یوحنا ابن ماسویہ (وفات: 857) تھا۔ جو جبریل بن بختیشوع (وفات: 828ء) کا شاگرد تھا۔ یہ دونوں عیسائی تھے۔ یوحنا بن ماسویہ نے بہت سی اہم کتابوں کا ترجمہ کیا۔ خصوصیت کے ساتھ ان کتابوں کا جنہیں مامون نے انقرہ اور عموریہ (Amorium) سے حاصل کیا تھا، جو ایشیائے کوچک (Asia Minor) کا ایک شہر تھا۔ مترجمین میں دوسرا اہم نام حنین ابن اسحاق (وفات: 873) کا ہے، جو "حیرہ" (شام) کا نسطوری (Nestorian) عیسائی تھا۔ حنین کو یونانی سے سریانی میں ترجمے کی مہارت حاصل تھی۔ چنانچہ وہ پہلے یونانی کتابوں کو سریانی میں ترجمہ کرتا تھا اور اس کے ماتحت مترجمین انہیں سریانی سے عربی میں منتقل کرتے تھے۔ مشہور کتابوں میں افلاطون کی 'جمہوریہ' (Republic) ارسطو کی مقالات (Categories) طبیعیات (Physics) اور اخلاقیات (Magna Moralia) کا ترجمہ اسی نے کیا۔ جالینوس کی اکثر کتابوں کا مترجم بھی وہی ہے۔ اس کے ترجمے کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ مامون اس کو ہر کتاب کے ترجمے کے عوض کتاب کے بقدر سونا دیا کرتا تھا۔ ترجمہ کرنے والوں میں ایک نام ثابت بن قرہ کا ہے جو صابی مذہب سے تعلق رکھتا تھا۔ جس کے ماننے والے ستاروں کی پرستش کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے اس مذہب کے ماننے والے فلکیات اور ریاضیات میں دل چسپی اور مہارت رکھتے تھے۔

فارسی سے ترجمہ کرنے والے ابتدائی مترجمین میں سب سے اہم نام ابن مقفع کا ہے، جس کی ترجمہ کردہ کتاب 'کلیلہ ودمنہ' کا تذکرہ اوپر گذر چکا ہے۔ اسی طرح فارسی سے فضل بن نوبخت نے علم نجوم کی بعض کتابوں کو اور علی بن زیاد نے کتاب زیج الشہریار کو فارسی سے عربی میں منتقل کیا۔ سنسکرت سے ترجمہ کرنے والوں میں منکہ ہندی، ابن دہن اور اسحاق سلیمان بن علی الہاشمی اور نبطی اور کلدانی (Chaldean) سے ترجمہ کرنے والوں میں ابن وحشیہ کا نام خصوصیت کے ساتھ مورخین نے ذکر کیا ہے۔ مترجمین کی اکثریت شاہی درباروں سے منسلک رہی۔ البتہ ایک طبقہ اس دور میں ایسا بھی تھا جو ذاتی طور پر، صلہ وستائش کی پروا کیے بغیر اس کام میں مصروف تھا۔ اس ذیل میں تین بھائیوں: بنو موسیٰ بن شاکر کو خصوصی طور پر شہرت وعظمت حاصل ہے۔ جنہوں نے انجینئرنگ، طبعیات اور میکینکس وغیرہ کی کتابیں رومی علاقوں سے منگوائیں اور ان کا ترجمہ کروایا۔

غیر خلفاء میں سے اسی طرح محمد بن عبدالملک الزیات، علی بن یحییٰ اور محمد بن موسیٰ وغیرہ نے ترجمہ کی تحریک کی سرپرستی کرنے

اور اسے آگے بڑھانے میں اہم رول ادا کیا۔

موضوعات کے اعتبار سے حکمت و فلسفہ، سیاسیات، طب، ریاضیات، فلکیات، کیمیا، موسیقی، انجینئرنگ وغیرہ کی کتابیں یونانی زبان سے، سیر و سوانح، ادب اور تاریخ، طب و ریاضیات کی کتابیں سنسکرت سے اور زراعت نیز سحر و طلسمات کی کتابیں نبطی یا کلدانی سے ترجمہ کی گئیں اور اس طرح ایک صدی کے اندر مختلف تہذیبوں سے استفادہ کے ذریعہ اس وقت تک کے ترقی یافتہ انسانی علوم کا خلاصہ عربی میں منتقل اور محفوظ ہو کر اسلامی دنیا میں ایک ہمہ گیر علمی و تمدنی انقلاب کا ذریعہ بنا۔

8.4 عقلی علوم کا ارتقا

8.4.1 طب (Medicine)

اس عہد کی ابتدا میں سب سے زیادہ توجہ طب اور نجوم (یا فلکیات) پر مرکوز رہی۔ عباسیوں نے اس کو بہت زیادہ اہمیت دی۔ خلفاء کی خود اپنی صحت کی فکر اور بعض امراض کے پھیلاؤ نے اس شعبے میں علمی و تحقیقی کاوشوں کو تحریک دی۔ طب پر اس عہد میں متعدد کتابیں لکھی اور ترجمہ کی گئیں۔ خلفاء نے متعدد اسپتال قائم کئے جنہیں فارسی لفظ 'بیمارستان' سے موسوم کیا جاتا تھا اور جہاں طب پر تحقیق و مطالعے کا کام بھی ہوتا تھا۔ عہد وسطیٰ میں استعمال ہونے والے بہت سے طبی آلات کی ایجادات کا سہرا بھی اس عہد کے سر ہے۔ طب کی ابتدائی درس گاہیں، کتب ادویہ یا اقرابادین (Pharmacopoeia)، عطاری کی دکانیں اسی عہد میں سامنے آئیں۔ مامون و معتصم نے دواسازی کے لیے باضابطہ اہلیتی امتحان سے گزرنا ضروری قرار دیا تھا۔ مقتدر باللہ کے عہد میں صرف بغداد میں ایسے آٹھ سو سے زیادہ اطباء تھے جنہیں باضابطہ امتحان کے بعد طب کی سند عطا کی گئی تھی۔ اطباء کی مقبولیت اور کثرت کا عالم یہ تھا کہ متوکل کے دربار میں صرف ماہر نصرانی اطباء کی تعداد 56 تھی۔ سیف الدولہ جب دستر خوان پر بیٹھتا تھا تو اس کے ساتھ 24 اطباء بھی شریک ہوا کرتے تھے۔ یہ انتہائی نفع بخش پیشہ تھا۔

ابو بکر رازی، ابن سینا، علی بن العباس، علی بن عیسیٰ اور ابن جزلہ جیسے بہت سے اہم اطباء اس دور میں پیدا ہوئے۔ ابن سینا کی کتاب القانون فی الطب اور ابو بکر رازی کی کتابیں: کتاب الحاوی، کتاب الطب المنصوری، کتاب الجدري والحصبة اور دوسری کتابیں مشرق و مغرب میں صدیوں تک طب کا مرجع بنی رہیں۔ القانون کو یورپ کے بعض مفکرین نے 'طب کی انجیل' (Bible of Medicine) لکھا ہے۔

8.4.2 فلکیات (Astronomy)

فلکیات پر برہم گپت کی اہم کتاب 'سدھانت' کا سنسکرت سے اس عہد میں ترجمہ کیا گیا۔ یعقوب بن طارق نے اس موضوع پر دو کتابیں لکھیں۔ اس زمانے میں مسلمان ایرانی فلکیات سے بھی واقف ہوئے اور 'زیک شترو ایار' کا زیج الشہریار کے نام سے عربی میں ترجمہ کیا۔ بطلیموس کی کتاب المجسطی (Almagest) کا ترجمہ متعدد مرتبہ عربی میں کیا گیا۔ حرکات فلکی کا باضابطہ مشاہدہ منصور کے زیر نگرانی کیا گیا اور المجسطی کے تمام بنیادی اصول و نظریات کی صحیح نتائج سے تصدیق بھی کی گئی۔ مامون رشید کے عہد میں محلہ شماسیہ میں رصد گاہ (Observatory) تعمیر کی گئی۔ مامون ہی کے دور میں دوسری رصد گاہ دمشق میں تعمیر کی گئی۔ ان کے علاوہ بنو موسیٰ بن شاکر نے خود اپنے

مکان کے اندر ایک رصد گاہ تعمیر کی جس کے ذریعہ وہ فلکی مشاہدے کرتے تھے۔ بتّانی (وفات: 317ھ) نے 877 سے 918 تک دریائے فرات کے کنارے الرقہ کے مقام پر فلکی مشاہدات کیے۔ فلکیات میں البتانی کی خدمات پر روشنی ڈالتے ہوئے ہٹی نے لکھا ہے: "البتانی ایک حقیقی محقق تھے۔ انہوں نے بطلیموس کی متعدد غلطیوں کی تصحیح کی۔ چاند اور دوسرے سیاروں کے مداروں کے متعلق تخمینوں کو درست کیا۔ انہوں نے سورج کے سالانہ گرہن کے امکان کو ثابت کیا اور زیادہ صحت کے ساتھ طریق الشمس کے جھکاؤ کی مقدار معین کی نیز انہوں نے رویت ہلال کے تعین کرنے کے لیے بنیادی نظریات پیش کیے"۔ (376,P.K.Hitti:History of the Arabs,p)

نویں دسویں صدی میں علمائے فلکیات شیراز، نیشاپور، سمرقند وغیرہ میں فلکی مشاہدات میں مشغول رہے۔ اس عہد میں متعدد فلکیاتی جدولیں بھی مرتب کی گئیں، جنہیں 'زیج' کا نام دیا گیا تھا جو فارسی لفظ 'زیک' کا معرب ہے۔ عہد عباسی کے شروع سے دسویں صدی کے اختتام تک پچاسوں علماء نے اس موضوع پر سینکڑوں کتابیں لکھیں۔ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ صرف ابو اسحاق کندی نے اس موضوع پر 23 کتابیں لکھیں حالانکہ اس کا اصل میدان فلسفہ تھا۔

دیگر شخصیات میں محمد بن موسیٰ الخوارزمی، ابو الریحان البیرونی اور وغیرہ مشہور ہیں۔ الخوارزمی کی بنائی ہوئی زیج کم سے کم دو سو سالوں تک فلکیات کے ماہرین کا مرجع رہی۔

8.4.3 فلسفہ (Philosophy)

فلسفے کو اس عہد میں خصوصی مقبولیت حاصل ہوئی جس میں خاص طور پر مامون کی دل چسپی کو دخل تھا۔ کہا جاتا ہے کہ فلسفے کی طرف اس کا رجحان خواب میں ارسطو کو دیکھ کر ہوا تھا۔ اس عہد کے اہم فلسفیوں میں ابو اسحاق کندی، ابو نصر فارابی، ابو علی ابن سینا، ابو البرکات البغدادی، ابو بشر متی بن یونس، اخوان الصفا اور الغزالی وغیرہ کا نام آتا ہے۔ کندی کو فیلسوف العرب کہا جاتا ہے۔ اس نے تقریباً 20 یا 22 کتابیں فلسفہ پر لکھیں۔ اس کا اہم کارنامہ یہ ہے کہ اس نے یونانی فلسفے کو عرب میں متعارف کرنے اور اس کی ماحول سازی میں اہم رول ادا کیا۔ اس نے متعدد کتابوں کی شرحیں بھی لکھیں۔

اس تعلق سے دوسرا اہم نام ابو نصر الفارابی کا ہے جسے معلم ثانی کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ (معلم اول کا لقب ارسطو کے لیے استعمال کیا جاتا ہے) فارابی نے فلسفہ و منطق میں تقریباً 50 کتابیں لکھیں۔ ارسطو کی بہت سی کتابوں کی شرحیں لکھیں جس سے فلسفے کو سمجھنا آسان ہو گیا۔ دین و فلسفے میں مفروضہ تصادم اور کش مکش کو دور کرنے کی فارابی نے قابل قدر کوششیں کیں۔ اگرچہ ان کی بہت سی آراء اسلام کی راسخ العقیدہ فکر کے منافی ہیں، تاہم ان کی اعلیٰ فلسفیانہ قابلیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

فارابی کے بعد اس عہد کی سب سے بڑی شخصیت ابن سینا کی ہے جس کی "کتاب الشفاء" کو یورپ میں خاص طور پر بہت زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔ اس نے "الاشارات والتنبیہات"، "اسرار الحکمۃ المشرقیہ"، "رسالۃ الحکمۃ" اور "رسالۃ فی المعاد" جیسی اہم کتابیں فلسفہ کے موضوعات پر قلم بند کیں۔ دراصل ابن سینا نے ہی حقیقی معنوں میں اسلامی فلسفے کی تشکیل و ترتیب کی۔ اس کے اصول و اصطلاحات مرتب کیے۔ اس لیے سب سے زیادہ اسی کی فکر کے اثرات اسلامی فلسفے پر مرتب ہوئے جس کو آج بھی محسوس کیا جاسکتا ہے۔ راجر بیکن جیسا شخص

انہیں ارسطو کے بعد فلسفے کا بادشاہ اور رہنما قرار دیتا ہے۔ فلپ کے ہٹی نے لکھا ہے: 'یونانی فلسفے کو اسلام سے ہم آہنگ کرنے کا عمل کندی سے شروع ہوا جو عرب تھا، فارابی نے اسے جاری رکھا، جو ترک تھا اور مشرق میں ابن سینا نے اسے مکمل کیا جو ایرانی تھا۔'

مغربی فکر و فلسفہ پر ابن سینا کے اثرات کا ذکر کرتے ہوئے ول دورانت (Will Durant)، نے لکھا ہے: "اسپین میں ابن رشد اور موسی بن میمون نے انہی (ابن سینا) کے افکار سے اپنا فلسفہ آراستہ کیا اور لاطینی عیسائیت کے عظیم متکلمین کو بھی انہی سے تقویت ملی۔ یہ جان کر حیرت ہوتی ہے کہ البرٹ اعظم اور تھامس ایکویناس نے ان سے کتنا زیادہ مواد لیا ہے۔ راجر بیکن انہیں ارسطو کے بعد سب سے بڑا فلسفی کہا کرتے تھے۔ خود تھامس ایکوائنس ان کا نام احترام کے ساتھ افلاطون کے ساتھ لیتے تھے۔ (The Age of Faith,p257 بحوالہ قرون وسطی کے مسلمانوں کے سائنسی کارنانے، 316)

"اخوان الصفا" کا تعلق بھی اسی عہد سے ہے۔ فلسفہ اس کے متعلقہ علوم سے دل چسپی رکھنے والے اصحاب علم پر مشتمل ایک جماعت تھی۔ اس نے فلسفہ کے موضوعات پر کوئی پچاس کے قریب رسائل لکھ کر اور لکھوا کر شائع کیے۔ جس سے فلسفیانہ اور عقلی موضوعات پر غور و فکر کا ماحول پروان چڑھا۔ یورپ کی فلسفیانہ فکر پر بھی اس کے اثرات پائے جاتے ہیں۔ بہر حال فلسفے کا پورا سرمایہ جو بعد میں مسلمانوں کے ذریعہ یورپ تک پہنچا وہ اسی عہد سے تعلق رکھتا ہے۔

8.4.4 جغرافیہ اور طبیعات (Geography and Physics)

مسلمان فن جغرافیہ سے عباسی خلیفہ منصور کے عہد میں واقف ہوئے۔ مامون کے عہد میں خوارزمی نے جغرافیہ کے موضوع پر "صورۃ الارض" کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ پھر دوسری کتاب اس عہد میں "المسالک و الممالک" کے نام سے لکھی گئی جس کا مصنف ابن خرداذبہ تھا۔ جغرافیہ سے متعلق مسلمانوں کی خدمات میں اسے خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ یعقوبی نے 'کتاب البلدان' لکھی، قدامہ بن جعفر، ابن الفقیہ، ابن رستہ، ابن حائک، ابن فضلان، اصطخری اور یاقوت حموی وغیرہ نے اس موضوع پر جغرافیہ عام اور جغرافیہ خاص کے تحت تمام اسلامی ممالک یا بعض شہروں کے جغرافیہ پر کتابیں لکھیں۔ مقدسی کی "احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم" اس عہد میں جغرافیہ میں لکھی گئی کتابوں میں اہم درجہ رکھتی ہے۔

غلام قادر لون نے صحیح لکھا ہے کہ: مسلم سائنس دانوں کی خوش نصیبی یہ تھی کہ انہیں تینوں قوموں کے جغرافیائی مواد سے آگاہ ہونے کا موقع ملا۔ ورنہ اگر وہ صرف بطلی موس کے جغرافیہ پر اعتماد کرتے جس کا کچھ حصہ 500 برس پہلے فرسودہ ہو چکا تھا تو اس فن میں ان کی ترقی کی رفتار سست ہوتی"۔ (غلام قادر لون: قرون وسطی کے مسلمانوں کے سائنسی کارنامے، ص، 38)

طبیعات کے موضوع پر سب سے پہلے ابو یعقوب کندی نے کتابیں لکھیں۔ اس موضوع پر انہوں نے 44 چھوٹے بڑے رسالے تحریر کئے۔ وہ بصریات (Optics) کا موجد تصور کئے جاتے ہیں۔ اس موضوع پر انہوں نے دو کتابیں لکھیں جن میں 'علم البصر' اہم ہے۔ تاہم بصریات میں سب سے اہم نام ابن الہیثم کا ہے۔ اس نے اپنی کتاب "کتاب المناظر" لکھ کر ایسے تاریخ ساز کارنامے انجام دیے جن پر

آگے چل کر اس فن کی عمارت کھڑی کی گئی۔ رازی، ابن سینا اور البیرونی نے بھی طبیعات کو موضوع بنا کر اس علم کو آگے بڑھایا۔ ابن سینا نے طبیعات میں اجسام طبعی کے لاحقات: حرکت، سکون، زمان، مکان، خلا اور اتصال وغیرہ پر عالمانہ بحثیں کیں۔ البیرونی نے طبیعات میں ارسطو کے متعدد نظریات کا رد کیا۔

8.4.5 ریاضی و کیمیا

ریاضی (Mathematics) اور کیمیا (Chemistry) کو بھی اس عہد میں ترقی حاصل ہوئی۔ الخوارزمی نے الجبرا کے موجد کی حیثیت سے اور بنو موسیٰ شاکر نے جیومٹری میں اس عہد میں اہم مقام حاصل کیا۔ الخوارزمی نے مامون الرشید کی فرمائش پر "علم الحساب" کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی جس میں انہوں نے حساب کے اہم اصول و قواعد کی وضاحت کی۔

الخوارزمی کی کتاب "الجبر والمقابلہ" مسلمانوں کے سرمایہ علوم میں ریاضی پر سب سے اہم کتاب تصور کی جاتی ہے۔ اس کی متعدد شرحیں لکھی گئیں اور یورپ کی مختلف زبانوں میں ترجمے کیے گئے۔ عباسی دور کے علمائے ریاضیات نے ریاضی کے حوالے سے سب سے زیادہ ہندوستانی علماء سے فائدہ اٹھایا۔ ریاضی و فلکیات میں برھم گپت کی کتاب "سدھانت" کا ترجمہ اس عہد میں ہوا جس سے استفادہ کرتے ہوئے علمائے اسلام نے اس فن کو آگے بڑھایا۔ صفر کی ایجاد ہندوستان میں ہوئی لیکن اس کو دنیا میں باضابطہ طور پر متعارف کرنے کا کام عباسی عہد کے علماء نے انجام دیا۔

اس عہد کے جن علمائے ریاضیات کو شہرت ملی ان میں ایک اہم نام ابو الوفا جوزجانی کا ہے۔ انہوں نے اس موضوع پر متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ ایک اہم نام ابو کامل شجاع بن اسلم کا ہے۔ انہوں نے متعدد کتابیں ریاضی میں لکھیں۔ ان کی ایک مشہور کتاب کا نام "کتاب الطرائف فی الحساب" ہے۔ اسی دور میں ابو بکر الکرخی پیدا ہوئے۔ جن کی کتاب "الفخری فی الجبر والمقابلہ" ریاضی میں معرکے کی کتاب سمجھی جاتی ہے۔ ان کے علاوہ بہت سے نام اس ذیل میں آتے ہیں جن کی گراں قدر کتب و رسائل نے ریاضی کو اس عہد میں عروج پر پہنچا دیا۔ ان میں ابو عبد اللہ الماہانی، ابو جعفر الخازن، عبد القاہر البغدادی اور ابن ہیثم وغیرہ کا نام آتا ہے۔

علم الکیمیا کا آغاز عہد اموی میں ہو گیا تھا۔ خالد بن یزید اموی نے اس موضوع پر کتابیں لکھیں۔ لیکن اس فن کا باضابطہ فروغ دور عباسی میں ہوا۔ اس علم میں جابر بن حیان کو سب سے زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔ اس نے خاص اس موضوع پر درجنوں رسائل قلم بند کیے۔ جیسے اسرار الکیمیا، اصول الکیمیا، کتاب الرسائل، کتاب السبعین، صندوق الحکمۃ وغیرہ۔ اس کے علاوہ اس نے پہلی مرتبہ مختلف طرح کے کیمیائی تجربات کیے جس سے اس علم کو اس عہد میں ترقی حاصل ہوئی۔

دوسرے اہم ناموں میں سے ایک نام ابو بکر رازی کا ہے جنہوں نے "اسرار" اور "سرالاسرار" کے نام سے اس موضوع پر کتابیں لکھیں۔ اس تعلق سے ان کا ایک اہم کارنامہ یہ شمار کیا جاتا ہے کہ انہوں نے کیمیاء کو طب اور دواسازی کے فن سے مربوط کر دیا جس سے ان کی ترقی کی راہیں ہموار ہوئیں اور کیمیاء ایک تجرباتی سائنس کے طور پر ابھر کر سامنے آیا۔ دوسرے اہم ناموں میں موید الدین طغرائی

اور ابوالقاسم العراقی وغیرہ کانام آتا ہے۔ طغرائی کی کتاب "جامع الاسرار وترکیب الانوار فی الاکسیر" اور مفتاح الرحمة ومصابیح الحکمة کو خصوصی شہرت حاصل ہے۔ جب کہ جب کہ ابوالقاسم العراقی کی کتاب "عیون الحقائق وکشف الطرائق" اور الکنز الدفین ہے۔

8.4.6 بعض دیگر علوم

اسی کے ساتھ نباتیات، حیوانیات، معدنیات اور علم زراعت جیسے علوم پر اس عہد میں بہت سی کتابیں لکھی گئیں اور مشاہدات و تجربات کے ذریعے انہیں آگے لے جانے کی کوشش کی گئی۔ نباتیات میں ابو حنیفہ الدینوری، ابن البیطار، علی بن عیسیٰ اور جاحظ نے کتابیں لکھیں۔ ابن سینا اور البیرونی نے بھی بالترتیب اپنی کتابوں: القانون اور الصیدلہ فی الطب کے ذریعہ اس علم میں کافی اضافے کیے۔ ابو عبیدہ اور جاحظ وغیرہ نے حیوانیات میں، ابن حیان، جاحظ، البیرونی اور نصیر الدین طوسی وغیرہ نے معدنیات میں کتابیں لکھیں۔

ان علوم کے علاوہ عباسی عہد کی تاریخ، شعر وادب اور لسانیات وغیرہ کے حوالے سے بھی ممتاز طور پر شناخت کی جاتی ہے۔ اگرچہ عہد بنوامیہ میں تقریباً یہ تینوں علوم موجود تھے۔ تاہم عباسی عہد میں ان میں سے ہر ایک نے انتہائی ترقی حاصل کی۔

تاریخ نگاری کی شروعات عہد بنی امیہ میں ہوئی۔ خود حضرت معاویہ کو ماضی کی قوموں کے احوال جاننے اور سننے سے دلچسپی تھی۔ چنانچہ عبید بن شریہ الجرہمی نے ان کے حکم سے "کتاب الملوک واخبار الماضیین" تصنیف کی۔ عباسی عہد کی ابتدا میں تاریخ کے تعلق سے سیرت، مغازی اور تذکرہ وطبقات سے متعلق کتابیں زیادہ لکھی گئیں۔ پھر تیسری، چوتھی اور پانچویں صدی میں اس میں ابن عبدالحکم، ابن جریر طبری، بلاذری، ابن طیفور، الیعقوبی، المسعودی، ابو بکر الخطیب اور ابن مسکویہ وغیرہ نے اہم کتابیں تصنیف کیں۔ عہد عباسی میں تاریخ نگاری کا غیر معمولی ارتقاء ہوا۔

نحو ولغت کے ڈھانچے کی تشکیل اسی عہد میں ہوئی۔ نحو ولغت کے اہم ماہرین اور ان کی کتابیں جو آج بھی بنیادی ماخذ کا درجہ رکھتی ہیں عہد عباسی کی رہین منت ہیں۔

8.5 فنون لطیفہ

فنون لطیفہ کے ذیل میں مختلف چیزیں آتی ہیں۔ عمارت سازی، مصوری، مجسمہ سازی، نقاشی، موسیقی وغیرہ۔ ان فنون میں مجسمہ سازی ہی صرف ایسا فن ہے جس پر صحیح معنوں میں کسی بھی مسلم عہد میں توجہ نہیں دی گئی۔ اگرچہ یہ کہنا صحیح نہیں ہوگا کہ اسے ہاتھ نہیں لگایا گیا ہے۔ بے اعتنائی کی وجہ ظاہر ہے کہ وہ اسلام کے بنیادی عقیدہ توحید کے منفی ہے۔ فنون میں عمارت سازی کو مسلم حکمرانوں کے اکثر عہدوں میں کافی مقبولیت حاصل رہی۔ اموی حکمرانوں نے پر شکوہ اور قابل رشک عمارتیں بنوائیں جن کی باقیات میں سے جامع اموی (دمشق) اور قبۃ الصخرۃ (فلسطین) اب بھی قابل دید ہیں۔

8.5.1 تعمیر

کہتے ہیں کہ کسی تہذیب یا سماج کے معیار زندگی کا اندازہ کرنا ہو تو اسکے فن تعمیر میں اس کی مکمل تصویر دیکھی جاسکتی ہے۔اس کے مقاصد زندگی، ان کی تکمیل کے لئے قوت اظہار اور اظہار میں بلندی خیال کے مطالعے کے لئے فن تعمیر ایک دستاویز کی حیثت رکھتا ہے۔ عہد عباسی میں تمدنی ارتقاء کے زیر اثر اور رومی و ایرانی شان و شوکت کی نقل میں بڑے بڑے قلعے اور محلات تعمیر کئے گئے۔ پہلے عباسی خلیفہ ابو العباس سفاح نے عباسی خلافت قائم کرنے کے بعد پرانے شہر انبار کے مقام پر 134ھ 752 /ء میں اپنا نیا دار الخلافہ قائم کیا اور اسے ہاشمیہ کے نام موسوم کیا اور اسے مدینہ المنصور بھی کہتے تھے۔ یہ شہر دریائے فرات کے کنارے آباد کیا گیا تھا۔ اس میں خلیفہ کے محلات، سرکاری دفاتر کی عمارتیں، وزراء، امراء، عمال وغیرہ کے مکانات اور بازار، مسجدیں پل اور سڑکیں تعمیر کی گئی تھیں۔ اس کے بعد منصور نے بغداد میں اپنے لیے قصر الخلافہ، باب الذہب، اسی طرح 'رصافہ' میں اپنے بیٹے مہدی کے لیے قصر تعمیر کروایا۔ معتضد نے قصر الثریا اور قصر التاج کی تعمیر کروائی۔ متوکل کو خاص طور پر عمارتیں بنوانے کا بے حد شوق تھا۔ اس نے 'جعفری' اور 'لولوۃ' کے نام سے محل بنوائے۔ بنی بویہ میں معزالدولہ اور عضد الدولہ کو تعمیر سے کافی دل چسپی تھی۔ انہوں نے بہت سے تعمیراتی کام کیے۔ قصور و محلات کے علاوہ عباسی عہد میں بہت سی مسجدیں، شفاخانے، مدارس، حمام اور پل وغیرہ تعمیر ہوئے۔ مساجد میں سامرّا، قیروان اور تیونس کی مساجد اہم ہیں۔ سامرّا کی المسجد الکبیر جسے متوکل نے بنوایا تھا کا 'اللویہ' مینار اس عہد کی اہم یادگار ہے۔ ہلاکو کے ہاتھوں بغداد کی تباہی (1258ء) اور طبعی حوادث کے نتیجہ میں زیادہ تر عمارتوں کی جائے وقوع کا اندازہ بھی لگانا مشکل ہے۔ عباسی فن تعمیر کا اصل شاہکار شہر بغداد کی تعمیر ہے۔

اس شہر کی تعمیر کیلئے بڑا اہتمام کیا گیا، ماہرین نے پہلے مختلف پہلوؤں سے متعدد مقامات کا بر موقع معائنہ کرنے اور تحقیق کرنے کے بعد بغداد نامی گاؤں کو پسند کیا جہاں کی آب و ہوا خوش گوار اور زمین سرسبز و شاداب اور علاقہ خوبصورت تھا۔ دریائے دجلہ اسکے قریب سے گزرتا تھا چنانچہ پانی اور سبزہ کی فراوانی تھی۔ شہر کی تعمیر سے پہلے ماہر انجنیروں اور معماروں نے شہر کا تفصیلی نقشہ تیار کیا، پھر اس شہر کی تعمیر کیلئے دنیا کے مختلف گوشوں سے اعلی درجہ کے سنگ تراش، بڑھئی، نقاش، فنکار اور معمار، خطاط، مزدور اور کاریگر جمع کیے گئے، اس کے علاوہ تعمیر کا ضروری سامان جیسے سنگ مرمر، آبنوس، صندل کی لکڑی وغیرہ کثیر مقدار میں منگائی گئی، پھر ایک باقاعدہ منصوبہ اور نقشہ کے مطابق اس شہر کی تعمیر کا کام 136ھ / 754ء میں شروع ہوا۔

دوسرے شہروں میں "کرخ"، "مہدیہ" اور "سامرا" وغیرہ کی تعمیر شامل ہے۔ خلیفہ ہارون رشید کے برمکی وزرا نے مہدیہ کے قریب بغداد کی مشرقی جانب ایک خوبصورت شہر شمسیہ تعمیر کروایا یہاں عالی شان محل و باغات تعمیر کرائے۔ برمکی وزراء کے محل فن تعمیر کا بہترین نمومہ تھے۔ جعفر بن یحی برمکی کا محل قصر جعفری بہت خوبصورت تھا جس کی تعمیر پر دو کڑور درہم صرف ہوئے تھے۔ اس محل میں جگہ جگہ قیمتی ہیرے جواہرات نصب کیے گئے تھے ستونوں اور محرابوں پر رنگین اور چمکدار ہیرے لگائے گئے تھے اور جعفر برمکی کے تخت پر سونے کا ملمع چڑھا تھا جس میں ہیرے جواہرات جڑے ہوے تھے۔

8.5.2 مصوری و خطاطی اور موسیقی

اگرچہ مصوری کا فن بھی فقہاء کے نزدیک ممنوع تھا لیکن اس کی ممانعت متفق علیہ نہ تھی۔ اس لیے اس کے بکثرت نمونے عہد عباسی اور اس کے بعد کے مسلم عہدوں میں نظر آتے ہیں۔ دیواروں، کپڑوں اور کتابوں کو تصویروں سے مزین کرنے کا رواج عباسی عہد میں ہی شروع ہو گیا تھا۔ منصور کے محل کے گنبد پر ایک شہسوار کی تصویر تھی۔ اسی طرح الامین کی تفریحی کشتی پر شیر، شاہین اور مچھلیوں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ مقتدر کے محل میں سونے اور چاندی کا بنا ہوا ایک درخت تھا۔ جس کی اٹھارہ شاخیں محل کے ایک تالاب میں نصب کی گئی تھیں اور اس تالاب کے ہر طرف پندرہ شہ سواروں کے مجسمے تھے جو اس طرح گردش کرتے تھے جیسے میدان جنگ میں لڑ رہے ہوں۔ متوکل کے شاہی محل کی جو نقش و نگارش کی گئی تھی اس میں چرچ کے ساتھ راہبوں کی تصویریں بھی بنی ہوئی تھیں۔ تصویری آرٹ کو عباسی عہد کے اخیر میں کتابوں کو مصور کرنے کے طور پر بھی استعمال کیا جانے لگا تھا۔ عبد الرحمان الصوفی کی فلکیات پر کتاب 'الکواکب الثابتۃ' اسی نوع کی کتاب ہے۔

اسلامی دنیا میں موسیقی کا فن فارسیوں اور یونانیوں سے آیا۔ سعید ابن مسجح کے ذریعہ پہلے پہل عرب اس سے متعارف ہوئے۔ عباسی عہد میں تمدن کے ارتقاء اور عیش و نشاط کی کثرت کے نتیجہ میں اس فن میں ترقی حاصل ہوئی۔ اس میں پیش پیش فارسی نژاد لوگ تھے۔ پھر عربوں کی بھی ایک بڑی تعداد اس سے دل چسپی لینے لگی۔ خلیل بن احمد جیسے ماہر لغت اور فارابی جیسے فلسفی تک نے فن موسیقی پر کتابیں لکھیں۔ ہارون و مامون کے عہد میں متعدد اہم کتابیں لکھی گئیں۔ اور عربی ذوق کے مطابق فن موسیقی کی ترتیب و تنقیح کی گئی۔ عربی کے مختلف آلات اس عہد میں ایجاد ہوئے۔

فارسی اثرات کے تحت اس عہد میں نقاشی نے مصوری سے زیادہ ترقی کی۔ کیوں کہ اس میں مذہبی ذہنوں کے لیے کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ مصوری کے میدان کی بہت سی فطری صلاحیتوں کو اس میدان میں پھلنے پھولنے کا موقع ملا۔ بلور، چینی (Ceramics) اور دھات کی ظروف سازی (Metallic lusturerware) کے فن میں خاص طور پر جدتیں آئیں۔ ظروف کے علاوہ استعمال و آرائش کے دوسرے سامان، نیز قالین، فانوس، پردے وغیرہ پر کی گئی نقاشی و کشیدہ کاری نے دور دور تک شہرت حاصل کی۔ کاشانی ٹائلوں سے عمارت کی داخلی و بیرونی آرائش کی جاتی تھی جن پر بیل بوٹے بنے ہوتے تھے۔ دمشق، فسطاط (مصر) اور بغداد کی اس قبیل کی چیزیں اب بھی بعض عجائب گھروں میں موجود ہیں۔ خطاطی کو اسلامی فن کی حیثیت سے اس عہد میں کافی عروج حاصل ہوا جس کی تحریک قرآن کو خوب صورت انداز میں پڑھنے کی طرح خوب صورت شکل میں لکھنے سے ہوئی تھی۔ کئی ایک رسم الخط کی ایجاد اسی عہد میں ہوئی۔ الریحانی مامون کے دور سے تعلق رکھتا ہے جس کے نام سے خط ریحانی مشہور ہے۔ کئی ایک رسم الخط کا موجد ابن مقلہ، خط محقق کا موجد ابن البواب، یاقوتی طرز کا موجد یاقوت مستعصمی عہد عباسی سے ہی تعلق رکھتے ہیں۔

8.6 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- عباسی عہد علوم وفنون کے عروج وارتقاء کے تعلق سے تمام اسلامی عہدوں میں سب سے اہم عہد ہے۔
- عباسی عہد میں علوم کی ترقی کے مختلف عوامل واسباب تھے جن میں سب سے اہم تمدنی ارتقاء اور دولت وخوش حالی کی فراوانی تھی۔ عہد عباسی کی ابتدا میں جب ان علوم وفنون کا ارتقاء ہوا، سماج میں امن اور اطمینان تھا۔ خاص طور پر ابتدائی دور کے خلفاء علوم وفنون سے محبت رکھنے والے تھے۔
- ان حکم رانوں میں منصور، ہارون اور مامون رشید کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ خاص طور پر مامون نے عقلی علوم سے انتہائی حد تک دل چسپی لی کیوں کہ وہ یونانی فلسفیوں میں سے ارسطو سے بہت متاثر تھا۔
- عقلی علوم کے ارتقاء میں جس چیز نے سب سے اہم کردار ادا کیا وہ ترجمے کی تحریک تھی جو اس عہد میں شروع ہوئی اور عروج پر پہنچی۔ بعض کتابوں کا ترجمہ اموی دور میں ضرور کیا گیا تھا۔ لیکن باضابطہ اس کی شروعات اسی عہد میں عباسی خلفاء کی علمی دل چسپی کے تحت ہوئی۔
- ترجمے کی تحریک میں بیت الحکمت نے اہم کردار ادا کیا جسے ہارون رشید یا مامون نے قائم کیا تھا۔ اس میں مختلف شعبے تھے جن کے تحت زبانوں سے کتابوں کے ترجمے کیے گئے۔
- جن زبانوں سے ترجمے کیے گئے ان میں خاص طور پر یونانی، سنسکرت، فارسی، نبطی قابل ذکر ہیں۔
- موضوعات کے اعتبار سے حکمت وفلسفہ، سیاسیات، طب، ریاضیات، فلکیات، کیمیاء، موسیقی، انجینئرنگ وغیرہ کی کتابیں یونانی زبان سے، سیر وسوانح، ادب اور تاریخ، طب وریاضیات کی کتابیں سنسکرت سے اور زراعت نیز سحر وطلسمات کی کتابیں نبطی یا کلدانی سے ترجمہ کی گئیں۔
- ترجمے کے تعلق سے یہ حقیقت پیش نظر رہنی چاہیے کہ یہ کام صرف ترجمے یا ترجمہ کردہ کتابوں کی شرحوں تک ہی محدود نہ رہا جیسا کہ بعض مستشرقین نے باور کرانے کی کوشش کی ہے۔ بلکہ یہ ایک زمین یا بنیاد تھی جس پر مسلمانوں نے نہایت بلند وبالا عمارت تعمیر کی۔ فلکیات، ریاضیات، فلسفہ، جغرافیہ وغیرہ جن کی مختلف زبانوں سے ترجمہ کے بارے میں آپ ترجمہ کی تحریک کے ذیل میں پڑھ چکے ہیں۔ ان تمام علوم میں اس عہد میں زبردست کام ہوا۔ ان علوم کے حوالے سے تاریخ ساز علماء اور شخصیات پیدا ہوئیں جنھوں نے انہیں عروج وترقی کے منازل سے ہم آہنگ کیا۔
- فلکیات پر برہم گپت کی اہم کتاب 'سدھانت' کا سنسکرت سے اس عہد میں ترجمہ کیا گیا۔ بنو موسی شاکر، ابو الریحان البیرونی، البتانی وغیرہ کو فلکیات میں شہرت حاصل ہوئی۔ طب میں ابو بکر رازی، ابن سینا، علی بن العباس، علی بن عیسیٰ اور ابن جزلہ جیسے بہت سے اہم اطباء اس دور میں پیدا ہوئے۔ ابن سینا کی کتاب القانون فی الطب اور ابو بکر رازی کی کتابیں: کتاب الحاوی، کتاب الطب

المنصوری، کتاب الجدری والحصبہ اور دوسری کتابیں مشرق و مغرب میں صدیوں تک طب کا مرجع بنی رہیں۔ فلسفہ میں کندی کو فیلسوف العرب کہا جاتا ہے۔ دوسرا اہم نام ابو نصر الفارابی کا ہے جسے معلم ثانی کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ فارابی کے بعد اس عہد کی سب سے بڑی شخصیت ابن سینا کی ہے جس کی "کتاب الشفاء" کو یورپ میں خاص طور پر بہت زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔

- ریاضی میں خوارزمی اور ابو عبد اللہ الماہانی وغیرہ کا نام آتا ہے۔ جغرافیہ میں، قدامہ بن جعفر، ابن الفقیہ اور ابن رستہ وغیرہ جب کہ کیمیا میں جابر بن حیان کو شہرت حاصل ہوئی علم الکیمیا کا آغاز عہد اموی میں ہو گیا تھا۔ خالد بن یزید اموی نے اس موضوع پر کتابیں لکھیں۔ لیکن اس فن کا باضابطہ فروغ دور عباسی میں ہوا۔ اس علم میں جابر بن حیان کو سب سے زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔ اس نے خاص اس موضوع پر درجنوں رسائل قلم بند کیے۔

8.7 نمونہ امتحانی سوالات

8.7.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. عہد عباسی میں عقلی علوم کے ارتقا کا سب سے اہم سبب کیا ہے؟

(a). ترجمہ کی تحریک (b). نقلی علوم کا ارتقا (c). معاشی ترقی و خوشحالی (d). علما اور اسکالرس کی کثرت

2. ترجمہ کتب کی تحریک کا آغاز کب ہوا؟

(a). منصور کے عہد میں (b). ہارون کے عہد میں (c). مامون کے عہد میں (d). متوکل کے عہد میں

3. عباسی حکم رانوں میں سے سب سے زیادہ عقلی علوم کی سرپرستی کس نے کی؟

(a). ہارون (b). مامون رشید (c). مہدی (d). معتصم باللہ

4. سنسکرت سے کن موضوعات پر لکھی گئی کتابوں کا ترجمہ کیا گیا؟

(a). فلسفہ (b). جغرافیہ (c). تاریخ (d). طب و ریاضی

5. معلم ثانی کس فلسفی کا لقب ہے؟

(a). ابن سینا (b). ابو یعقوب کندی (c). فارابی (d). غزالی

6. القانون فی الطب کس کی تصنیف ہے؟

(a). ابن سینا (b). علی بن عباس (c). رازی (d). ابن جزلہ

7. سدھانت کس کی کتاب ہے جس کا ترجمہ عربی میں کیا گیا؟

(a). چانکیہ (b). برہم گپت (c). وشنو شرما (d). تلسی داس

8. بصریات پر سب سے اہم کام کس کا ہے؟

(a).البیرونی (b).رازی (c).ابن الہیثم (d).کندی

9. جالینوس کی کس فن کی کتاب کا عربی میں ترجمہ کیا گیا؟

(a).ریاضی (b).فلسفہ (c).فلکیات (d).طب

10. پنچ تنتر کا ترجمہ عربی میں کس نے کیا؟

(a).ابراہیم الفزاری (b).حنین بن اسحاق (c).ابن مقفع (d).فضل بن نوبخت

8.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. عباسی عہد میں علوم طب وکیمیا کے ارتقا پر ایک نوٹ تحریر کیجیے۔
2. عہد عباسی میں فن طب پر ایک نوٹ لکھیے۔
3. عہد عباسی میں فلسفے کے ارتقاء پر روشنی ڈالیے۔
4. عہد عباسی میں جغرافیہ کے ارتقاء پر روشنی ڈالیے۔
5. عہد عباسی میں فلکیات پر ایک نوٹ لکھیے۔

8.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. عہد عباسی میں علوم عقلیہ کے ارتقا میں ہارون اور مامون کی خدمات کا جائزہ پیش کیجیے۔
2. عہد عباسی میں عقلی علوم کے ارتقاء پر ایک مفصل مضمون تحریر کیجیے۔
3. عہد عباسی میں عقلی علوم کے اسباب و محرکات کا تفصیل کے ساتھ جائزہ لیجیے۔

8.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. تاریخ تہذیب اسلامی (جلد سوم) : یسین مظہر صدیقی
2. قرون وسطی کے مسلمانوں کے سائنسی کارنامے : غلام قادر لون
3. تمدن عرب : ڈاکٹر گستاؤلی بان (ترجمہ: سید علی بلگرامی)
4. عہد عباسیہ میں فن تعمیر کا ارتقاء : غلام معین الدین
5. تاریخ ملت (جلد دوم) : مفتی زین العابدین و مفتی انتظام اللہ شہابی
6. Legacy of Islam : Editrd by Joseph Schacht and C.E. Bosworth
7. George Sarton:History of Arab
8. تاریخ عرب (Philip K. Hitti:History of the Arabs اردو ترجمہ: مترجم یاسر جواد)

اکائی 9: اغلبی حکومت

اکائی کے اجزا:

9.0 تمہید

9.1 مقاصد

9.2 بنو اَغالبہ کا قیام اور استحکام

9.2.1 سلطنتِ بنو اَغالبہ کا قیام

9.2.2 اَغالبہ کی خود مختاری

9.2.3 اَغالبہ سے سلطنتِ عباسیہ کو مالی فائدہ

9.3 توسیعات

9.4 فنِ تعمیر

9.4.1 اغلبی دور میں قلعوں کی تعمیر

9.5 علوم کا ارتقاء

9.5.1 علمی اور مذہبی زندگی

9.5.2 رفاہی خدمات

9.5.3 افریقہ میں عربی زبان کا فروغ

9.6 سلطنتِ اَغالبہ کا زوال اور خاتمہ

9.6.1 سلطنتِ اَغالبہ کا زوال

9.6.2 سلطنتِ اَغالبہ کا خاتمہ

9.7 اکتسابی نتائج

9.8 نمونہ امتحانی سوالات

9.8.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

9.8.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات
9.8.3 طویل جوابات کے حامل سوالات
9.9 تجویز کردہ اکتسابی مواد

9.0 تمہید

سنہ 181 ہجری میں عباسی حکمران ہارون الرشید نے افریقہ کی ذمہ داری محمد بن مقاتل العکی (رضاعی بھائی) کو سونپی، لیکن وہ اچھے سیاست دان نہیں ثابت ہوئے۔ ان کے تحت افریقہ میں حالات بگڑ گئے اور لوگوں نے بغاوت کر دی، اور سپاہی اس کے خلاف ہو گئے، جس طرح اس کے حاکم نے اس کے خلاف بغاوت کی تھی۔ تیونس کے حاکم، تمام بن تمیم التمیمی نے سنہ 183ھ میں اس کے خلاف بغاوت کا اعلان کر دیا۔

ان حالات میں ابراہیم بن الاغلب افریقہ میں سیاسی واقعات کے منظر نامے پر ابھرے تو ہارون الرشید نے محمد بن مقاتل العکی کو برطرف کر دیا اور ان کی جگہ ابراہیم بن الاغلب کو افریقہ میں سنہ 184ھ میں مقرر کیا۔

ہارون الرشید نے ابراہیم بن الاغلب کو افریقہ کی امارت میں رکھا اور اس کی حمایت کی، خاص طور پر چونکہ الرشید رومیوں کے خلاف جنگ اور مشرق کے مسائل میں مصروف تھا، اور اس کے پاس بحیرہ روم کے علاقوں کی حفاظت کے لیے کوئی بحری بیڑا نہیں تھا۔ نیز اس نے اسے اچھا اور بہتر سمجھا کہ اپنی نگرانی میں وہ ابراہیم بن الاغلب کو افریقہ کی ریاست سنبھالنے دے۔ یہی امارت اغالبہ (أَغَالِبَة)، اغلبیہ، بنو اغلب یا خاندان اغلب (Aghlabids) کی حکومت کہلاتی ہے۔ اس اکائی میں ہم سلطنت اغلبیہ پر روشنی ڈالیں گے۔

9.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد ہے کہ آپ مختلف محاذوں پر ابراہیم بن اغلب کی خدمات اور مرکز سلطنت عباسیہ سے دور افریقہ میں حکومت اغلبیہ کے قیام کے لیے اس کی کوششوں سے واقف ہو سکیں۔ افریقہ کے بربر قبائل سے اغلبی حکمران کس طرح نبرد آزما ہوئے، اور مذہبی علماء و صلحاء سے دینی امور پر کس قسم کا رویہ اپنایا، مساجد اور دیگر عمارتوں کی تعمیر پر کتنی توجہ مبذول کی اور پھر اس سلطنت کا خاتمہ کیسے ہوا، یہ سب مسائل کو آپ کے مطالعہ میں لانا مقصود ہے۔

9.2 بنو اَغالبہ کا قیام اور استحکام

9.2.1 سلطنتِ بنو اَغالبہ کا قیام

عباسی حکمران ہارون رشید کے زمانے میں شمالی افریقہ کا علاقہ (جو موجودہ طرابلس، تیونس (تونس) اور الجزائر پر مشتمل ہے اور جو اموی زمانے ہی سے ایک الگ تھلگ صوبہ چلا آرہا تھا) نیم خود مختار ہو گیا، کیوں کہ مرکزِ سلطنت سے دور ہونے کی وجہ سے اس علاقہ کا انتظام مشکل ہو رہا تھا۔ نیز 171ھ تا172ھ / 788ء تا 789ء میں مراکش نے ادریسوں کے ماتحت علیحدگی اختیار کر لی تھی اور ڈر تھا کہ کہیں اس کے دوسرے حصے بھی الگ ہوتے نہ چلے جائیں، تاہم باعتبار نظم ونسق بھی اس امر کی ضرورت تھی کہ یہاں کوئی مستحکم حکومت قائم ہو، عباسیوں کو مشرق سے تو کوئی خطرہ نہیں تھا، خراسان ان کی دعوت کا مرکز تھا، لیکن دولتِ امویہ کے خاتمے اور مغرب پر تسلط کے باوجود انہیں مصر اور افریقہ سے کوئی خاص تائید حاصل نہیں تھی، اس لیے ہارون رشید نے یہاں کی حکومت مستقل طور پر تیونس کے ایک بربر سردار اور حاکم، دولتِ اغالبہ کے بانی ابراہیم بن اغلب بن سالم تمیمی اور اس کی اولاد کو 184ھ / 800ء میں موروثی طور پر سپرد کر دی۔ اس طرح افریقہ میں ایک نئی حکومت کی بنیاد پڑی جو اغالبہ یا خاندانِ اغلب کی حکومت کہلاتی ہے۔ اغلبی خاندان کی یہ حکومت 184ھ / 800ء سے 296ھ / 908ء تک یعنی ایک سو سال سے زیادہ عرصے تک قائم رہی۔

اغلبی حکومت میں 11 حکمراں رہے ہیں جن کے نام یہ ہیں: ابراہیم بن اغلب، ابو العباس عبد اللہ، ابو محمد زیادۃ اللہ بن ابراہیم، ابو عقال الأغلب بن ابراہیم، ابو العباس محمد، ابو ابراہیم احمد بن محمد بن اغلب، زیادۃ اللہ دوم، ابو الغرانیق محمد بن احمد، ابو اسحاق ابراہیم بن احمد، ابو العباس عبد اللہ دوم اور زیادۃ اللہ سوم۔

9.2.2 اَغالبہ کی خود مختاری

اَغالبہ کی حکومت کے قیام کے بعد سے افریقہ کی ایک جدید تاریخ شروع ہوتی ہے۔ اغلبی حکومت تیسری صدی ہجری / نویں صدی عیسوی میں تقریباً سو برس سے زائد تک اپنے داخلی وخارجی نظام سیاست میں عملاً خود مختار (autonomous) اور آزاد حکومت تھی، صرف تخت نشینی کے بعد عباسی حاکم سے ضابطہ کی منظوری حاصل کی جاتی۔ تاہم اغلبی حکومت، عباسی سلطنت کو تسلیم کرتی اور ہر سال چالیس ہزار دینار کی رقم باقاعدگی سے دیا کرتی تھی، جو اس بات کا ثبوت تھا کہ حکومت عباسی سلطنت کا حصہ ہے۔ اندرونی طور پر خود مختار صوبوں کے قیام کا یہ پہلا تجربہ تھا جو دولت عباسیہ نے کیا اور کامیاب رہا۔

9.2.3 اَغالبہ سے سلطنتِ عباسیہ کو مالی فائدہ

اغلبی حکومت کے قیام کے پیشتر تک عباسی خلفاء کو افریقہ کی اسلامی حکومت سے کسی قسم کا کوئی مالی نفع حاصل نہ تھا، بلکہ خود اس صوبہ کو جس پر صرف مصر کی سرحد کی حفاظت کے لیے اقتدار رکھنا ضروری سمجھا جاتا تھا، خزانۂ مصر سے سالانہ ایک لاکھ دینار ادا کئے جاتے تھے جن سے یہاں امن وامان قائم رکھا جاتا تھا۔ ابراہیم بن اغلب نے افریقہ کو ایک آزاد صوبہ بنانے کے لیے حاکم وقت ہارون رشید سے

درخواست کی اور ساتھ ہی خزانۂ مصر سے افریقہ کو دی جانے والی امداد بند کرا دینے اور خود حکومتِ افریقہ سے یعنی اَغالبہ سے سالانہ چالیس ہزار دینار قبول کرنے کی درخواست کی جسے ہارون رشید نے بہ خوشی قبول کر لیا۔

افریقہ کی داخلی شورشیں

اغالبہ نے ہمت اور سیاسی سمجھ بوجھ کے ذریعہ افریقہ کی داخلی شورشوں اور باغیانہ حالات پر قابو پایا۔ اغلبی حکومت کی سرحدوں، افریقہ کے جنوب اور قریب قریب تمام مغربِ وسطی پر خارجیت کا تسلط تھا، اُدھر قبائل خُرد (Lesser Kabylia) کے کتامہ کی شیعیت سے وابستگی آگے چل کر اس خاندان کے زوال کا باعث بننے کو تھی، تیونس اور خود قیروان بھی مخالفت کے مراکز تھے اور سب سے زیادہ شورش انگیز الجُند کے عرب تھے، جو مقامی باشندوں سے نفرت وحقارت کا برتاؤ کرتے اور ملک کے حکمرانوں کے ساتھ جھگڑتے اور معاملات میں لالچ کا مظاہرہ کرتے تھے، ابراہیم بن اغلب اول نے جہاں بربر بغاوت کے آخری فتنہ کو فرو کیا وہیں اس نے حمدیس بن عبد الرحمن الکندی (186ھ مطابق 802ء) اور عمران بن مخلّد (194ھ مطابق 809ء) کی بغاوتوں کو جن میں قیروانیوں کا ہاتھ تھا فرو کیا۔ اسی خطرے کے پیشِ نظر اس نے قیروان سے دو میل جنوب کی طرف القصر القدیم یا العباسیۃ شہر آباد کرایا اور الجُند کے قابل اعتماد سپاہیوں اور اپنے زر خرید سیاہ فام محافظ دستوں کے ساتھ وہیں مقیم ہو گیا تھا۔

تیسرے اغلبی حکمراں ابو محمد زیادۃ اللہ (201ھ مطابق 817ء تا 223ھ مطابق 838ء) کے عہد حکومت میں قیروانیوں کے تعاون سے منصور بن نصر التُنبذی کی تحریک پر ایک اور بھی زیادہ سنگین عرب بغاوت رونما ہوئی۔ باغیوں نے ماسوا قابس اور اس کے گرد وپیش کے علاقوں کے تقریباً پورے افریقہ پر قبضہ کر لیا، لیکن الجرید کے بربروں کی مدد سے زیادۃ اللہ نے اپنا اقتدار دوبارہ حاصل کر لیا۔ التُنبذی کو ہتھیار ڈالنے کے بعد قتل کر دیا گیا۔

بعض موقعوں پر علماء اور صلحاء بھی اغلبی حکومت کے لیے کچھ مشکلات پیدا کر دیتے تھے۔ علماء چاہتے تھے کہ ہر امر میں شریعت کا لحاظ رکھا جائے اور طاقت کا بے جا استعمال نہ ہو، دوسری طرف حکّامِ وقت کے لیے ناممکن تھا کہ امورِ حکومت میں اپنی بنائی ہوئی روش کو بنیادی طور پر بدل دیں، یوں رعایا اور حکّام کے تعلقات میں اکثر کشیدگی پیدا ہو جاتی تھی، چنانچہ پچھلی مسلم حکومتوں کے طریقہ کے برخلاف دوسرے اغلبی امیر ابو العباس عبد اللہ بن ابراہیم (197ھ مطابق 812ء تا 201ھ مطابق 817ء) نے ایک مالی اصلاح نافذ کی اور وہ یہ تھی: فصلوں پر عُشر کی شکل میں خراج بالجنس کی جگہ ایک معیّنہ نقد رقم کی صورت میں لگان۔ اس اقدام کے خلاف شدید احتجاج رونما ہوا اور اس کی موت کو عذابِ الٰہی تصور کیا گیا۔

9.3 توسیعات

- جزیرۂ صقلیہ کی تسخیر

اغلبی حکومت کا سب سے بڑا کارنامہ جزیرۂ صقلیہ (Sicily) کی تسخیر اور بحری قوت کی ترقی ہے۔ اس دور میں نہ صرف یہ کہ جزیرۂ

صقلیہ فتح کیا گیا، بلکہ جنوبی اٹلی پر مسلمانوں کا تسلط قائم ہوا اور اس پر یلغار کا راستہ بھی کھل گیا، اغلبی حکومت کا بحری بیڑہ اتنا طاقتور ہو گیا تھا کہ مغربی بحیرۂ روم (Mediterranean Sea) میں کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ ابراہیم بن اغلب کے بعد اس کے بیٹے عبد اللہ بن ابراہیم نے عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لی، 50 سال کے مسلسل حملوں کے بعد بحیرۂ روم کا جزیرۂ صقلیہ اس کے جانشین تیسرے اغلبی حاکم زیادۃ اللہ اول کے دور میں فتح ہوا۔ اس جزیرہ پر فوج کشی کی ابتداء معاویہ بن حدیج ہی کے عہد یعنی 31ھ / 652ء سے ہو چکی تھی۔ صقلیہ پر باضابطہ فوج کشی نویں صدی عیسوی میں اغلبیوں نے شروع کی۔ دراصل بحیرۂ روم کی سیادت کے لیے عربوں اور بازنطینیوں میں برابر کشمکش جاری تھی، جب بازنطینی سلطنت (Byzantine Empire) نے زیادۃ اللہ کے دور میں رونما ہوئی بغاوت کے دوران ساحل افریقہ پر تاخت و تاراج شروع کی اور سرقسطہ (Saragossa) کے ایک باغی نے بازنطینی گورنر کے خلاف سرکشی کر کے 211ھ / 827ء میں اغلبیوں سے مدد مانگی تو زیادۃ اللہ اول نے 211ھ / 827ء میں مشہور فقیہ و قاضی اور وزیر اسد بن فرات کو اس دینی اور قومی مہم پر روانہ کیا، ان کے ساتھ دس ہزار فوجیوں پر مشتمل ستّر یا سو سمندری جہاز تھے۔ اسد بن الفرات نے کئی معرکوں کے بعد یہ عظیم فتح حاصل کی، بعد ازاں وہ جزیرۂ صقلیہ کے دوسرے شہروں پر قبضہ جماتے گئے اور بازنطینی بحری طاقت کے اس عظیم مستقر کو سلطنتِ اغالبہ کا حصہ بنالیا۔

- **فاتحِ صقلیہ قاضی اَسد بن فُرات**

متعدد اسباب کی وجہ سے اغلبی حکمراں زیادۃ اللہ (223ھ-201ھ / 838ء-817ء) نے قاضی قیروان اسد بن فرات نیشاپوری کو صقلیہ (Sicily) کی فتح کا سالارِ اعلیٰ مقرر کیا۔ وہ امام ابو حنیفہ کے قابل شاگردوں امام ابو یوسف اور امام محمد شیبانی کے شاگرد ہونے کے علاوہ امام مالک بن انس کے بھی شاگرد تھے۔ وہ بڑے عالم اور محدّث بھی تھے، نیز وہ فقہِ مالکی کی معروف کتاب "الأسدیۃ" کے مصنف ہیں، غالباً اغلبی حکمراں ان کے ذریعہ لشکر میں روحِ جہاد پھونکنا چاہتے تھے۔ ان کی فوج میں متعدد مسلم طبقات کے لوگ تھے، جیسے عرب، بربر، اقریطش (کریٹ) کے اندلسی اور کچھ ایرانی بھی۔ ان کے ساتھ سوسہ کے متعدد علماء، فقہاء اور مجاہدینِ اسلام بھی گئے تھے۔

- **قیروان اَغالبہ کا دار الحکومت**

اغالبہ کا دار الحکومت شہر قیروان (قریب قدیم کارتھیج / قرطاجنہ) تھا جس کی بنیاد امیر معاویہ کے دور میں مشہور اسلامی سپہ سالار عقبہ بن نافع الفہری نے رکھی تھی۔ قیروان کا نام دخیل ہے اس سے مراد لشکر کے پڑاؤ کی جگہ یا جنگ میں لوگوں کے جمع ہونے کی جگہ ہے۔ بہت کم مدت میں قیروان ایک مضبوط قلعہ بن گیا جہاں سے فاتحین اسلام کے لشکروں نے شمالی افریقہ کی طرف کوچ کیا۔ قیروان کی عمارتوں میں بھی اسلامی فن تعمیر کے بڑے دلکش تعمیری مظاہر موجود ہیں۔ اغلبی خاندان کے دور حکومت میں قیروان شمالی افریقہ میں علوم و فنون کا سب سے بڑا مرکز بن گیا تھا۔ اغلبی عہد میں قیروان کو بڑی ترقی ملی، متعدد عمارتیں بنوائی گئیں اور دوسرے تہذیبی کارنامے انجام دیے گئے۔ اغالبہ میں زیادۃ اللہ اول اور ابراہیم نے حاکم ہشام اموی کے تالابوں کے برابر مزید تالاب اور حوض بنوائے، ان میں سے سب سے بڑا تالاب اغلبی کے نام سے مشہور ہے۔

- صنعت و حرفت کی ترقی

اغالبہ کے قبضہ میں تیونس، قیروان، طرابلس اور مصر جیسے جو افریقی ممالک تھے، وہاں انہوں نے مسلم تہذیب و تمدن کو خوب فروغ دیا۔ انہوں نے علوم و فنون، صنعت و حرفت اور تجارت و زراعت کی ترقی میں بڑی کوشش کی، جگہ جگہ تجارت کی منڈیاں قائم کیں، جن سے صحرائی قوموں اور سواحل کے باشندوں کے درمیان آمد و رفت کی سہولتیں فراہم ہو گئیں۔ انہوں نے نئی نئی سڑکیں نکالیں، ان میں امن و امان کا بڑا بندوبست کیا، ڈاک کے راستوں اور مقامات کی نگرانی عمائدینِ شہر کو سپرد کی، نیز ان مقامات میں خاص نگراں مقرر کیے، ان میں پیدل ہرکارے اور سوار قاصد ڈاک لے جایا کرتے تھے اور یہ ڈاک حدودِ مغرب کی ابتداء سے مملکتِ مصر کے حدود تک برابر آتی جاتی تھی، علاوہ بریں اغالبہ نے بڑی کشتیوں کا بیڑہ بھی تیار کیا جس کے ذریعہ سے بحرِ متوسط (Mediterranean Sea) پر حکومت کرتے تھے۔

9.4 فنِ تعمیر

اغالبہ فنِ تعمیر کے بڑے شائق تھے۔ انہوں نے افریقی ملکوں کو مہذب بنایا۔ جو اسلامی تمدّن شام اور عراق میں جاری تھا، وہی تمدّن انہوں نے یہاں بھی جاری کیا۔ انہوں نے قصر قدیم (عبّاسیہ) اور رقّادہ دو نئے شہر آباد کیے، وہ کبھی تیونس، کبھی قیروان اور کبھی طرابلس میں رہتے تھے جس سے یہ سب شہر ایسی عمارتوں سے معمور ہو گئے جن میں مادّۂ قوسین بنائی جاتی تھیں اور بڑے بڑے آراستہ و پیراستہ ستون قائم کیے جاتے تھے اور رومانی طرز تعمیر پر ہوتے تھے اور ایسی ندیوں پر جہاں بارش کی وجہ سے تیز رو سیلاب جاری ہو جاتے تھے، انہوں نے پُل بنوائے (اور بند بندھوائے)۔ شاہی محلات میں قصر القدیم، الرصافہ اور الرقادہ وغیرہ ہیں، اسی طرح ان کے تعمیری کارناموں میں حمام اور کارواں سرائیں جیسی دوسری عمارتیں ہیں۔

- جامع القیروان

قیروان کی مشہور عالی شان بڑی مسجد جامع القیروان کی بنیاد تقریباً 59ھ /670ء میں عقبہ بن نافع نے ڈالی تھی اور جس میں آٹھویں صدی کے دوران دو دفعہ ترمیم و تجدید ہوئی، دراصل بنو اغلب ہی نے بنوائی تھی۔ 206ھ / 821ء میں اس کی دوبارہ تعمیر زیادۃ اللہ دوم سے منسوب ہے، زیادۃ اللہ کے علاوہ دو اور امراء ابو ابراہیم اور ابراہیم دوم نے اس میں مزید تعمیرات کیں اور اس کے ایوان کو وسیع کیا۔ اس مسجد کی تیاری میں قدیم کارتھج کے کھنڈرات سے سنگ مرمر کے ستون اور دیگر سامان حاصل کیے گئے۔ مسجد کے مینار اموی اور شامی طرز کے مربع تراش عمودی اور پتھر کے تھے۔ شمالی افریقہ میں تعمیر کا یہی طریقہ جاری رہا، مصر کے بعد کے میناروں کی طرح ان کی تراش دائری نہ تھی اور نہ وہ اینٹ سے بنائے جاتے تھے۔ اس مسجد میں محاصل (taxes) کے اعلان کا مرکز بھی تھا، وہاں فوجی ٹریننگ بھی ہوتی تھی، درس و تدریس کے حلقے بھی ہوتے تھے، نیز سیاست کے داؤ پیچ پر بھی مباحثے ہوتے تھے۔ مسجدِ قیروان میں جہاں بڑی دلکش تعمیری مہارت کا حسن موجود تھا، وہیں یہاں سے معاشرے کی بہت سی ضروریات پوری ہوتی تھیں۔ اس مسجد کی وجہ سے قیروان، مکہ مدینہ اور

یروشلم کے بعد اسلامی دنیا میں سب سے زیادہ مقدس شہر تصور ہونے لگا۔

- ابو فتیانہ مسجد

زیادۃ اللہ اغلبی (223ھ-201ھ / 838ء-817ء) کے جانشیں ابو عقال اغلب کے عہد میں سوسہ کی ابو فتیانہ مسجد تعمیر ہوئی اور اس میں تقریباً اسی زمانہ میں مزید تعمیرات عمل میں آئیں، ابو العباس محمد نے بڑی مسجد کے ساتھ اس کے لیے وقف قائم کیا جو اب تک موجود ہے، احاطے کی دیواریں بھی اب تک محفوظ ہیں اور یہ ابو ابراہیم احمد کے زمانے میں (249ھ-242ھ / 863ء-856ء) تعمیر کی گئی تھیں۔ ابو ابراہیم کو افریقہ کی تعمیراتی تاریخ میں اپنے پورے خاندان میں ممتاز ترین حیثیت حاصل ہے۔ اسی حکمراں نے تیونس کی جامع مسجد بھی تعمیر کرائی تھی۔

- جامع زیتونہ

جامع زیتونہ تیونس کی عظیم ترین مسجد ہے، 114ھ / 732ء میں اس کی تعمیر مکمل ہوئی۔ 226ھ / 840ء میں اغالبہ کے عہد میں اسے دوبارہ تعمیر کیا گیا، پھر اس مسجد سے نظام تعلیم بھی جوڑ دیا گیا، اس طرح یہ مسجد مصر کی جامع ازہر کی طرح ایک جامع زیتونہ بن گئی۔ یہاں تاریخ و فلسفہ اور ادبی موضوعات کی تعلیم ہونے لگی۔ مسجد سے ملحق بڑی لائبریری قائم کی گئی، اس لائبریری میں 40 ہزار مخطوطے تھے۔ 1957ء میں تیونس جب ایک اسلامی جمہوریہ بنا تو اس کے پہلے صدر حبیب بورقیبہ (صدارت: 1987ء-1957ء) نے جامع زیتونہ کو ایک عصری تعلیم کے کالج میں تبدیل کر دیا۔ تیونس کے دوسرے صدر زین العابدین بن علی (صدارت: 2011ء-1987ء) نے حبیب بورقیبہ کے خلاف بغاوت کر کے جب زمامِ اقتدار اپنے ہاتھ میں لی تو اس نے جامع زیتونہ کو اپنی مدتِ صدارت میں دوبارہ اس کی سابقہ حالت پر لوٹا کر اسے اسلامی یونیورسٹی بنایا۔ تاریخ میں اس یونیورسٹی کی پیدا کردہ بے شمار علمی شخصیات اور بڑے علماء کا تذکرہ ملتا ہے۔

- جامع کبیر اور دیگر مساجد

تیونس کی جامع کبیر کی تعمیر ابو ابراہیم احمد اغلبی کی طرف منسوب ہے جو قیروان کی مسجد کی طرح ایک قدیم تر مسجد کی جگہ بنائی گئی تھی، جسے اب ناکافی سمجھا جانے لگا تھا۔ اغلبی دور کی دوسری مساجد میں تین دروازوں والی مسجد، مسجدِ سیدی صاحب اور مسجد الأنصار وغیرہ ہیں۔

9.4.1 اغلبی دور میں قلعوں کی تعمیر

ابو ابراہیم احمد نے افریقہ میں تقریباً دس ہزار قلعے تعمیر کیے جو پتھر اور گچ سے بنائے گئے تھے اور جن میں لوہے کے دروازے نصب تھے۔ اس نے ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ نیز مغربی سرحد پر بہت سے قلعے بنوائے، جن میں سے کئی شاید بازنطینی Limes کے مستحکم مقامات تھے، جنہیں اس نے از سر نو تعمیر کیا، سوسہ میں فصیل جو ایک کتبے کی رو سے 245ھ / 859ء سے چلی آ رہی ہے بظاہر حضر موت-تیونس (Hadrumetum) کی قدیم دیوار پر بنائی گئی تھی۔ اسی طرح مَحرِس (Mahres) کے جنوب میں تیونس کے ساحل پر

بُرج بُنگہ بھی جو اغلبی عہد کا ہے ایک بازنطینی قلعہ تھا جس کی بنیادوں پر مسلم معماروں نے نئی عمارت کھڑی کر دی۔

- **اغلبی فنِ تعمیر میں عیسائی اور اسلامی فنون کی آمیزش**

عمارتوں کی ساخت اور آرائش پر اگرچہ عیسائی افریقہ کی موروثی روایات کا خاصا اثر ہوا، تاہم اغلبی فن تعمیر نے شام، مصر اور عراق جیسے مشرقی مآخذ سے بھی استفادہ کیا ہے جس سے ایک نیا اور مخصوص اسلامی فن تعمیر ظہور میں آیا اور اس کا نمونہ القیروان کی جامع کبیر ہے۔

9.5 علوم کا ارتقاء

9.5.1 علمی اور مذہبی زندگی

اغالبہ کے دور میں قیروان اسلامی مذہبی زندگی اور علم وادب کا ایک بڑا مرکز تھا، وہاں حنفی اور مالکی مسالک کی نمائندگی یکساں طور پر بخوبی کی جاتی تھی، لیکن امام شافعی کی فقہ رائج نہیں ہوئی، مخصوص طور پر اغالبہ کے ماتحت قیروان مالکی دبستان (school) کا مضبوط ترین مرکز بن گیا۔ اس زمانے کی بعض ممتاز ترین فقہی شخصیتیں جن کی تصانیف کم و بیش باقی رہ گئی ہیں حسب ذیل ہیں: الأسدیۃ کے مصنف قاضی اسد بن الفرات (م 213ھ / 828ء)، المدوّنۃ (فقہ مالکی کی ضخیم تلخیص) کے مصنف سَحنُون (م 240ھ / 854ء)، یوسف بن یحییٰ (م 288ھ / 901ء)، ابوزکریا یحیی بن عمر الکنانی (م 289ھ / 902ء)، عیسی بن مِسکین (م 295ھ / 908ء) اور ابو عثمان سعید بن محمد ابن الحدّاد (م 302ھ / 915ء)۔

اغلبی دورِ حکومت میں صقلیہ میں بعض اہم فقہی تصانیف ترتیب دی گئیں، ان میں سے ایک اہم کتاب امام یحییٰ بن عمر الکنانی کی تھی جو صقلیہ اور شمالی افریقہ دونوں جگہ مقبول تھی۔ امام سحنون کے ایک اہم شاگرد دعانہ بن محمد (وفات 298ھ / 910ء) اغلبی دور میں صقلیہ کے قاضی القضاۃ رہے تھے۔

علمِ کلام کے میدان میں بھی اغالبہ کے عہد میں قیروان متعدد آراء وخیالات کا مرکزِ اجتماع تھا، راسخ العقیدۃ لوگوں، جبریہ، مرجئہ، معتزلہ اور آخر میں اِباضیہ کے درمیان زوردار اور بعض وقت پُر تشدد بحث ومباحثے ہوا کرتے تھے۔ اسد بن فرات کے برخلاف سلیمان بن الفرّاء مؤمنوں کی رؤیت باری تعالی کا منکر تھا، اسی طرح قاضی سحنون کے بالمقابل ان کے پیشرو عبد اللہ بن ابی الجواد کی رائے تھی کہ قرآن مخلوق ہے، اس آخری عقیدے کے بارے میں اغالبہ کی مذہبی روش خلفاء بغداد کی روش کے تابع تھی۔

9.5.2 رفاہی خدمات

افریقہ کے ان عرب حکمرانوں کو تدبیر اور جہاں بانی سے خاصا بہرہ ملا تھا۔ انہوں نے رفاہ عامہ کو ترقی دی، تہذیب وتمدن کے نشوونما میں حصہ لیا۔ ریاست کی آمدنی کو اس قدر قابلیت اور توازن سے خرچ کیا کہ ان کے زیر اقتدار شمالی افریقہ میں علوم وفنون کو تحریک ملی، ملک میں خوش حالی اور فارغ البالی کی لہر دوڑ گئی اور اس طرح وہاں ایک نئی زندگی پیدا ہو گئی۔ چنانچہ اس نشأۃِ ثانیہ کے آثار آج بھی جگہ جگہ موجود ہیں اور اغالبہ کی شان وشوکت اور بلند نظری کی چغلی کھا رہے ہیں۔ اس خاندان نے عرب اور بربر کے اخلاق اور دین کو متحد کر کے

نکاح کے ذریعہ دونوں کے خون کو باہم مخلوط کر دیا اور غیرت کی وجہ سے ان میں جو بغض وحسد اور نفرت تھی، وہ سب جاتی رہی، شام اور عراق کے اسلامی تمدن کو افریقی علاقوں میں بھی جاری کیا۔

9.5.3 افریقہ میں عربی زبان کا فروغ

اغلبیوں کے زمانے میں افریقہ کی زبان بجائے لاطینی کے عربی قرار پائی اور اس کے باشندوں کا مذہب بجائے عیسائیت، اسلام بن گیا۔ سنٹ آگسٹائن (St. Augustine) اور دوسرے لاطینی تہذیب وتمدّن کے شمالی افریقی بانیوں کی تمام کوششیں یک لخت بیکار ہو گئیں۔

9.6 سلطنتِ اَغالبہ کا زوال اور خاتمہ

9.6.1 سلطنتِ اَغالبہ کا زوال

اگرچہ اغلبی حکومت میں اضمحلال اس کے نویں فرماں روا ابراہیم بن احمد کے آخری دور حکومت سے شروع ہو چکا تھا، وہ اس طور پر کہ اس نے 28 سال فرماں روائی کی، وہ اپنی تخت نشینی کے ابتدائی عرصہ میں ایک بہترین فرماں روا ثابت ہوا۔ اس کے عہد حکومت کے چھ سات سال گذرے تھے کہ وہ ذہنی خلل اور دماغی عدمِ توازن کا شکار ہو گیا، اس مرض سے اس کے تمام اوصاف حمیدہ عادات رذیلہ میں تبدیل ہو گئے، عمّال کو بار بار عزل ونصب کرنے لگا، ذرا ذرا سی بات پر قتل کے واردات سرزد ہونے لگے، اس کے طویل دور مظالم کے نتائج و عواقب کے طور پر سرزمین افریقہ میں دعوت اسماعیلی پورے طور پر بار آور ہو گئی۔ بہر حال ابراہیم کی ذات جہاں صقلیہ (Sicily) میں فتوحات اسلامی کی تکمیل کا باعث بنی، وہیں صرف اسی کی شخصیت دولتِ اغالبہ کے زوال کا موجب بنی۔

تاہم دسویں فرماں روا ابو العباس عبد اللہ دوم (291ھ-290ھ / 903ء-902ء) نے اپنی چند روزہ حکومت میں حالات بہت کچھ درست کر لیے تھے اور یہ توقع پیدا ہوئی تھی کہ حکومت اغلبیہ کی متزلزل بنیاد کچھ دنوں کے لیے سنبھل جائے اور شاید وہ دعوتِ اسماعیلی کے استیصال میں کامیاب ہو جائے کہ اچانک خاندانِ اغالبہ کے گیارہویں اور آخری حکمراں اس کے ناخلف لڑکے ابو مضر زیادۃ اللہ سوم (207ھ-291ھ / 909ء-903ء) نے اپنے باپ ابو العباس کو قتل کروا کے دولت اغلبیہ کے زوال میں آخری کیل ٹھونک دی اور اس نے برسرِ اقتدار آتے ہی کشت وخون کا بازار گرم کر دیا۔ اس نے اپنی شخصی حکومت کے استحکام اور اپنی ہوس پوری کرنے کے لیے پہلے خود اپنے عزیز واقارب کو پھر حکومت کے دوسرے عہدیداروں کو تہہِ تیغ کیا، جس سے دولتِ اغالبہ کے خلاف ملک میں بد دلی پیدا ہو گئی۔ افریقہ کے اعیان وعلماء ابراہیم بن احمد کے وقت ہی سے نظام حکومت سے رفتہ رفتہ علیحدہ ہو گئے تھے۔

9.6.2 سلطنتِ اَغالبہ کا خاتمہ

دوسری طرف افریقہ میں دعوتِ اسماعیلی کی بنیادیں قدرۃً مضبوط ہو گئیں۔ دعوتِ اسماعیلی کے سرخیل اور داعی ابو عبد اللہ الشیعی نے اپنی کامیابی کے توقعات دیکھ کر فرقۂ اسماعیلی شیعی کے امام فاطمی حکمران ابو عبید اللہ المہدی کو افریقہ بلا بھیجا، اکثر مقامات کتامہ بربروں کی مدد سے جنہیں اس نے شیعہ مذہب کا حلقہ بگوش بنالیا تھا، بلا مزاحمت اسماعیلیوں کے قبضے میں آ گئے، اغالبہ کا لشکر ابراہیم بن ابی الأغلب کی

سرکردگی میں مقابلہ کر رہا تھا۔24 جمادی الأخری 296ھ / 908ء کو ایک معرکۃ الآراء جنگ میں ابراہیم کو شکست ہوئی اور یہی اغالبہ کی حکمرانی کا سب سے آخری میدان ثابت ہوا۔ابو مضر زیادۃ اللہ سوم اس شکست سے حواس باختہ ہو گیا، اس نے حکومت کی فوج کے چیدہ قائدین اور بہی خواہوں کے لاکھ روکنے کے باوجود تخت و تاج چھوڑ کر فرار ہو جانے کا قصد کر لیا۔ چنانچہ 26 جمادی الأخری 296ھ / 908ء کو اغالبہ کا یہ آخری تاجدار قصر شاہی سے جس قدر دولت و ثروت کا انبار ساتھ لے جا سکتا تھا، اونٹوں پر لاد کر اور اپنے تمام اہل و عیال اور عزیز و اقارب کو دشمنوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر رقّادہ سے براہِ طرابلس، مصر فرار ہوا، آخر اثنائے سفر میں رملہ (فلسطین) پہنچ کر فوت ہو گیا۔

اسی کے ساتھ دولتِ اغالبہ کا آفتابِ اقبال 26 جمادی الأخری 296ھ / 908ء کو ایک سو گیارہ سال اور تین مہینے (یا ایک سو نو سال) کے بعد سرزمین افریقہ سے ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔

9.6.2.1. صقلیہ سے اَغالبہ کا خاتمہ

افریقہ میں ابو عبد اللہ کی زیر قیادت اغلبی حکومت کے خاتمہ اور دولتِ فاطمی کے قیام کے بعد صقلیہ کا آخری اغلبی والی (گورنر) احمد بن حسین بن رباح پندرہ دن تک اپنی جگہ پر برقرار رہا، اس کے بعد صقلیہ میں از خود دولتِ فاطمیہ کا استقبال کیا گیا اور 11 / رجب 296ھ / 908ء سے صقلیہ میں بھی نئی فاطمی حکومت قائم ہو گئی۔

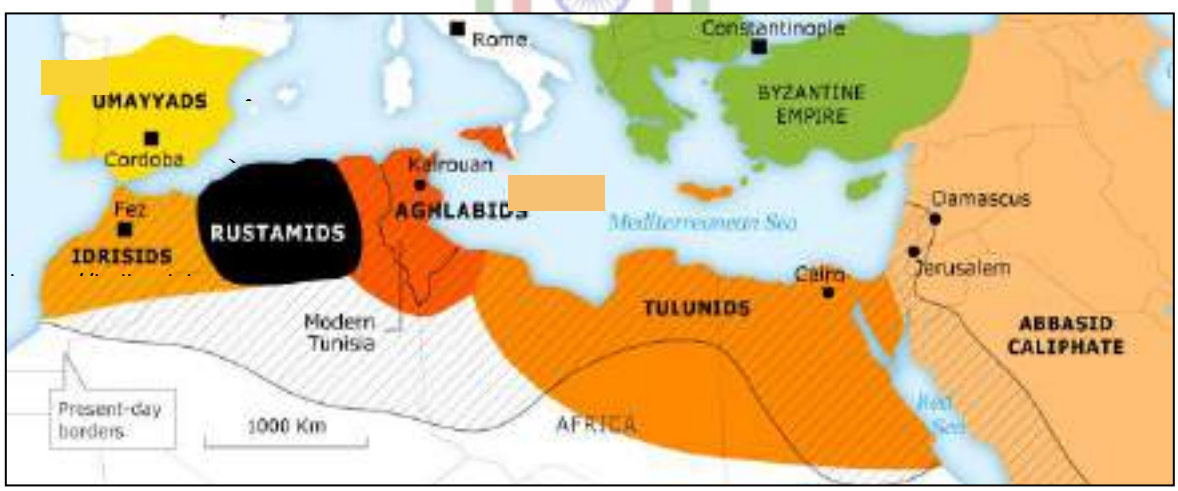

9.7 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- اغالبہ نے ایک سو گیارہ سال اور چند مہینے افریقہ کے حکومت کی اور اس مدت میں گیارہ فرماں رواؤں مسند حکومت سنبھالی اور اس قلیل عرصہ میں مشکل سے 75 برس ایسے نکلیں گے جن میں امن و امان قائم رہا۔

- اسی قلیل ترین عہد حکومت میں اغالبہ نے محض اپنی قوت بازو سے تقریبا تمام شمالی افریقہ کو زیرِ نگیں کیا اور ان کے حدودِ حکومت سواحل بحیرۂ روم کا احاطہ کرتے ہوئے حدودِ مصر تک جا پہنچے۔
- شمالی افریقہ کا تمام علاقہ جو اغالبہ کے ماتحت تھا چوں کہ بحر روم (Mediterranean Sea) کے سواحل پر آباد تھا، اس لیے انہوں نے بحری طاقت میں نمایاں امتیاز حاصل کر لیا تھا، چنانچہ ابن خلدون کے بہ قول افریقہ اور اندلس کی اسلامی حکومتوں کی بحری طاقتیں اس زمانہ میں دنیا کی سب سے بڑی بحری طاقتیں تھیں۔
- بحر روم کے تمام جزائر افریقہ اور اندلس دونوں اسلامی حکومتوں کے زیر اقتدار آ گئے تھے۔
- اغالبہ جزیرۂ صقلیہ (Sicily) کے علاوہ بحر روم کے اور بہت سے دوسرے جزیروں پر بھی قابض ہوئے۔ پھر وہ سواحل اٹلی پہنچے، اس سے آگے بڑھ کر اندرونِ اٹلی میں داخل ہوئے اور پھر ساحلِ فرانس سے جا کر ڈانڈے ملا دئے۔
- جزائر مالٹا اور سردانیہ پر بھی اغالبہ کا قبضہ ہو گیا تھا۔ یہاں تک کہ شہر روما پر بھی فوج کشی کی گئی، اسی زمانہ میں اغلبی مسلمان جزیرہ کریٹ (اقریطش) سے نکل کر بحیرۂ یونان (Aegean Sea) کے جزائر پر بھی حملے کرنے لگے اور دسویں صدی عیسوی کے وسط تک یونان کے سواحل کو بھی پامال کرنا شروع کر دیا۔
- اغالبہ کے دور میں قیروان اسلامی مذہبی زندگی اور علم وادب کا ایک بڑا مرکز تھا، وہاں حنفی اور مالکی مسالک کی نمائندگی یکساں طور پر بخوبی کی جاتی تھی، مخصوص طور پر اغالبہ کے ماتحت قیروان مالکی دبستان (school) کا مضبوط ترین مرکز بن گیا۔
- اغالبہ فنِ تعمیر کے بڑے شائق تھے۔ انہوں نے افریقی ملکوں کو مہذب بنایا۔ جو اسلامی تمدّن شام اور عراق میں جاری تھا، وہی تمدّن انہوں نے یہاں بھی جاری کیا۔ انہوں نے قصر قدیم (عبّاسیہ) اور رقّادہ دو نئے شہر آباد کیے۔ سیلاب زدہ علاقوں میں پل بنوائے۔ اسی طرح اغلبی دور قلعوں اور مساجد کی تعمیر کے لیے بھی مشہور ہے۔
- اغلبیوں کے زمانے میں افریقہ کی زبان بجائے لاطینی کے عربی قرار پائی اور اس کے باشندوں کا مذہب بجائے عیسائیت، اسلام بن گیا۔

9.8 نمونہ امتحانی سوالات

9.8.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. سلطنتِ اغالبہ کا پہلا حکمراں تھا:

(a) ابو عقال الاغلب (b) ابراہیم بن الاغلب (c) الاغلب بن سالم (d) تمام غلط

2. بنو اغالبہ کا قیام کس سن میں ہوا؟

(a) 800ء (b) 700ء (c) 908ء (d) 708ء

3. بنو اغالبہ کا خاتمہ کس سن میں ہوا؟

(a)800ء (b)700ء (c)908ء (d)708ء

4. کس عباسی حکمراں نے افریقہ کی ذمہ داری ابراہیم بن الاغلب کو سونپی؟

(a)المنصور (b) المامون (c)ہارون رشید (d)المتوکل

5. اغالبہ بحر روم کے کئی جزیروں پر قابض تھے۔ان میں سے یہ نہیں ہے:

(a)صقلیہ (b) مالٹا (c)سردانیہ (d)قبرص

6. اغالبہ کا دارالحکومت شہر... تھا۔

(a)فسطاط (b) قاہرہ (c)قیروان (d)زیتونہ

7. فاتحِ صقلیہ کسے کہا جاتا ہے؟

(a)اَسد بن فُرات (b) عقبہ بن نافع (c)طارق بن زیاد (d)محمد بن مقاتل

8. اغلبی حکومت میں کتنے حکمراں رہے؟

14(a) 11 (b) 10(c) 9(d)

9. تونس کی جامع کبیر کی تعمیر کس کی طرف منسوب ہے؟

(a)ابوابراہیم احمد الاغلب (b) ابوعقال الاغلب (c)زیادۃ اللہ ثانی (d)تمام غلط

10. اغلبی دور میں شاہی محلات میں سے ہے:

(a)قصر القدیم (b) الرصافہ (c)الرقادہ (d)تمام صحیح

9.8.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. سلطنتِ بنو اغالبہ کا قیام کب اور کیسے عمل میں آیا؟ بیان کیجیے۔
2. اغلبی حکومت کے حکمرانوں پر اپنی معلومات قلم بند کیجیے۔
3. اغالبہ کے دور میں علوم کی ترقی پر روشنی ڈالیے۔
4. اغالبہ حکومت میں توسیعات کا جائزہ لیجیے۔
5. جامع القیروان پر ایک نوٹ لکھیے۔

9.8.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. اغالبہ کے دور میں فنِ تعمیر و ترقی پر روشنی ڈالیے۔
2. سلطنتِ بنو اغالبہ کا زوال و خاتمہ پر ایک مضمون لکھیے۔

3. حکومتِ بنو اغالبہ کا ایک اجمالی خاکہ پیش کیجیے۔

9.9 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. العالم الاسلامی فی العصر العباسی : ڈاکٹر حسن احمد محمود اور احمد ابراہیم شریف
2. حضارۃ مصر فی العصر الطولونی : حسن احمد محمود، قاہرہ
3. تاریخِ صقلیہ (جلد اول) : سید ریاست علی ندوی، دار المصنفین
4. دائرہ معارف اسلامیہ (ج:2،12) : متعدد مصنفین، پاکستان
5. تاریخِ اسلام، ج3 (خلافتِ عباسیہ، جلد اول و دوم) : شاہ معین الدین احمد ندوی، دار المصنفین، اعظم گڑھ، یوپی
6. تاریخِ ملت، جلد ہفتم (تاریخِ مصر و مغربِ اقصیٰ) : مفتی حکیم انتظام اللہ شہابی اکبر آبادی، ندوۃ المصنفین، اعظم گڑھ، یوپی
7. تاریخ تہذیبِ اسلامی (حصہ سوم و چہارم) : محمد یٰسین مظہر صدیقی ندوی، انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو سٹڈیز، نئی دہلی
8. تاریخ الثقافۃ الإسلامیۃ : سید محمد واضح رشید حسنی ندوی اردو ترجمہ بہ عنوان: مختصر تاریخِ ثقافتِ اسلامی: ڈاکٹر محمد طارق ایوبی ندوی، ندوی فاؤنڈیشن، علی گڑھ

اکائی 10: سامانی حکومت

اکائی کے اجزا:

10.0 تمہید

10.1 مقاصد

10.2 سامانی سلطنت کا تعارف

10.2.1 سامانیہ کی ابتدائی تاریخ

10.3 سامانیہ سلطنت کے حکمران

10.3.1 نصر بن احمد سامانی اور اسمٰعیل بن احمد سامانی

10.3.2 احمد بن اسمٰعیل سامانی

10.3.3 ابوالحسن نصر بن احمد سامانی

10.3.4 منصور اول بن نوح بن نصر

10.3.5 عبدالملک بن نوح

10.4 سلطنتِ سامانیہ کا عہد عروج اور خاتمہ

10.4.1 سامانیہ اپنے عہدِ عروج میں

10.4.2 سلطنتِ سامانیہ کا خاتمہ

10.5 سامانی عہد میں علوم کی ترقی

10.5.1 سامانی دور میں علم وادب کی سرپرستی

10.5.2 سامانی دور میں فارسی ادب کی نشوونما

10.6 اکتسابی نتائج

10.7 نمونہ امتحانی سوالات

10.7.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

10.7.2 مختصر جوابات کے حامل سولات

10.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

10.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

10.0 تمہید

خلافت بنی عباس کے آغازِ زوال میں عباسی حکومت کی، مختلف حصوں میں تقسیم عمل میں آئی، جس طرح مغرب کے ملکوں میں چھوٹی مسلم ریاستیں معرضِ وجود میں آئیں، ٹھیک اسی طرح مشرق کے ملکوں کی چھوٹی خود مختار مسلم ریاستیں بھی مختلف حکمرانوں کے ذریعہ قائم کی گئیں۔

اس ضمن میں سب سے پہلے طاہری خاندان قابل ذکر ہے، ایک ایرانی کنیز کا لڑکا طاہر بن حسین اس خاندان کا بانی تھا، 194ھ / 810ء میں مامون نے اسے سپہ سالار مقرر کیا، 205ھ / 820ء میں اس نے طاہر کو بشمول خراسان، بغداد کے مشرقی جانب کے تمام اسلامی علاقوں کا گورنر مقرر کیا، امین کی شکست میں سب سے زیادہ طاہر ہی نے حصہ لیا، چوں کہ اس نے دونوں ہاتھوں سے تیغ زنی کی تھی، اس لئے ذوالیمینین کہلانے لگا، خراسان میں اپنے پایہ تخت مرو میں انتقال سے قبل اس نے خطبوں سے خلیفۂ بغداد مامون کا نام حذف کر دیا تھا، اس کے بعد اس کے پانچوں جانشینوں (طلحہ بن طاہر، علی بن طلحہ، عبداللہ بن طاہر، طاہر بن عبداللہ اور محمد بن طاہر بن عبداللہ) نے خراسان میں تقریباً 65 سال تک حکومت کی اور اس حکومت کا دائرہ اقتدار ہندوستان کی سرحد تک پہنچا دیا۔

یہ حکمراں گرچہ عباسی خلفاء کے فرمانبردار رہے، لیکن عملاً خراسان میں خود مختارانہ حکومت کرتے رہے، طاہریوں نے علویوں کا پیچھا کر کے ہمیشہ انہیں پسپا کیا، یعقوب بن لیث صفار نے طاہریوں سے تمام علاقے چھین کر صفاری حکومت قائم کی۔

صفاری حکومت کا بانی یعقوب بن لیث صفار تھا جو پیشے کے اعتبار سے مس گر یعنی تانبے اور پیتل کے برتنوں کی دکان کرتا تھا۔ اس خاندان کی ابتداء سجستان، سیستان اور اس کے بعد ایران کے بڑے حصے پر قبضہ سے ہوئی۔ یہ حکومت 253ھ / 867ء میں قائم ہوئی، اس میں پانچ فرمانروا ہوئے: یعقوب بن لیث، عمرو بن لیث، طاہر بن محمد بن عمرو، لیث بن علی بن لیث اور معدل بن علی بن لیث۔ اس خاندان کی حکومت ایران میں تقریباً 35 سال برقرار رہی، 298ھ / 903ء میں ماوراء النہر کے سامانیوں کے ہاتھوں اس کا خاتمہ ہوا۔ اس کے بانی یعقوب نے خلیفہ معتمد کے دور میں شہر بغداد پر بھی فوج کشی کی، اس کے اس عمل نے جلد ہی اسے زوال آشنا کر دیا۔ صفاریوں کے دور میں فارسی زبان وادب کو فروغ حاصل ہوا، یعقوب کے انتقال کے بعد اس کے بھائی عمرو بن لیث صفار نے بیدار مغزی سے کام لیا اور خلیفہ کی خدمت میں اظہارِ اطاعت کا خط بھیجا، خلیفہ نے اسے عراقِ عجم، فارس اور خراسان کی حکومت سپرد کی، اس کے جانشینوں نے کسی طرح حکومت چلائی، بالآخر 298ھ / 903ء میں اسمٰعیل بن احمد سامانی نے فوج کشی کر کے اس حکومت کا خاتمہ کر دیا۔

اس اکائی میں ہم سامانی سلطنت کے بارے میں گفتگو کریں گے۔ سامانی حکومت سلطنت عباسیہ کے ماتحت، ماوراء النہر یعنی سمرقند وبخاری سے لے کر خلیج فارس اور بحیرۂ قزوین تک، ایک خود مختار خاندانی حکومت تھی۔ اس کے حکمرانوں نے 974ء تا 999ء تک ماوراء النہر اور ایران پر حکومت کی۔ اس خاندان کے دور میں علوم وفنون کی ترقی بھی قابل ذکر ہے۔

10.1 مقاصد

اس اکائی کو پڑھنے کے بعد آپ دولتِ سامانیہ کے قیام کے پس منظر اور رودادِ حکومت کو جان سکیں گے۔ آپ کو سامانیہ خاندان کے حکمرانوں کی سیاسی خدمات اور علوم وفنون اور شعر وادب میں ان کی سرپرستی سے واقفیت حاصل ہوگی۔ سامانیہ حکومت کے خاتمے کے بارے میں آپ کو جان کاری ہوگی۔

10.2 سامانی سلطنت کا تعارف

سامانی یا بنوسامان، ایرانی بادشاہوں کا ایک خاندان ہے جو سامان خُدات نام کے ایک شخص کی نسل سے ہے۔ سلطنتِ سامانیہ 261ھ / 874ء میں ماوراء النہر میں قائم ہوئی، اپنے مورث اعلی اسد بن سامان کے نام پر یہ خاندان سامانی کہلاتا ہے۔ نصر بن احمد بن اسد سامانیوں کی آزاد حکومت کا پہلا حکمراں تھا، ماوراء النہر کے علاوہ موجودہ افغانستان اور خراسان بھی اس کی حکومت میں شامل تھے۔ اس کا دارالحکومت بخارا تھا۔ سامانیوں نے 394ھ / 999ء یعنی کم وبیش سوا سو سال تک ماوراء النہر اور خراسان میں شان وشوکت سے حکومت کی۔ اس مدت میں اس خاندان میں دس فرمانروا ہوئے اور ان کے نام یہ ہیں: نصر بن احمد بن اسد، اسماعیل بن احمد بن اسد سامانی، احمد بن اسماعیل، ابوالحسن نصر بن احمد ثانی، نوح اول بن نصر بن احمد، عبدالملک بن نوح، منصور اول بن نوح بن نصر، نوح دوم بن منصور بن نوح، منصور دوم بن نوح بن منصور، عبدالملک بن نوح۔ ان لوگوں نے آزاد ایران کے تصور کو فروغ دیا۔ خاقانی ترکوں اور آل سبکتگین کے ہاتھوں سامانی حکومت کا خاتمہ ہوا۔ ذیل میں اس حکومت کا نقشہ پیش کیا جارہا ہے۔

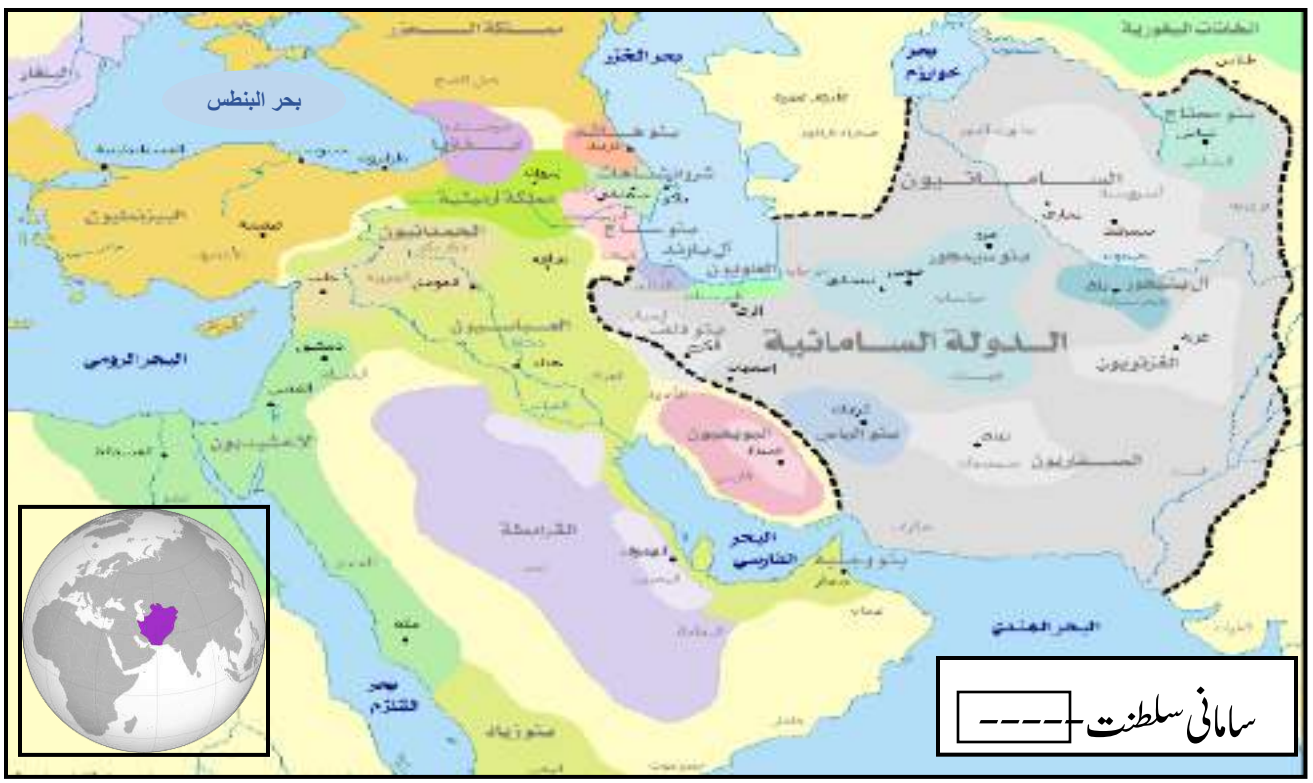

10.2.1 سامانیہ کی ابتدائی تاریخ

سامان خُدات، اپنا شجرۂ نسب ساسانی عہد کے ایک مشہور سپہ سالار بہرام چوبیں سے ملاتا تھا جو رے کے ایک شریف خاندان سے تعلق رکھتا تھا، وہ ضلع بلخ میں موضع سامان کا ایرانی سردار تھا، جب سامان خُدات کو بلخ سے راہ فرار اختیار کرنا پڑی تو وہ خراسان کے حاکم اسد بن عبداللہ القسری کے پاس پناہ گزیں ہوا، اسد نے اس کے دشمنوں کے خلاف اس کی مدد کی، سامان خُدات بعد ازاں مسلمان ہو گیا۔ اس نے اپنے بیٹے اسد بن سامان کا نام اسی مربی کے نام پر اسد رکھا۔ اسد بن سامان ایرانی کو خلیفہ مامون الرشید بہت احترام کی نگاہ سے دیکھتا تھا، کیوں کہ یہ ایران کے ایک مشہور سردار کی اولاد سے تھا اور اس لئے بھی کہ خلیفہ مامون کو اپنے بھائی خلیفہ امین کے خلاف تختِ خلافت حاصل کرنے میں جو کامیابی حاصل ہوئی تھی اس میں سب سے زیادہ دخل ایرانیوں کی مدد کو تھا۔ اسد بن سامان خُدات کے چار بیٹے تھے: نوح، یحیی، الیاس اور احمد۔ ان لوگوں نے ہارون رشید کے زمانہ میں مشرقی خلافت کی سیاسی تاریخ میں نمایاں حصہ ادا کیا۔ مامون کے خراسان کی گورنری کے زمانہ میں یہ چاروں بھائی خراسان میں تھے اور سب کے سب قابل تھے، مامون ہونہار لوگوں کا قدرداں تھا، اس لئے اس نے ان چاروں بھائیوں کو بھی آگے بڑھایا۔ کہا جاتا ہے کہ خلیفہ مامون نے اپنے دورِ خلافت میں اسد کے بیٹوں کو باغی رافع بن لیث کے مقابلہ میں سپہ سالار ہرثمہ کی مدد کرنے کا حکم دیا اور وہ ہرثمہ سامانی اور رافع کے مابین معاہدہ کرانے میں کامیاب ہوئے۔ خلیفہ امین کو شکست دینے کے بعد جب خلیفہ مامون خراسان سے عراق واپس آیا تو اس نے غسّان بن ثابت (یا غسّان بن عبّاد) کو، جسے اس نے خراسان کا گورنر مقرر کیا تھا، حکم دیا کہ وہ اسد کے بیٹوں کو ملکی اور انتظامی عہدے سپرد کرے۔ چنانچہ 204ھ /819ء میں غسّان نے نوح بن اسد کو سمرقند، احمد بن اسد کو فرغانہ، یحیی بن اسد کو اشروشنہ اور الشّاش اور الیاس بن اسد کو ہرات کا حاکم بنایا۔

غسّان بن ثابت کے بعد سلطنتِ طاہریہ کا مردِ آہن اور بانی طاہر بن حسین جب خراسان کا والی مقرر ہوا تو اس نے ان کی قدردانی میں ان عہدوں کو مستقل کر دیا۔ گویا سامانی ایک طرح سے طاہریوں کے ماتحت حاکم تھے، اس طرح اسد بن سامان کی اولاد میں نسل در نسل حکومت رہی۔ چنانچہ کبھی تو طاہریہ کی طرف سے اور کبھی خلفائے بغداد کی طرف سے ان کو حکومت ملتی تھی۔ اس خاندان میں بادشاہی لقب اسمعیل بن احمد بن اسد سامانی کے وقت سے استعمال کیا گیا، جو حقیقی معنوں میں ماوراء النہر میں اس خاندان کا پہلا خود مختار بادشاہ ہوا۔

نوح نے مامون کے دربار میں چند سال بسر کئے۔ مامون نے اسے ماوراء النہر میں طاہریوں کی جانب سے حاکم بنا دیا، الیاس سب بھائیوں سے پہلے یعنی عبداللہ بن طاہر کے عہدِ حکومت میں فوت ہوا۔ عبداللہ بن طاہر نے الیاس کے بیٹے ابو اسحاق محمد کو ہرات میں اپنے باپ کی جانشینی کی اجازت دے دی۔

اس خاندان کی یہ شاخ اتنی اہم نہیں جتنی وہ جو احمد کی نسل سے ہے اور جس سے سامانی خاندان کا آغاز ہوا۔ نوح نے خلیفہ معتصم کے اشارہ پر مشہور ترکی سپہ سالار افشین کے بیٹے الحسن بن افشین کو ایک مذموم طریقے سے پھانسنے کی کوشش کی تھی، وہ لاوارث حالت میں فوت ہو گیا تو طاہر بن عبداللہ نے ماوراء النہر کے والی کا عہدہ یحیی بن اسد اور احمد بن اسد دونوں بھائیوں کو دے دیا۔ احمد بن اسد سامانی کے سات لڑکے تھے: نصر، اسمعیل، یعقوب، یحیی، اسد، اسحق، حمید۔

10.3 سامانیہ سلطنت کے حکمران

10.3.1 نصر بن احمد سامانی اور اسمٰعیل بن احمد سامانی

احمد بن اسد کے انتقال کے بعد 261ھ-260ھ / 875ء-874ء میں اس کا لڑکا نصر بن احمد صوبہ سمرقند کے حاکم کے طور پر اپنے باپ کا قائم مقام ہوا، اسے خود مختار فرمانروا تصور کیا گیا، کیوں کہ اسے اس سال ماوراء النہر کا علاقہ جاگیر کے طور پر براہِ راست خلیفہ کی طرف سے عطا ہوا تھا، اب تک اس صوبہ کے حاکم کو حاکمِ خراسان ہی کے یہاں سے سندِ حکومت ملا کرتی تھی۔

260ھ / 874ء میں بخارا میں طوائف الملوکی کا دور دورہ رہا۔ نصر بن احمد سامانی کے حکم سے یعقوب بن لیث صفاری کے مقابلہ میں جانے والی فوج نے اپنے سردار کو مار دیا اور خود بخارا کا رخ کیا، یہاں جب نوح کے سامنے نصر کے نائب احمد بن عمر نے ہتھیار ڈال دئے تو وہ اپنی مرضی کے مطابق حکمرانوں کو مقرر اور معزول کرتا رہا۔

خوارزمیوں کے ایک حملہ کی وجہ سے بخارا میں زبردست غارت گری مچی اور تباہی ہوئی اور اس حملہ کا کرتا دھرتا ان کا سردار حسین بن طاہر طائی تھا، گرچہ اس نے جلد ہی راہ فرار اختیار کی، لیکن فسادات حسب سابق جاری رہے، چنانچہ فقیہ ابوعبداللہ بن ابی حفص نے نصر کے پاس قیامِ امن کی ایک درخواست بھیجی، اسی کے پیشِ نظر نصر نے 261ھ / 875ء میں اپنے بھائی اسماعیل سامانی کو بخارا کا والی یعنی گورنر مقرر کر دیا۔

حُسین بن محمد خارجی کا بخارا میں اسمٰعیل سامانی سے تصادم ہو گیا تھا، اس لئے سامانیوں نے جلد ہی اسے بے دست و پا کر دیا۔ اسمٰعیل نے بخارا سے چوروں اور ڈاکوؤں کو نکال باہر کیا، حسین بن طاہر طائی خوارزمی کو شکست دی اور بخارا کے شورش پسند اُمراء کو اطاعت قبول کرنے پر مجبور کر دیا۔

نصر اور اسمٰعیل دونوں بھائیوں کے درمیان جنگ چھڑنے سے تھوڑے عرصے پہلے کی بات ہے کہ اسمٰعیل نے خراسان کے بادشاہ رافع بن ہرثمہ سے معاہدہ کر کے اپنی حیثیت مستحکم کرنے کی کوشش کی، چنانچہ رافع نے خراسان کی حکومت بھی اس کے سپرد کر دی۔ حالاں کہ اس سے قبل رافع بن ہرثمہ کا خراسان میں محمد بن طاہر کی جانب سے بحیثیت نائب تقرر عمل میں آیا تھا، کیوں کہ 271ھ / 884ء میں خلیفہ معتمد نے عمرو بن لیث صفار کے بجائے محمد بن طاہر کو جب خراسان کا والی مقرر کیا تھا تو اس وقت محمد بن طاہر بغداد میں ہی پولیس کمشنر کے عہدہ پر متمکن تھا، اس لئے اس نے رافع کو وہاں اپنا نائب بنایا۔ اسمٰعیل سامانی نے ترکستان میں بہت بڑی فتح حاصل کی، شاہ ترکستان کو اس کی اہلیہ کے ساتھ گرفتار کر کے سمرقند لایا اور پھر دریائے جیحوں / آمو دریا (Amu Darya/ Oxus River) کو عبور کر کے عمرو بن لیث کو گرفتار کیا اور اسے بغداد بھیج دیا جس کا ذکر صَفّاریہ کے تذکرہ میں آچکا ہے، ان دو فتوحات نے اسے مستقل بادشاہ بنا دیا، اسمٰعیل نے محمد بن زید علوی کو جس نے طبرستان میں خروج کیا تھا، شکست دی۔

اسمٰعیل اور رافع کا معاہدہ نصر کے خلاف ایک جارحانہ اقدام تھا، اس لئے دونوں بھائیوں میں شدید ناراضگی پیدا ہوئی اور لڑائی تک

نوبت پہنچ گئی۔ پہلی لڑائی 272ھ / 885ء میں چھڑی، اس کی وجہ یا تو یہ تھی کہ اسمٰعیل نے سالانہ خراج ادا کرنے میں سست روی سے کام لیا تھا یا اس کی وجہ عمومی سازشیں تھیں۔ بہر حال ایک اسمٰعیلی سپہ سالار حَمَویہ بن علی نے نصر اور اسمٰعیل کو صلح پر آمادہ کیا، دونوں بھائیوں کے درمیان صلح ہو گئی، لیکن 275ھ / 888ء میں دونوں کے درمیان لڑائی از سر نو شروع ہو گئی، جس میں اسمٰعیل کو فتح ہوئی، نصر گرفتار ہو کر اسمٰعیل کے سامنے آیا، لیکن مصلحت اندیشی کی بنیاد پر اسے ان اعزازات کے ساتھ، جو ایک حاکم کے شایانِ شان ہوں، سمرقند واپس بھیج دیا، نصر اپنی وفات (279ھ / 892ء) تک سمرقند میں برسرِ اقتدار رہا، اس دوران اسمٰعیل اس کے نائب کی حیثیت سے بخارا میں مقیم رہا، یہاں تک کہ وہ اس کا جانشیں بن گیا، اسمٰعیل دولتِ سامانیہ کا پہلا باقاعدہ امیر تصور کیا جاتا ہے، وہ اپنے خاندان کا سب سے قابل اور معتمد حکمراں تھا۔

اسمٰعیل سامانی کی وفات 295ھ / 908ء میں ہوئی۔ اس کے زمانۂ اقتدار میں سلطنتِ سامانیہ میں کافی توسیع ہوئی، ماوراء النہر اور خراسان کے علاوہ، وہ علاقے بھی اس کے زیرِ اقتدار آ گئے جو عَمرو بن لیث صفّاری کو مغلوب کرنے کے بعد اس کے قبضے میں آئے تھے، چنانچہ اسمٰعیل سامانی بہت جلد بادشاہت کے مرتبہ کو پہنچ گیا تھا، عباسیوں کے ساتھ اس کی وفاداری مشہور ہے، تاہم اسمٰعیل اور اس کے جانشینوں نے برائے نام دربارِ خلافت کی سیادت تسلیم کی، اسمٰعیل نے ماوراء النہر اور خراسان میں سات آٹھ سال حکومت کی، خلیفہ معتضد باللہ عباسی نے اسے ملکِ خراسان کی سند حکومت عطا کی۔ وہ ایک عادل، نیک نام اور فیاض حکمراں تھا۔ اس کی وفات کے بعد آٹھ بادشاہ خاندانِ سامانیہ میں اور ہوئے، ان میں سے اہم حکمراں کی تفصیل ذیل میں درج ہے:

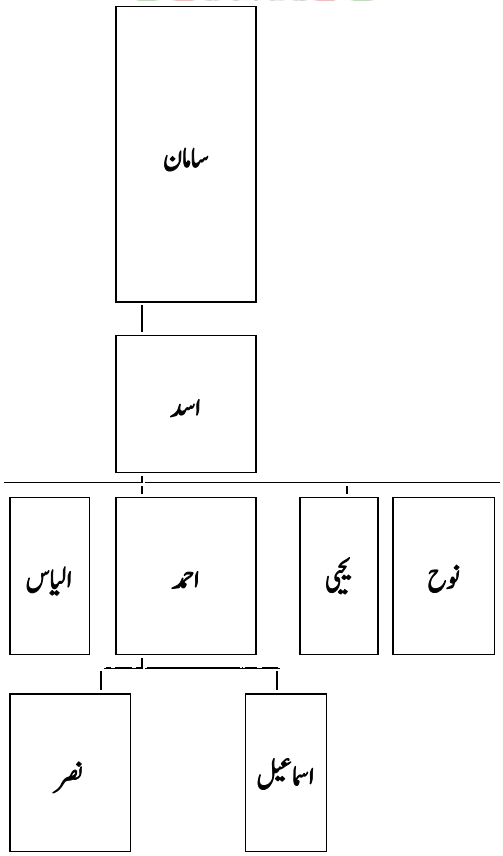

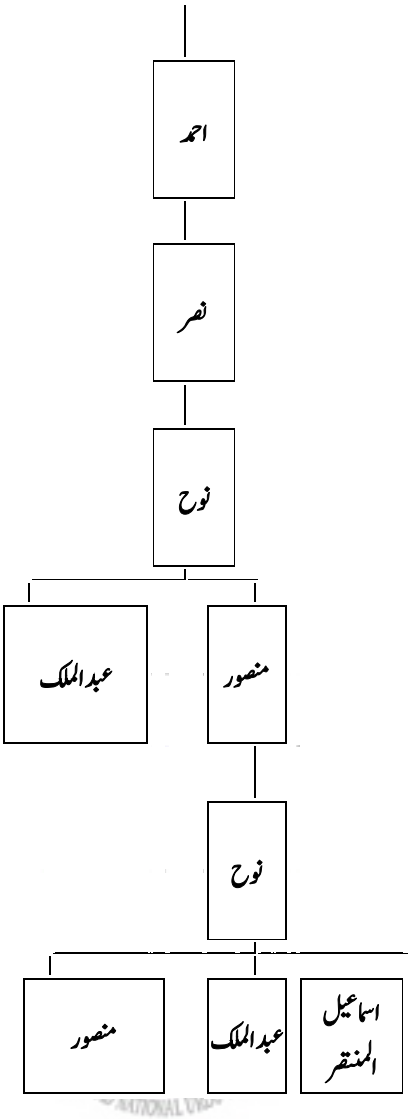

10.3.2 احمد بن اسمٰعیل سامانی

اسمٰعیل کی وفات کے بعد خلفائے بغداد نے ابو نظیر احمد بن اسمٰعیل سامانی کو سند گورنری بھیجی، اس کا پایۂ تخت بخارا تھا، یہ بہادر، سیر چشم اور اللہ کی ذات پر بھروسہ رکھنے والا تھا، جہانگیری کے ساتھ ساتھ جہاں داری کے اصولوں سے بھی خوب واقف تھا، اس نے اپنے طرزِ عمل سے اس بات کا کافی ثبوت بہم پہنچادیا تھا کہ وہ ایران کے نہایت شریف اور سردار خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ اراکینِ سلطنت کے اشارہ سے قتل کیا گیا۔ اس کی مدتِ حکومت چھ سال رہی۔ اس کے عہد میں امراء ہوسِ حکومت کا شکار ہو کر آمادۂ بغاوت ہو گئے، چنانچہ ایک ایسی صورتِ حال پیدا ہو گئی جس نے اس خاندان کے زوال میں بڑا حصہ ادا کیا۔

10.3.3 ابوالحسن نصر بن احمد سامانی

یہ نہایت خوردسالی یعنی آٹھ سال کی عمر میں تخت پر بیٹھا۔ اس کے اہلِ خاندان اس سے منحرف رہے اور مغلوب ہوئے، ہوش سنبھالنے پر وہ بڑا نامور بادشاہ ہوا، یہ بالکل اپنے دادا اسمٰعیل کا نمونہ تھا۔ اس نے کچھ ہی عرصہ میں اپنی سلطنت کے حدود کو اسمٰعیل سامانی کی

حدود سلطنت سے زیادہ وسیع کرلیا۔ اسی کے دربار میں فارسی شاعر رودکی جو نابینا تھا، بڑے اعزاز واکرام کے ساتھ رہتا تھا۔ احمد کی وفات کے فوراً بعد اس کے چچا اسحٰق اور اس کے بیٹے نصر کے درمیان تخت و تاج کے لئے کشمکش شروع ہوگئی، اس نے 331ھ / 942ء میں 28 سال حکومت کرکے 38 سال کی عمر میں بخارا میں انتقال کیا، اپنی کریم النفسی سے اس کا لقب امیر سعید ہوا۔

10.3.4 منصور اول بن نوح بن نصر

منصور اول 350ھ / 961ء میں اپنے بھائی عبدالملک کے مرنے پر خراسان اور ماوراء النہر کا بادشاہ ہوا، اس نے رکن الدولہ دیلمی کی بیٹی سے شادی کی تھی، اس لئے عراق وفارس کے صوبوں میں بھی اس کی حکومت تسلیم کی گئی، سپہ سالار الپتگین اس کی تخت نشینی کے خلاف تھا، منصور اول نے اسے خراسان کی حکومت سے معزول کرکے اس کی جگہ ابوالحسین سیمجور کو مقرر کردیا تھا، اس لئے الپتگین اس کی تخت نشینی کی خبر سن کر غزنی بھاگ گیا اور اس پر اپنے غلام سبکتگین کی مدد سے قبضہ کرلیا، اس طرح وہ غزنوی خاندان کا بانی بن گیا۔

رکن الدولہ پر یہ بادشاہ غالب آیا اور اس سے کچھ سالانہ خراج مقرر کرالیا، پندرہ سال حکومت کرکے 365ھ / 975ء میں انتقال کیا، نوح اول کے اِس لڑکے (یعنی منصور اول) کے بارے میں مشہور سیاح ابن حوقل نے لکھا ہے کہ وہ اپنے دور کا سب سے عادل بادشاہ تھا۔

10.3.5 عبدالملک بن نوح

عبدالملک بن نوح کو لوگوں نے سیف الدولہ محمود غزنوی سے لڑوانا چاہا اور یہ اس سے لڑپڑا۔ محمود غزنوی نے عبدالملک کو خراسان سے نکال باہر کیا اور خراسان کو فتح کرلیا۔ عبدالملک خراسان سے بھاگ کر اپنے دارالحکومت بخارا کی طرف چلا گیا، جب کہ اسی سال یعنی 389ھ / 999ء میں ایلک خان (Ilak Khan) کاشغر سے آکر بخارا اور ماوراء النہر پر قابض ہوچکا تھا، عبدالملک اس کے ہاتھوں گرفتار ہوگیا، عبدالملک کا بھائی اسمٰعیل کسی طرح قید سے نکل گیا، وہ سامانی امراء اور فوجیں جو عبدالملک کی گرفتاری کے بعد منتشر ہوگئی تھیں، اسمٰعیل کے پاس جمع ہوگئیں، اس نے ان کی مدد سے ایک مرتبہ پھر ترکمانوں کو بخارا سے نکال دیا، لیکن اب سامانی حکومت کی قوت ختم ہوچکی تھی، یہ قبضہ محض چراغِ سحری کا آخری سنبھالا تھا، ایلک خان نے بہت جلد دوبارہ بخارا پر قبضہ کرلیا اور کئی سالوں بعد اسمٰعیل کو ایک عرب قبیلہ نے پکڑ کر قتل کردیا، منتصر بن نوح سامانی (اسمٰعیل دوم) نے کچھ سر اٹھایا، بلکہ ایلک خان سے خوب لڑا بھی، لیکن آخر میں اسے شکست ہوئی، چنانچہ اس کی شکست سے سامانی حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔

10.4 سلطنتِ سامانیہ کا عہد عروج اور خاتمہ

10.4.1 سامانیہ اپنے عہدِ عروج میں

سامانیوں کی حکومت ماوراء النہر کی گورنری سے ترقی کرتی ہوئی ایک خود مختار سلطنت کے درجے تک پہنچی۔ سامانی حکومت اپنی پوری وسعت اور عروج کے زمانے میں ماوراء النہر اور خراسان کے علاوہ سیستان، کرمان، جُرجان، رے اور طبرستان پر مشتمل تھی۔ فارسی شاعر رودکی کے سرپرست نصر بن احمد کا عہدِ حکومت (331ھ-301ھ / 942ء-913ء) اس خاندان کے انتہائی عروج کا زمانہ تھا، عروج

اس مفہوم میں کہ اس کی وفات کے بعد حکومت کا زوال نمایاں ہونے لگا۔ جو حالات قدیم ایرانی سلطنتوں کے لئے مہلک ثابت ہوئے تھے، وہی حالات اس سلطنت میں بھی پورے زور سے پیدا ہوگئے، مثلاً امراء کی شورش، شمالی بدویوں کی سرکشی اور ترک قبائل سے خطرات وغیرہ۔ جب اسمعیل اور احمد جیسے بارعب بادشاہوں سے تخت خالی ہوگیا تو آخر کار اس خاندان پر زوال کی مصیبت نازل ہوگئی۔

سامانیوں کا ایک بڑا کارنامہ خانہ بدوش (migratory / nomad) ترک قبائل کی یلغار (invasion) سے مملکت کی حفاظت کرنا ہے، اس مقصد کے لئے شمالی سرحدوں پر جگہ جگہ چوکیاں قائم تھیں، جنہیں رباط کہا جاتا تھا، یہاں جہاد کے لئے ہر وقت رضاکار موجود رہتے تھے، اس دور میں ترکوں میں اسلام تیزی سے پھیلا اور چوتھی صدی کے آخر تک مشرقی ترکستان یعنی کاشغر اور اس سے ملحق علاقے اور شمالی ترکستان سے لے کر روس میں وولگا کی وادی (Wolgan Valley) میں اسلام پھیل گیا۔

10.4.2 سلطنتِ سامانیہ کا خاتمہ

آخر میں سامانی حکومت بھی عباسیوں کی طرح کمزور ہوتی چلی گئی۔ سامانیہ ماوراء النہر کے دورِ زوال میں اس کے امراء میں خود سری پیدا ہوگئی اور حصولِ اقتدار کے لئے ان میں باہم حسد اور رقابت کا بازار گرم رہنے لگا، صوبہ دار باغی ہونے لگے اور خراسان اور غزنی کے علاقوں میں ان کے ایک سپہ سالار سبکتگین (سَبُکتِگین) اور اس کے بیٹے محمود غزنوی نے اپنی آزاد حکومت قائم کرلی۔ دریائے سیر / سَیحون (Syr River) کے مشرق میں ترکستان میں قراخانی رہتے تھے۔ کتاب جامع تاریخ ہند کے مصنفین پروفیسر محمد حبیب اور خلیق احمد نظامی نے بارتھولڈ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ "قراخانیوں کی حکومت میں تمام خانہ بدوش سلطنتوں کی طرح، آبائی جائیداد کا تصور شخصی قانون کے حلقۂ اختیار سے ریاستی قانون کے حلقہ میں منتقل ہوگیا تھا"۔ اس خاندان کے ایک حکمراں بغراخان نے 380ھ / 990ء میں بخارا پر قبضہ کرلیا، لیکن اپنی بیماری کی وجہ سے اسے چھوڑ دینا پڑا اور اس کے بعد جلد ہی اس کا انتقال ہوگیا۔ لیکن جیسا کہ اوپر کی سطروں میں بیان کیا گیا کہ 389ھ / 999ء میں غالباً اسی خاندان کے دوسرے (کاشغر کے) حکمراں ایلک خان نے کسی مزاحمت کے بغیر بخارا و سمرقند اور ماوراء النہر کے دوسرے علاقوں پر قبضہ کرلیا اور سامانی حکومت کا خاتمہ کردیا۔

10.5 سامانی عہد میں علوم کی ترقی

10.5.1 سامانی دور میں علم وادب کی سرپرستی

سامانی دور میں جہاں شجاعت اور بہادری کے جوہر نظر آتے ہیں، وہیں تہذیب وتمدن کے فروغ میں بھی ان کے عہد کو خوشگوار عہد کہا جاسکتا ہے۔ آلِ سامان کے دور میں علوم وفنون کی ترقی قابل ذکر ہے، شاہان سامانیہ علم اور علماء کے قدردان تھے، اس لئے اس عہد میں علم وادب کی دل کھول کر سرپرستی کی گئی۔ نصر دوم کا عہد علم وادب کی سرپرستی کی وجہ سے ممتاز ہے اور اس کے لڑکے نوح اول کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس نے بخارا میں ایک عظیم الشان کتب خانہ قائم کیا تھا، جس میں ہر علم وفن کی کتابوں کے لئے علاحدہ علاحدہ کمرے مخصوص تھے، مشہور فلسفی اور طبیب ابنِ سینا (جس کا باپ اسمعیلی فرقہ کا آدمی تھا) نے یہاں کی قیمتی اور نایاب کتابوں کی بڑی تعریف کی ہے۔ ابو صالح

منصور بن اسحٰق کے علمی مذاق کے اثر نے ابو زکریا رازی فلسفی (وفات 320ھ / 932ء) کو اس کا مدح خواں بنا دیا، اس نے اپنی ایک کتاب "المنصوری" اس کے نام پر کر دی، مشہور فلسفی فارابی اور ابن سینا کا ابتدائی تعلق سامانی دربار سے تھا۔ علماء میں علمِ کلام کے ماہر امام منصور ماتریدی (وفات 330ھ / 941ء) اور صوفیوں میں ابو نصر سراج (وفات 378ھ / 988ء) بھی اسی دور سے تعلق رکھتے ہیں۔

10.5.2 سامانی دور میں فارسی ادب کی نشو و نما

سامانیوں کی سیاسی تاریخ سے زیادہ اہم ان کی حکومت کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے جو دیگر ایشیائی سلطنتوں سے بہت مشابہ ہے اور وہ یہ ہے کہ اس خاندان کی سرپرستی میں صرف علوم وفنون ہی نے ترقی نہیں کی، بلکہ جدید فارسی ادب کا آغاز بھی اسی زمانہ میں ہوا، اب تک مسلمان جس قدر کتابیں لکھتے تھے وہ عربی زبان میں ہوتی تھیں، جو لوگ عرب نہیں تھے مثلاً ایرانی اور تُرک، وہ بھی عربی ہی پڑھتے اور لکھتے تھے، یہ لوگ فارسی اور ترکی کے بجائے شاعری بھی عربی میں کرتے تھے، سامانی بادشاہوں نے اب فارسی زبان کی سرپرستی شروع کر دی کیوں کہ وہ خود فارسی بولتے تھے۔

شاہانِ سامانیہ کا دورِ حکومت فارسی ادب کی ترقی کا زمانہ ہے۔ ان کا پایۂ تخت بخارا تھا، مگر ماوراء النہر، سیستان اور خراسان سے لے کر ایران کے مشرقی صحرائی علاقے اور رے تک اس خاندان کی حکومت تھی۔ ان بادشاہوں نے ایران کی تہذیبی روایات کا اِحیا کیا اور ایرانی رسم ورواج کو فروغ دیا۔ انہوں نے عربی زبان وادب کے مقابلہ میں ایرانی زبان وادب کی ترقی اور ترویج کی زیادہ کوشش کی۔ شُعراء، اُدباء اور عربی سے فارسی میں ترجمہ کرنے والوں کی سرپرستی کی، اپنی ان کوششوں کی وجہ سے سامانی بادشاہ اور ان کے دانش پرور وزراء فارسی ادب کی تخلیق میں معاون ثابت ہوئے۔ سامانی دور کو بہر حال یہ امتیاز حاصل ہے کہ اسے فارسی زبان وادب کی ترقی اور ترویج کا دور کہا جاتا ہے۔ اس دور کے مشہور شعراء میں مسعود مروزی، رودکی (پورا نام ابو عبداللہ جعفر بن محمد رودکی، وفات 329ھ / 940ء)، شہید بلخی (وفات 325ھ / 936ء)، ابو طیب مصعبی، ابو العباس ربنجی، شاکر بخاری، ابو المؤید بلخی، ابو شکور بلخی اور دقیقی (پورا نام ابو منصور محمد بن احمد دقیقی، وفات 368ھ / 978ء) ہیں۔

سامانی دور میں جہاں بڑی تعداد میں شعراء نے فارسی شاعری کی بنیادیں مستحکم کیں اور انہیں ترقی دی، وہیں اس دور میں نثر کی بعض اہم کتابیں بھی لکھیں گئیں۔ اس دور کے تمام نثری نقوش آج دستیاب نہیں ہیں، لیکن نثر کے جو نمونے ہم تک پہنچے ہیں ان میں شاہنامہ کا ایک مقدمہ ہے، یہ شاہنامہ طوس کے حاکم ابو منصور محمد بن عبد الرزاق طوسی (وفات 350ھ / 961ء) کے حکم سے لکھا گیا تھا، لیکن اس عہد میں لکھے گئے دو اور نثری شاہناموں کی طرح یہ شاہنامہ بھی اب دستیاب نہیں، صرف اس کا مقدمہ باقی ہے جو "مقدمۂ قدیم شاہنامہ" کے نام سے معروف ہے۔

تاریخِ طبری کا فارسی ترجمہ بھی اسی دور کی یادگار ہے، ابو علی بن محمد بلعمی (وفات 363ھ / 971ء)، عبد الملک بن نوح (350ھ-343ھ / 961ء-954ء) اور ابو صالح منصور بن نوح (366ھ-350ھ / 976ء-961ء) کا وزیر تھا، اس نے امیر منصور کے حکم سے محمد بن جریر کی تاریخ طبری کو اضافوں کے ساتھ عربی سے فارسی میں منتقل کیا، ماوراء النہر کے چند علماء نے منصور بن نوح ہی کے حکم سے

تفسیر طبری کو اسی دور میں فارسی نثر کا جامہ پہنایا، علاوہ ازیں رسالہ در احکامِ فقہِ حنفی تالیف حکیم ابو القاسم محمد بن سمرقندی (وفات 343ھ / 954ء)، عجائب البلدان، حدود العالم اور قرآن کی چند تفسیریں بھی سامانی دور کے نثری نقوش ہیں۔ فارسی نثر کے ان نمونوں سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس دور کی نثر سادہ اور رواں تھی، زبان و بیان میں تکلّف اور تصنّع نہیں تھا۔ ایلک خان نے 389ھ / 999ء میں اس ترقی یافتہ حکومت کو پامال کر دیا۔

10.6 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- سامان خُدات نامی بلخ کا ایک زردشتی امیر تھا، اسد بن عبد اللہ حاکمِ خراسان نے اس کی مدد کی تھی، اس نے اسد سے متاثر ہو کر دین اسلام قبول کیا اور اپنے محسن کی یاد میں اپنے بیٹے کا نام اسد رکھا۔ اسد کے چاروں بیٹوں نے مامون کی خدمت میں نمایاں کارنامے انجام دئے جس کے صلہ میں انہیں صوبہ جات کی گورنری عطا ہوئی۔ اگرچہ نصر بن احمد (260-279ھ / 874-892ء) سامان کا ایک پڑپوتا اس خاندان کا بانی تصور کیا جاتا ہے، دراصل نصر کے بھائی اسمٰعیل (294ھ-279ھ / 907ء-892ء) نے اس خاندان کو مستحکم بنایا، سامانی پہلے طاہریوں کے تحت نائب حاکم کی خدمت بجا لائے، سامانی سلسلہ کے چوتھے حاکم نصر ثانی بن احمد (332ھ-301ھ / 943ء-913ء) نے اپنے دائرہ حکومت کو زیادہ وسعت دی۔
- 290ھ / 903ء میں ماوراء النہر کی سامانی حکومت نے صفاریوں سے خراسان اور علویوں سے طبرستان چھین لیا تو ماوراء النہر یعنی سمرقند و بخارا سے لے کر خلیج فارس اور بحیرۂ قزوین تک اس حکومت کے حدود وسیع ہو گئے، اس زمانہ سے صوبۂ ماوراء النہر بھی خلافت عباسیہ کی ماتحتی سے آزاد ہو گیا۔ سامانی خاندان نے ماوراء النہر اور ایران پر 974ء تا 999ء / 389ھ کوئی سوا سو سال تک حکومت کی۔
- سامانی سلطنت نے علوم و فنون اور تہذیب و شائستگی کے فروغ میں قابل قدر کردار ادا کیا، بخارا و سمرقند علوم و فنون کے مرکز بن گئے۔

10.7 نمونہ امتحانی سوالات

10.7.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. سامان خُدات نامی بلخ کا ایک زردشتی امیر تھا، اسد بن عبد اللہ حاکمِ ..... نے اس کی مدد کی تھی۔

(a) خراسان (b) عراق (c) بلخ (d) طبرستان

2. کون سا حکمران دولتِ سامانیہ کا پہلا باقاعدہ امیر تصور کیا جاتا ہے جس نے اس خاندان کو مستحکم بنایا؟

(a) اسمٰعیل بن احمد (b) نصر بن احمد (c) احمد بن اسد سامان (d) تمام غلط

3. عبدالملک بن نوح نے خراسان میں کس سے شکست پائی اور بخارالوٹ گیا؟

(a) محمود غزنوی (b) سبکتگین (c) ایلک خان (d) تمام غلط

4. سامانیہ سلطنت کا خاتمہ کس سن عیسوی میں ہوا؟

(a)999ء (b) 899ء (c) 991ء (d) 989ء

5. وسط ایشیا کا ایک اہم دریا، دریائے جیحوں کا دوسرا نام ہے:

(a) آمودریا (b) دریائے نیل (c) دریائے فرات (d) سیر دریا

10.7.2 مختصر جوابات کے حامل سولات

1. ابوالحسن نصر بن احمد سامانی کے بارے میں اپنی معلومات تحریر کیجیے۔
2. دولتِ سامانیہ کے قیام میں نصر بن احمد سامانی اور اسمعیل بن احمد سامانی کی خدمات پر روشنی ڈالیے۔
3. نوح اول اور اس کے لڑکوں کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟ تحریر کیجیے۔
4. سامانی دور کی ابتدائی تاریخ پر روشنی ڈالیے۔
5. سامانیوں کے دور میں فارسی شعر وادب کی نشوونما پر ایک نوٹ لکھیے۔

10.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. سامانی سلطنت کا قیام واستحکام پر روشنی ڈالیے۔
2. سامانی سلطنت کا عہد عروج اور اس کا خاتمہ پر ایک مضمون لکھیے۔
3. سامانیوں کے دور میں علوم وفنون کی ترقی پر اپنی معلومات قلم بند کیجیے۔ جامع تحریر قلم بند کریں۔

10.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. العالم الاسلامی فی العصر العباسی : دکتور حسن احمد محمود، احمد ابراہیم شریف (قاہرہ)
2. محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ (الدولۃ الاسلامیہ) : الشیخ محمد الخضری بک، قاہرہ، مصر
3. اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد 10، 11
4. اردو انسائیکلوپیڈیا، جلد اول : قومی کونسل برائے ترقی اردو، نئی دہلی، 1996ء
5. تاریخ اسلام، جلد 3، 4 (خلافت عباسیہ، جلد 1، 2) : شاہ معین الدین احمد ندوی
6. تاریخ اسلام، جلد 2,3 : مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی
7. تاریخ ملت، جلد 6 (خلافتِ بنی عباس، حصہ دوم) : مفتی انتظام اللہ شہابی اکبر آبادی

اکائی 11: فاطمی حکومت قیام و عروج

اکائی کے اجزا:

11.0 تمہید

11.1 مقاصد

11.2 فاطمی حکومت کا قیام

11.2.1 فاطمین کا تعارف اور پس منظر

11.2.2 شمالی افریقہ میں فاطمی حکومت کی تاسیس

11.3 فاطمی خلافت کا افریقی دور

11.3.1 اہم حکمراں اور ان کے کارنامے

11.3.2 توسیع حکومت

11.4 فاطمی خلافت کا مصری دور

11.4.1 مصر کی فتح اور استحکام

11.4.2 دور عروج

11.4.3 ابو تمیم معد المعز لدین اللہ 341ھ تا 365ھ

11.4.4 العزیز باللہ

11.4.5 الحاکم بامر اللہ

11.5 دور زوال

11.5.1 المستنصر باللہ

11.5.2 اسباب زوال

11.6 نظم و نسق

11.7 سماجی، معاشی، مذہبی احوال

11.8 اکتسابی نتائج
11.9 نمونہ کے امتحانی سوالات
11.9.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات
11.9.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات
11.9.3 طویل جوابات کے حامل سوالات
11.10 تجویز کردہ اکتسابی مواد

11.0 تمہید

عباسی خلافت کے زوال نے مشرق اور مغرب میں مختلف چھوٹی چھوٹی حکومتوں کے لیے راہ ہموار کر دی، اور اسلامی وحدت کا خاتمہ ہو گیا۔ اس طرح ایک مرکزی حکومت کی جگہ کئی ذیلی حکومتیں قائم ہوئیں۔ ان میں سے ایک حکومت سلطنت فاطمیہ کے نام سے قائم ہوئی۔ فاطمی داعی عبید اللہ المعروف المہدی نے افریقہ میں اغلبی حکومت کو شکست دے کر اپنی حکومت کی داغ بیل ڈالی اور آگے چل کر فاطمی حکمراں المعز نے مصر میں اخشیدی حکومت کو شکست دے کر فاطمی سلطنت کو بام عروج پر پہنچایا۔ یہ اپنے وقت کی بڑی حکومت تھی اور اس حکومت نے تاریخ میں اپنی ایک خاص شناخت بنائی تھی۔ یہ حکومت نہ صرف اپنے نسب اور خاندان کے اعتبار سے عباسی خلفا کی حریف تھی بلکہ ایک مذہبی فرقہ کی مقتدا بھی تھی۔ انہوں نے تہذیب و تمدن اور علوم و فنون کی ترقی میں بھی عباسی حکومت کو ٹکر دی۔ یہ حکومت تقریبا دو سو ستر سال تک باقی رہی۔

11.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد ہے کہ آپ یہ جان سکیں کہ مصر کی فاطمی حکومت اپنے کارناموں اور مخصوص پس منظر کی وجہ سے تاریخ میں بہت اہمیت کی حامل ہے۔ اس اکائی کا مقصد اسمعیلی تحریک کا پس منظر، فاطمی سلطنت کا قیام اور اہم حکمرانوں کا تعارف بھی پیش کرنا ہے اور یہ بتانا بھی مقصود ہے کہ فاطمیوں نے کس طرح افریقہ میں اپنی حکومت کی بنیاد رکھی اور کس طرح صقلیہ اور مصر کے ممالک میں اپنی فتح کے علم نصب کیے۔ آپ اس بات سے بھی جائزہ لے سکیں گے کہ فاطمی خلفاء عبید اللہ المہدی، المعز، العزیز اور الحاکم نے کس طرح اپنی بیدار مغزی سے نہ صرف حکومت کو توسیع دی بلکہ اس کو معاشی، ثقافتی، علمی فن تعمیر اور فنون لطیفہ کے ارتقاء کے بام عروج تک پہنچا دیا۔ اس اکائی میں فاطمی حکومت کے سماجی اور تمدنی احوال کے بارے میں آپ تبصرہ کر سکیں گے۔ اور اس اکائی کے مطالعہ کے بعد آپ فاطمی حکومت کے زوال کے اسباب کو بیان کر سکیں گے۔

11.2 فاطمی حکومت کا قیام

11.2.1 فاطمین کا تعارف اور پس منظر

فاطمی حکومت ایک خاندانی حکومت تھی جس نے افریقہ میں سن 297ھ مطابق 909ء میں اپنی حکومت کی بنیاد ڈالی اور 908ھ مطابق 1171ء تک تقریباڈھائی سو سال سے زیادہ حکومت کی۔ یہ حکومت تاریخ میں فاطمین مصر کے نام سے معروف ہے کیونکہ مصر کی فتح کے بعد سن 362ھ مطابق 972ء فاطمی حکمران المعز نے اپنا دارالخلافہ مصر منتقل کر لیا تھا۔

وجہ تسمیہ

تاریخ میں فاطمین کے وجہ تسمیہ یہ بتائی جاتی ہے کہ وہ بنو فاطمہ سے ہیں اور وہ اپنا سلسلہ نسب اسماعیل بن جعفر الصادق سے ملاتے ہیں۔ اور فاطمی خلفا کا یہ دعوی تھا کی وہ چونکہ حضرت فاطمہ زہرہ کی اولاد سے ہیں، اس لئے خلافت کے اصل وارث وہیں ہیں۔ فاطمی نسب نامے کے مطابق عبید اللہ المہدی کا سلسلہ نسب پانچویں سلسلہ پر جاکر امام جعفر الصادق سے مل جاتا ہے۔ برسر اقتدار آنے کے بعد انہوں نے اپنے لئے خلیفہ کا لقب اختیار کیا، اسلئے انہیں تاریخ میں خلافت فاطمیہ کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ بعض تواریخ میں انہیں عبیدیہ خاندان بھی کہا جاتا ہے۔

تحریک امامت اہل بیت

جیسا کہ آپ نے پہلے پڑھا کہ تحریک امامت اہل بیت خلفائے راشدین کے زمانے سے برابر جاری تھی۔ علویوں اور آگے چل کر ان کے مختلف فرقوں نے قیام حکومت کیلئے ہر ممکنہ کوشش کی، لیکن یہ تحریکیں اموی اور عباسی حکومتوں کے دور میں زیادہ کامیاب نہ ہو سکیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ اہل بیت نبوی ﷺ میں مختلف آئمہ کو ماننے والوں میں بھی مختلف فرقے پیدا ہو گئے تھے۔ اور ہر کوئی اپنے اپنے سلسلہ امامت کی دعوت میں سرگرم تھے۔

تمام شیعہ فرقوں میں اثنا عشری اور اسمعیلی فرقہ سب سے زیادہ معروف ہیں۔ یہ دونوں فرقہ سلسلہ امامت کو حضرت حسینؓ کی اولاد میں مانتے ہیں۔ چھٹے امام جعفر صادقؒ کی وفات پر اہل تشیع کے دو گروہ ہو گئے۔ ایک فرقہ اثنا عشری کہلایا اور دوسرا فرقہ اسمعیلی کہلاتا ہے

اثنا عشریہ (یعنی بارہ امام)، اہل تشیع کا سب سے بڑہ گروہ مانا جاتا ہے۔ قریبا 80 فیصد شیعہ اثنا عشریہ ہیں۔۔ اثنا عشریہ کے بارہ ائمہ کا سلسلہ محمد ﷺ کے چچازاد اور داماد علیؓ سے شروع ہوتا ہے۔ ان کے نام اس طرح ہیں:

حضرت علیؓ	حضرت حسنؓ	حضرت حسینؓ	حضرت علی زین العابدینؒ	حضرت محمد باقرؒ	حضرت جعفر صادقؒ
حضرت موسی کاظمؒ	حضرت علی رضاؒ	حضرت محمد تقیؒ	حضرت علی نقیؒ	حضرت حسن عسکریؒ	حضرت امام مہدیؑ

اثنا عشری شیعہ امام جعفر صادق کے دو بیٹوں میں ان کے دوسرے بیٹے حضرت موسی کاظم کو امام حضرت موسی کاظم ان کی اولاد میں شمار کیا۔ حضرت حسن عسکری کے بعد کے تمام ائمہ ان کے عقیدہ کے مطابق ائمہ غائب ہیں اور امام مہدی ان کی اولاد میں ہوں گے اور قرب قیامت ظاہر ہوں گے اس طرح جملہ بارہ امام کو ماننے کی بنا پر اثنا عشری کہلائے۔

اسمعیلی گروہ نے امام جعفر کے بڑے بیٹے اسماعیل کو، جو والد کی حیات میں ہی وفات پا گئے تھے، اگلا امام مانا اسی مناسبت سے وہ اسماعیلی کہلائے۔ اس گروہ کے عقیدے کے مطابق امامت بڑے بیٹے کو ہی منتقل ہوتی ہے اور اسماعیلؒ کی وفات نہیں ہوئی بلکہ وہ مستور ہو گئے تھے۔

شیعہ میں ان کے علاوہ بھی دیگر فرقہ وجود میں آئے جن میں حضرت حسن کی اولاد کو اور حضرت علی کی دیگر اولاد کے سلسلے میں بھی مختلف عقائد رائج ہوئے۔ مختلف فرقوں نے مختلف علاقوں میں حکومتیں قائم کیں لیکن ان میں فاطمی حکومت ان تمام حکومتوں میں ممتاز ہے۔

فاطمی حکومت کی داغ بیل شیعت کے فرقہ اسمعیلی (باطنی) نے ڈالی تھی۔ جیسا کہ آپ نے اوپر پڑھا کہ اسمٰعیلی، اثنا عشری فرقہ کے بالمقابل حضرت امام جعفر صادق کے بعد موسی کاظم کو امام ماننے کے بجائے ان کے دوسرے لڑکے اسمٰعیل کی امامت کے قائل تھے۔ وہ ان کی بچپن میں وفات سے ان کا ر کرتے ہیں اوران کے مطابق حضرت اسماعیل مستور ہو گئے تھے اور ان کی وفات 133ھ میں ہوئی تھی۔ اسمعیلی روایت کے مطابق امام اسمٰعیل نے اپنے بیٹے محمد پر نص کیا تھااورامام محمد کے بعد تین ائمہ عبداللہ، احمد اور حسین ہوئے ۔ یہ تینوں مستورین کہلاتے تھے۔ اس فرقے نے آگے چل کر فاطمی اور سبعی کے نام سے شہرت پائی۔

کیونکہ یہ ائمہ اپنے کو چھپایا کرتے تھے اسی بنا پر اسمعیلی فرقے کے ائمہ اور حکمرانوں کے شجروں میں اختلاف بھی ہے۔ تاریخ میں اس سلسلے میں مختلف اقوال ملتے ہیں۔ ابن خلدون کے مطابق محمد بن اسمعیل کا نام ہی احمد مکتوم' پڑ گیا تھا۔ 268ھ میں ایک اسمعیلی / فاطمی امام حسین نے عسکر مکرم میں وفات پائی۔ تاریخ کے مطابق انہوں نے اپنی وفات سے پہلے اپنے بیٹے عبید اللہ کو نص کیا اور امامت کی وصیت کی۔ اسی اسمٰعیلی امام نے آگے چل کر سلطنت فاطمیہ کی بنیاد ڈالی۔ تاریخ میں یہ عبید اللہ 'المہدی' کے نام سے مشہور ہے۔

تحریک حکومت فاطمیہ

تاریخ کے مطابق اسمٰعیلی فرقے کے اکثر امام نظروں سے پوشیدہ رہ کر خفیہ طور پر اپنے پیروں جنہیں داعی کہا جاتا ہے، کے ذریعہ مشرق میں اپنے عقائد کی تبلیغ کرتے رہے۔ ائمہ مستورین کے داعی بھی اپنا نام بتانے میں بہت احتیاط کرتے تھے۔ یعنی یہ بھی بہت پوشیدہ زندگی بسر کرتے تھے۔ ان کے خاص خاص نقیبوں کے علاوہ ان کا پتہ کسی کو نہیں معلوم ہوتا تھا۔

ابتداء میں دیگر فرقوں کی طرح اسمٰعیلی فرقے کے داعیوں نے بھی مشرق میں امامت و خلافت نیز اپنے عقائد کی تبلیغ و اشاعت کی جاں توڑ کوشش کی۔ لیکن نہایت خفیہ ہونے کے باوجود بھی انہیں کامیابی نہیں ملی اور عباسی تحریک اور آگے چل کر عباسی حکومت کے استحکام

نے اس تحریک کو پنپنے کا موقع نہ دیا۔ اسی بناء پر آگے چل کر اس فرقہ کے مبلغین نے ان علاقوں کو اپنی دعوت کا مرکز بنایا جہاں خلافت عباسی کی گرفت کمزور تھی، انہوں نے مغرب کا رخ کیا اور وہاں اپنے عقائد کی تبلیغ و اشاعت کی تو انہیں غیر معمولی کامیابی ملی، چنانچہ ان کی دعوت یمن بحرین خراسان اور افریقہ کے خطے میں مضبوط ہو گئی تھی، انہوں نے اس تحریک کی اشاعت کے لیے ایک مضبوط داعی عبد اللہ الحسن کو افریقہ میں مقرر کیا گیا۔ اس وقت شمالی افریقہ میں عباسی خلافت کی نمائندہ اغلبی خاندان کی حکومت تھی۔ اسمعیلی داعی ابو عبد اللہ الحسن 280ھ میں یمن سے اس مذہب کی تبلیغ واشاعت کے لئے افریقہ پہنچے۔ عبد اللہ الحسن نے دعوت اسمعیلی کی پر زور تبلیغ کی اور اس تحریک کو افریقہ کے علاقوں میں کافی مستحکم کر دیا۔ خاص طور پر افریقہ کے سر کردہ قبائل-قبیلہ ءکتامہ اور دوسرے بربری قبائل کو اپنا حامی بنالیا۔ اس کے بعد عباسی عمال کے خلاف سازشیں کرنا اور دھیرے دھیرے ان سے ٹکر لینا شروع کیا۔

افریقہ میں ابوعبد اللہ الحسن کے خلاف ابراہیم اغلبی نے جو ایک قابل حکمراں تھے، جنگ کی اور ابو عبد اللہ کو شکست دی۔ انہوں نے دوبارہ اعلان جنگ کیا لیکن وہ ابراہیم اغلبی کے دور میں کامیاب نہ ہو سکے اور وقتی طور پر انہیں جبل ایکجان میں روپوش ہونا پڑا، اور یہاں ایک بستی دار الھجرت کے نام سے آباد کی اور خفیہ طور پر اسمٰعیلی عقائد کی اشاعت کرتے رہے۔ ابراہیم اغلبی کے انتقال تک وہ دوبارہ میدان جنگ میں آنے کی جرات نہ کر سکے۔ ابراہیم کے بعد زیادۃ اللہ نے اغلبی حکومت کا تخت سنبھالا لیکن ان میں ابراہیم کی سی فراست اور قوت فیصلہ نہیں تھی۔ ابوعبد اللہ نے بادشاہ کی کمزوری کا فائدہ اٹھایا اور دوبارہ سر گرمی سے اپنی کوشش میں مصروف ہو گیے۔ دوسری طرف اپنے آقا عبید اللہ کو افریقہ آنے کی دعوت دی۔ اسمعیلی داعیوں کے دعوی کے مطابق عبید اللہ المہدی آل فاطمہ میں تھے۔ ان کا سلسلہ نسب اس طرح بتایا جاتا ہے۔ عبید اللہ المہدی بن محمد الحبیب بن جعفر المصدق بن محمد المکتوم بن امام اسمعیل بن جعفر صادقؒ۔

11.2.2 شمالی افریقہ میں فاطمی حکومت کی تاسیس

اغلبی حکمران اصلاعباسی خلافت کے نمائندے تھے، اس لئے درحقیقت یہ تحریک خلافت عباسیہ کے خلاف ہی ایک سازش تھی، اس لئے اس وقت کے عباسی خلیفہ مکتفی باللہ نے خلافت کے دعویدار عبید اللہ کے خلاف گرفتاری کا فرمان جاری کیا اسمٰعیلی امام عبید اللہ المہدی جو شام سے اپنے بیٹے اور حسن کے بھائی ابو العباس کے ساتھ افریقہ کی طرف روانہ ہو چکے تھے مصر کے علاقہ میں گرفتار کر لئے گئے۔ لیکن وہاں سے کسی طرح فرار ہو کر افریقی علاقے تک پہنچ گئے لیکن یہاں بھی عباسی خلیفہ کا حکم پہنچ چکا تھا اس لیے سلجماسہ کے مقام پر 296ھ میں دوبارہ گرفتار ہوے، اور ان کو قید کر دیا گیا۔

اغلبی حکمراں زیادۃ اللہ نے فاطمی تحریک کی قوت کم کرنے کے لیے یکے بعد دیگرے کئی فوجیں بھیجیں، لیکن ان کی قوت اتنی بڑھ چکی تھی کی انہوں نے اغلبی فوجوں کو پے در پے شکست دی اور شمالی افرقی کا ایک بڑا حصہ فتح کر لیا۔ ۔296ھ / 908ء میں زیادۃ اللہ اغلبی خود میدان جنگ میں آئے عبد اللہ الحسن نے بربریوں کے لشکر جرار کے ساتھ میدان جنگ میں زیادۃ اللہ کو ایک فیصلہ کن شکست دے کر افریقی شہر اربس پر قبضہ کر لیا۔ زیادۃ اللہ جو شکست کے بعد اپنے پایہ تخت رقادۃ کی طرف لوٹ گیا لیکن اس معرکہ کے بعد اس کی ہمت بالکل ختم ہو گئی۔ اور وہ مایوس ہو کر مصر چلا گیا۔

اربس کی شکست کے بعد اغلبی فوج کے سپہ سالار ابراہیم نے قیروان جا کر حسن کے خلاف لوگوں کو جنگ پر آمادہ کرنا چاہا لیکن لوگ حسن کی قوت سے خوف زدہ تھے اس لیے انہوں نے ابراہیم کو شہر سے نکال دیا۔ عبداللہ حسن جب کئی لاکھ کی فوج لیکر قیروان پہنچا تو شہر کے سرکردہ لوگوں نے باہر نکل کر استقبال کیا حسن نے اہل شہر کو امان دے کر قیروان میں عبید اللہ المہدی کی امامت اور خلافت کا اعلان کر کے حکومت قائم کر دی اور رقادۃ کی طرف رخ کیا۔ جب وہ اغلبی دارالخلافہ رقادۃ پہنچا، تو زیادۃ اللہ اغلبی مصر جا چکا تھا اور اہل رقادۃ نے بھی کوئی مزاحمت نہیں کی، عبد اللہ حسن نے شہریوں کو امان دے دی اور اغلبی خاندان کی کل دولت واملاک اپنے قبضہ میں کر لیے۔ اور فاطمی امام عبید اللہ المہدی کی خلافت کا اعلان کر دیا اور شیعی رسوم وشعار جاری کیے۔

اس کے بعد اس نے عبید اللہ المہدی کی طرف توجہ کی جو سلجماسہ میں عباسی اغلبی گورنر کی قید میں تھے۔ قبیلہ کتامہ اور بربری لشکر کے ساتھ رقادۃ سے کئی لاکھ فوج لیکر سلجماسہ روانہ ہوا اس کی شان وشوکت دیکھ کر مختلف قبائل بغیر کسی مزاحمت کے اسکی اطاعت قبول کر لی، اور ابو عبداللہ حسن نے سلجماسہ میں داخل ہو کر عبید اللہ اور ان کے لڑکے ابو القاسم کو قید سے نکالا اور سلجماسہ میں چالیس دن قیام کے بعد 26 جمادی الاخر 297ھ / 908 کو عبید اللہ کو انہیں جلوس کے ساتھ لیکر روانہ ہوا آگے آگے وہ اعلان کرتا جاتا کہ یہیں آقا ہیں، ان کے بارے میں اللہ نے وعدہ پورا کیا اور ان کو حق اور غلبہ عطا فرمایا۔ اور رقادۃ میں انتہائی شان وشوکت سے داخل ہو کر عبید اللہ کی خلافت کا اعلان کیا ربیع الاول میں 297 / 908 میں عبید اللہ کی امامت کی عام بیعت لی۔ خطبے میں ان کا نام داخل کیا اور عباسی خلفا کا نام خطبے سے خارج کر دیا۔ عبید اللہ نے رقادہ میں زمام حکومت سنبھالی اور المہدی کا لقب اختیار کیا۔

عباسی خلافت کی کمزوری کے نتیجہ میں اس وقت جو حکومتیں قائم ہویں وہ اگرچہ خود مختار تھیں لیکن یہ ذیلی حکومتیں بغداد کی خلافت کو تسلیم کرتی تھیں اور جمعہ کی نماز میں عباسی خلفا کا نام شامل کرتی تھیں، لیکن فاطمی حکمرانوں نے عباسی خلیفہ کا نام خطبے سے نکال کر اپنا نام داخل کر دیا۔ فاطمی حکومت اپنے نسب اور خاندان کے اعتبار سے عباسی خلافت کی حریف اور مقابل بن گئی۔ یہ حکومت بھی عباسیوں کی طرح ایک مذہبی فرقہ کی مقتدا تھی۔ اور آگے چل کر یہ حکومت تہذیب وتمدن اور علوم وفنون کی ترقی میں بھی عباسی حکومت کے مقابل آگئی۔

فاطمی سلطنت کی سیاسی تاریخ دو ادوار میں بٹی ہوئی ہے۔ پہلا دور، افریقی دور کہلاتا ہے۔ یہ دور 297ھ / 908 سے 362ھ / 793 یعنی ابو عبداللہ الحسن کی کوششوں سے مہدی کی تخت نشینی کی تاریخ سے شروع ہوتا ہے اور یہ دور خلیفہ المعز کے دور میں مصر کی فتح تک شمار کیا جاتا ہے۔ دوسرا دور 362ھ / 973 سے 567ھ / 1171، یعنی خلیفہ المعز کے دار الخلافہ مصر منتقل کرنے سے صلاح الدین ایوبی کے مصر پر قبضے اور فاطمی سلطنت کے خاتمے تک شمار ہوتا ہے۔ اس حکومت نے تاریخ میں غیر معمولی اہمیت اور شہرت حاصل کی۔ اس حکومت نے سیاسی، علمی، ادبی، تمدنی، انتظامی معاشرتی، حربی اصطلاحی تعمیری اور ثقافتی اعتبار سے قابل فخر اثار و نقوش چھوڑے ہیں۔

اس سلطنت میں کل 14 حکمراں ہوئے۔ ان کی ترتیب اس طرح ہے۔

11.3 فاطمی خلافت کا افریقی دور

فاطمی خلافت کا آغاز 297ھ میں شمالی افریقہ کے شہر قیروان میں ہوا۔ ہم نے اوپر پڑھا کہ فاطمی حکومت کے قیام کیے لئے باقاعدہ ایک تحریک چلائی گئی۔ اور اس حکومت کے قیام میں اسمٰعیلی داعی ابو عبداللہ الحسن کی بہت زیادۃ کوششیں شامل ہیں۔

جب ابو عبداللہ الحسن نے قیروان میں سلطنت کے فاطمیہ کی حکومت کے قیام کا اعلان کرنے کے ساتھ ہی عباسی سیاہ شعار کو سفید سے تبدیل کر دیا۔ فجر کی اذان میں "الصلوۃ خیر من النوم" کی بجاے "حی علی خیر العمل" داخل کیا تراویح کو بند کر دیا اور انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پنجیتن کے نام لینا اور ان پر درود پڑھنا لازمی قرار دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ حضرت علیؓ کے مخالفین اور صحابہ کرام سے پناہ مانگنے کا حکم دیا۔ اور قبیلہ کتامہ کے سرکردہ لوگوں کو اسمعیلی شیعت کی تبلیغ پر مامور کیا۔ اس کی ان کوششوں سے بڑی سرعت سے اسمعیلی عقائد مغرب میں عام ہونے لگے۔ انہوں نے اندلس میں بھی اسمعیلیت کے فروغ کی کوشش کی لیکن ناکام رہے۔

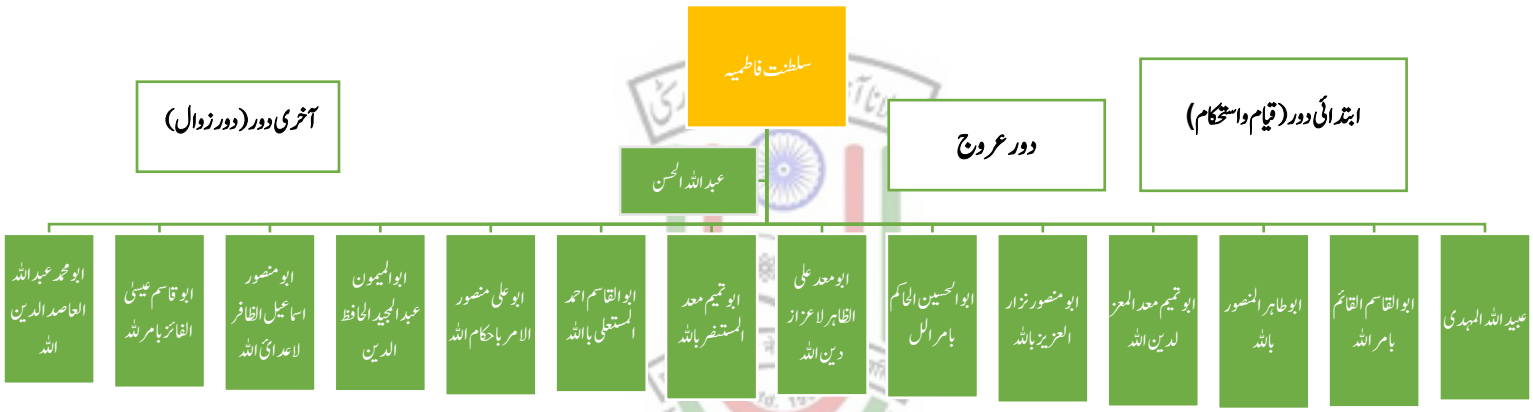

11.3.1 اہم حکمراں اور ان کے کارنامے

.11.3.1.1 عبید اللہ المہدی

عبید اللہ المہدی 260ھ میں منظر عام پر آئے، وہ ایک بہادر جری اور دور اندیش اور ماہر سیاست داں تھے۔، عبید اللہ ربیع الاول 297ھ میں دولاکھ فوج کے ساتھ رقادۃ میں داخل ہوئے، اور امیر المومنین المہدی کے لقب سے تخت سنبھالا اور عام بیعت لی۔ خلیفہ المہدی نے پچیس سال کامیاب حکومت کرنے کے بعد 322ھ میں انتقال کیا۔

بغاوتوں کا سدباب

قبیلہ کتامہ کی بغاوت

عبید اللہ المہدی نے جب تمام انتظامات سنبھال لئے اور حکومت میں عبداللہ الحسن کا کوئی عمل دخل باقی نہ رہا تو اس نے المہدی کی مخالفت شروع کر دی اور اس کے خلاف سازشیں رچنے لگا اور قبیلہ کتامہ جس نے اسمٰعیلی دعوت کو سب سے پہلے قبول کیا تھا اور مخالفت

فاطمیہ کے قیام میں بھرپور کوشش کی تھی، کو بھی خلیفہ سے برگشتہ کر دیا۔ اس نے عبید اللہ کے مہدی موعود ہونے پر بھی شک ظاہر کیا۔ سن 297ھ میں ایک خفیہ اجتماع منعقد کیا اور عبید اللہ کے خلاف بغاوت پر قبیلہ کتامہ سے بیعت لی۔

خلیفہ عبید اللہ المہدی کو جب اس کی اطلاع ملی تو اس نے مناسب سمجھا کہ عبد اللہ کو منظر سے ہٹا دیا جائے اور پھر اس کا انجام بھی ابو مسلم خراسانی کی طرح ہوا جس نے حکومت عباسیہ کی بنیاد ڈالی تھی۔ اور اسے 911ء میں قتل کر دیا گیا۔ ابو عبد اللہ کے قتل کے بعد قبیلہ کتامہ نے زاب نامی علاقے میں بغاوت کر دی اور فاطمی حکومت سے اپنی سیاسی اور اسمعیلی دعوت سے اپنی مذہبی علاحدگی کا اعلان کیا۔ قبیلہ کتامہ کے ایک سردار کو مہدی کے لقب کے ساتھ اپنا بادشاہ بنالیا اور آگے بڑھ کر فاطمی مقبوضہ شہروں پر قبضہ کر لیا۔ یہ بغاوت بڑی خوں ریزی اور کوشش کے بعد فرو ہوئی۔ اسی موقعہ پر عبید اللہ نے اپنے بیٹے القاسم کو اپنا ولی عہد نامزد کیا۔ قبیلہ کتامہ کی بغاوت کے بعد فاطمی خلیفہ کے لیے رقادہ میں خطرہ بڑھ گیا اسی لیے انہوں نے مشرق کی طرف پیش قدمی اور دیگر بغاوتوں کے سدباب کے لیے فاطمی خلیفہ المہدی نے افریقہ کے مشرقی ساحل پر المہدیہ شہر بسایا اور دارالخلافہ وہاں منتقل کر دیا۔

قبیلہ زناتہ کی بغاوت

قبیلہ زناتہ ایک بربری قبیلہ تھا جو تاہرت شہر کے اطراف میں رہائش پذیر تھے یہ شہر اہم تجارتی شاہراہ پر واقع تھا۔ قبیلہ کتامہ اور قبیلہ زناتہ میں آپس میں ہمیشہ ٹھنی رہتی تھی۔ چونکہ قبیلہ کتامہ کی مدد سے فاطمی حکومت کا قیام عمل میں آیا تھا اس لیے وہ فاطمی حکومت کے بھی مخالف تھے۔ جب شہر تاہرت فاطمی قبضہ میں چلا گیا تو ان کی مخالفت میں بھی شدت آگئی اور انہوں نے کئی دفعہ تاہرت پر حملہ کیے۔ بالاخر عبید اللہ المہدی نے ایک لشکر کے ذریعہ قبیلہ پر حملہ کر دیا اور ان کے تقریباً آٹھ ہزار اشخاص کو قتل کر کے بغاوت فرو کی۔

طرابلس کے شہر میں بھی بغاوت ہوئی اور انہوں نے فاطمی والی کو شہر سے بے دخل کر دیا اور ایک قریشی عرب کو والی مقرر کیا۔ اس شورش کو المہدی کے بیٹے القائم چھ ماہ کے طویل محاصرے کے بعد فرو کیا۔

صقلیہ کی بغاوت

فاطمین نے جب اغلبی علاقے فتح کیے تو صقلیہ بھی ان کے قبضے میں آگیا۔ عبید اللہ المہدی نے وہاں حسن بن محمد کتامی کو اپنا والی مقرر کیا۔ لیکن دو سال کے عرصے میں ہی گورنر کے ظلم کی وجہ سے اہل صقلیہ فاطمی حکومت کے خلاف ہو گئے اور عبید اللہ المہدی نے گورنر تبدیل کیا لیکن صورتحال میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی اور 300ھ میں اہل صقلیہ نے احمد بن زیادۃ اللہ کو اپنا والی مقرر کیا اور فاطمی سلطنت سے تعلق ختم کر کے عباسی سلطنت سے وفاداری کا اعلان کیا جس کو عباسی خلیفہ نے قبول کیا اور خلعت اور عباسی شعار عطا کیا۔

عبید اللہ المہدی نے احمد بن قرہب کی کاروائیوں کے خلاف ایک بحری بیڑہ تیار کیا اور پوری شدت سے حملہ کر کے صقلیہ پر دوبارہ قبضہ کر لیا اور کڑا تاوان لگایا اور اپنا والی مقرر کیا۔

11.3.2 توسیع حکومت

المہدی نے حکومت کے قیام کے بعد اس بات کی کوشش کی کہ مراکش سے ادریسی حکومت اور مصر سے عباسی حکومت کا خاتمہ کر کے وہاں پر بھی فاطمی حکومت قائم کر دی جائے چنانچہ 301ھ میں اپنے لڑکے ابو قاسم کے ذریعہ مصر پر حملہ کا آغاز کیا لیکن زیادہ کامیاب نہ مل سکی، 302ھ میں القاسم نے دوسرا ناکام حملہ کیا اسی طرح 306ھ میں مصر پر تیسرا حملہ ہوا لیکن وہ بھی زیادہ کامیاب نہ ہو سکا۔ البتہ مراقش کا علاقہ جس پر ادریسی خاندان کی حکومت تھی فاطمی سلطنت میں شامل ہو گیا۔ ان کا دار الحکومت فاس (مغرب اقصی) تھا، خلیفہ المہدی نے فاس پر قبضہ کر کے ان کو مغرب سے نکال دیا۔ یہ لوگ عمارہ (اندلس) چلے گئے اور وہاں بنی امیہ کے زوال کے بعد بنو حماد کے نام سے اپنے ریاست قائم کی۔ خلیفہ عبید اللہ المہدی نے بازنطینیوں سے معاہدے کیے تاکہ ساحلی علاقوں کی حفاظت ہو سکے۔ اس کے علاوہ مہدی نے خارجیوں کے خلاف کارروائی کی اوران کو شکست دی۔

خلافت عباسیہ بغداد سے آزاد ایک مستحکم شیعی دینی حکومت قائم کرنے کے بعد المہدی نے ہر شہر میں والی مقرر کئے اور اسماعیلی عقائد کی تبلیغ کیلئے تمام شہروں میں داعی بھیجے۔ ابتدا میں طاقت کے بل بوتے پر عوام کو شیعی عقائد ماننے پر مجبور کیا گیا لیکن اس میں زیادہ کامیابی نہ مل سکی اس لئے آگے چل کر عبید اللہ نے مذہبی آزادی کا اعلان کر دیا تھا۔

دیگر کارنامے: عبید اللہ المہدی نے حکومت کے استحکام و توسیع کے ساتھ ساتھ علوم و فنون کو بھی ترقی دی۔ خلیفہ عبید اللہ المہدی کا کتب خانہ اپنی نادر کتابوں کی بنا پر کافی شہرت رکھتا آگے چل کر یہی کتب خانہ فاطمی شاہی کتب خانے کی بنیاد بنا جو اپنے وقت کے عجائب میں شمار ہوتا تھا۔

11.3.2.1. ابو القاسم قائم بامر اللہ

المہدی کے بعد ابو القاسم نے القائم باللہ کی نام سے نے زمام حکومت سنبھالی۔ وہ ایک زیرک اور دلیر سپہ سالار تھا۔ عقائد کے معاملہ میں کافی سخت تھا۔ اس کے دور میں بھی بغاوتیں رونما ہوئیں جس کو اس نے کامیابی سے فرو کیا۔

اس کے دور کی سب سے بڑی بغاوت خارجیوں نے برپا کی۔ اس شورش کا سرغنہ ابو زید خارجی تھا۔ اس کا تعلق قبیلہ زناتہ سے تھا جو اندلس کی خلافت امیہ کا ہمنوا تھا اور خلیفہ الناصر لدین اللہ کی طرف دعوت دیتا تھا۔ وہ مذہبی اور سیاسی عصبیت کی وجہ سے فاطمی حکومت کو ختم کر کے اپنی حکومت قائم کرنے اٹھ کھڑا ہوا۔ ابو زید خارجی سے جو لڑائیاں ہوئیں ان میں ابو زید نے کو کامیابی ملی اور اس نے فاطمی سلطنت کے بہترے علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ یہاں تک کہ رقادہ اور قیروان کے علاقوں پر بھی خارجیوں نے قبضہ کر لیا۔ فاطمی خلیفہ کو المہدیہ میں پناہ لی لیکن خارجیوں نے المہدیہ کا بھی محاصرہ کر لیا۔ لیکن قبیلہ میں پھوٹ پڑنے کی وجہ سے ابو زید خرجی کو واپس جانا پڑا۔ لیکن قبل اس کے کہ ابویزید کی شورش پورے طور پر ختم ہوتی، خود قائم کی وفات ہو گئی۔

قائم باللہ کے بعد ان کے بیٹے ابو طاہر اسمعیل نے المنصور باللہ کے لقب سے امام تفویض ہوئے اور تخت سنبھالا۔ اس وقت خارجیوں

کی بغاوت جاری تھی۔ ان کے درمیان کئی معرکہ ہوئے۔ بلاخر 335ھ میں المنصور نے ایک لشکر جرار تیار کیا اور ایک فیصلہ کن جنگ میں ابوزید خارجی کو شکست دی۔ ابویزید نے راہ فرار اختیار کی لیکن شدید زخمی ہونے کی وجہ سے گرفتار ہوا۔ یہ بغاوت تاریخ میں دجال کے نام سے معروف ہے۔ المنصور باللہ نے دیگر بغاوتوں کو بھی کامیابی سے فرو کیا اور اپنی کوششوں سے مغربی علاقوں میں فاطمی حکومت مستحکم کر دیا۔

خلیفہ المنصور نے سات سال حکومت کی اس دور حکومت میں اس نے کئی تعمیراتی کام بھی انجام دئے۔ خلیفہ المنصور نے سیاسی نقطہ نظر سے اپنا دارالخلافہ منتقل کیا۔ انہوں نے رقادہ اور قیروان کے درمیان ایک نئے شہر المنصوریہ کی بنیاد ڈالی اور عباسی خلیفہ منصور کی طرح اس نئے شہر کو دائرہ کی شکل میں آباد کیا۔ یہ شہر اپنے وقت کا نہایت پر شکوہ اور اہم شہر تھا۔ خلیفہ القائم اور خلیفہ المنصور نے فاطمی حکومت کے استحکام میں اپنا نمایاں کردار ادا کیا۔ اور ان کی کوششوں سے فاطمی خلافت شمالی افریقہ میں مستحکم ہو گئی۔ خلیفہ المنصور کے انتقال کے بعد اس کے بیٹے ابو تمیم معد نے المعز لدین اللہ کے نام سے امامت کی اور خلافت سنبھالی۔ المعد کا دور فاطمی سلطنت کے عروج کا آغاز اور نقطہ عروج مانا جاتا ہے۔ المعز کے دور میں مصر کی فتح اور فاطمی دارالخلافت کا مصر منتقل ہونا تاریخ میں ایک اہم سنگ میل شمار کیا جاتا ہے۔

11.4 فاطمی خلافت کا مصری دور

11.4.1 مصر کی فتح اور استحکام

فاطمی سلطنت کے عروج کے ذکر سے پہلے مصر کے اس وقت کے حالات کا جاننا مناسب ہو گا۔ مصر فوجی اور سیاسی دونوں لحاظ سے نہایت اہم مقام تھا۔ مصر میں اس وقت اخشیدی خاندان کی حکومت تھی۔ اور اس اخشیدی فرمانروا کا دائرۃ شام اور حجاز تک وسیع تھا۔ یہ حکومت بھی عباسی خلافت کو تسلیم کرتی تھی۔ اور مصر کی فتح سے شام اور مکہ مدینہ بھی فاطمی سلطنت کا حصہ بن جاتے۔ 335ھ میں مصر کے حکمراں اخشید محمد بن طغج کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد ایک حبشی غلام کافور نے مصر پر بڑی دانائی سے حکومت کی اور اس کا دور مصر کا زریں دور تھا۔ 356ھ / 967 کو مصر میں اخشیدی فرمانرواں ملک کافور کا وصال ہو گیا اور اس کے بعد ایک خورد سالہ لڑکے کو اخشیدی فرمانرواں بنایا گیا- جس کی بنا پر اختیارات بادشاہ کے بجائے امرا کے پاس منتقل ہو گئے اور ملک اندرونی خلفشار کا شکار ہو گیا اور مصر میں امن وامان کی حالت بگڑ گئی دوسری طرف مصر میں قحط کی وجہ سے معاشی صورت حال کافی پریشان کن تھی۔ تیسرا اہم سبب یہ بھی تھا کہ مصری عوام ترک فوجیوں کے ظلم وجور سے نالاں تھی۔ ان سب عوامل نے مل کر مصر میں فاطمی حکومت کی راہ ہموار کر دی۔

ابو عبید اللہ المہدی نے اپنی خلافت کے چند ہی سال میں مصر پر اپنے سیاسی اثر ورسوخ جمانے کے لیے تگ و دو شروع کر دی تھی۔ انہوں نے اپنے بیٹے القاسم کی سپہ سالاری میں مصر پر دو بار حملہ کیا لیکن اس کی یہ دونوں مہمیں ناکام ہو گئیں۔ القائم نے اپنی جانشینی میں تیسری بار مصر پر حملہ کیا لیکن وہ حملہ بھی ناکام رہا۔ القائم کے بعد المنصور نے بھی مصر فتح کرنے کے لیے فوجیں روانہ کیں جو کہ کامیاب نہ ہو سکیں۔ گو کہ جنگی نقطہ نظر سے فاطمی حکمراں اپنے ابتدائی مرحلہ میں مصر میں کامیاب نہ ہو سکے لیکن اسمعیلی تحریک مصر کے گوشے گوشے میں خفیہ داعیوں کے ذریعہ پھیل رہی تھی، اور آگے چل کر مصر ہی کے سرکردہ افراد نے خود المعز کو مصر پر حملے کی طرف متوجہ کیا اور اس

کے لیے فتح مصر کا مرحلہ آسان ہو گیا۔

شعبان 358ھ / یکم جولائی 969ء کو المعز کے حکم پر سپہ سالار جوہر الصقلی نے اس ملک کو آسانی کے ساتھ مسخر کر لیا اور دارالخلافہ فسطاط تک پہنچ گیا۔ مصر کے امیروں، وزیروں عالموں اور قاضیوں نے فسطاط کے دروازے پر جوہر الصقلی کا استقبال کیا۔ اس نے مصر میں فاتحانہ داخل ہو کر فاطمی خلیفہ کے نام کا خطبہ پڑھا اور عباسی خلیفہ کا نام خارج کر دیا۔ اور وہ تمام تبدیلیاں کی جو انہوں نے افریقہ میں حکومت کے وقت کیں تھیں۔ ان امور سے فارغ ہو کر وہ انتظام مملکت کی طرف متوجہ ہوا اور قحط کے سد باب، اور امن کی بحالی کے اقدامات پر اپنی توجہ مرکوز کی اور اس سلسلے میں اس نے خاصی فیاضی سے کام لے کر عوام کے دلوں میں اپنے لیے نرم گوشہ بنا لیا۔ اس کے بعد اس نے اخشیدی امارت کے تحت جتنے مقبوضات تھے وہاں فاطمی تسلط کو وسعت دینے کی پوری کوشش کی، مکہ اور مدینہ میں خاص طور سے بہت مال وزر صرف کر کے ان دونوں مقدس شہروں کے باشندوں کو اپنا ہمنوا بنا لیا اور وہاں کی عوام نے بلا تاخیر 359ھ / 970-971ء میں فاطمیوں کی اطاعت قبول کر لی۔

شام کے بہت سے شہروں میں اخشیدی خاندان کے افراد حکومت کر رہے تھے۔ مصر کی فتح کے بعد المعز کے حکم سے جوہر نے شام کے کئی علاقے تسخیر کر لیے۔ اور 359ھ میں دمشق، حلب و حمص میں بنو فاطمہ کا خطبہ پڑھا گیا۔ لیکن یہ فتح عارضی ثابت ہوئی کیونکہ قرامطہ ہر سال ایک کثیر رقم اہل دمشق سے وصول کرتے تھے۔ اور اس فتح سے انہیں مالی اور سیاسی طور پر نقصان اٹھانا پڑا، اس لیے فاطمیوں کے ہم عقیدہ ہونے کے باوجود انہوں نے فاطمیوں کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا۔ اور ان کی اس جنگ میں عباسی خلیفہ المطیع باللہ نے ان کی مدد کی اور شام کے مقبوضات فاطمین سے چھین لیے گئے۔ اس کے بعد انہوں نے مصر پر بھی حملہ کیا لیکن مصر پر فاطمی قبضہ باقی رہا۔

11.4.2 دور عروج

فاطمی سلطنت کا عروج مصر کی فتح اور فاطمی دار الخلافت کے افریقہ سے مصر منتقلی سے شروع ہوتا ہے۔ فاطمی خلفا کا عروج عہد خلیفہ المعز کے دور سے شمار کیا جاتا ہے۔ خلیفہ المعز نے فاطمی دارالخلافہ قیروان کو ترک کر کے قاہرہ کو اپنا دار الخلافہ قرار دیا اور شہر کے گرد فصیل تعمیر کروائی اور 362ھ / 973ء میں افریقہ کا انتظام ایک صنھاجی بربری قبیلہ کے سپرد کر کے مصر منتقل ہو گئے۔ مصر پہنچنے کے کچھ ہی عرصے بعد 365ھ / 975ء، 45 سال کی عمر میں ان کا انتقال ہو گیا۔ خلیفہ المعز کے بعد ان کے بیٹے العزیز اور ان کے بعد العزیز کے بیٹے الحاکم کا دور سلطنت فاطمیہ کا عروج مانا جاتا ہے۔ ان کے دور حکومت میں فاطمی سلطنت اسلامی دنیا کی سب سے بڑی طاقتور اور پائیدار سلطنت شمار کی جانے لگی تھی، فاطمیوں کے عہد میں مسلمانوں کی بحری طاقت میں بہت اضافہ ہوا۔ وہ روم اور نیپلز پر حملے کرتے رہتے تھے اور یورپی بیڑے ان کے سامنے نہیں ٹھہر سکتے تھے۔ فاطمیوں کا بحری نظام فوج بھی بری نظام فوج کی طرح کافی مستحکم اور منظم تھا۔

11.4.3 ابو تمیم معد المعز لدین اللہ 341ھ تا 365ھ

منصور کے انتقال ان کے بیٹے المعد نے المعز لدین اللہ کے لقب سے حکومت سنبھالی۔ ایک لائق اور قابل شخصیت تھے۔ وہ عربی یونانی بربر اور مختلف سوڈانی زباوں کے علاوہ اور کئی زبانوں میں مہارت تھی۔

اہم کارنامے

افریقہ میں استحکام پیدا کرنے کے لیے المعز نے مختلف قبیلوں کے رئیسوں کو دادودہش سے اپنی طرف راغب کیا۔ اور مذہبی رواداری کی پالیسی اپنائی۔ شمالی افریقہ میں اپنی رعایا کو مذہبی آزادی دینے سے اندرونی بغاوتوں کا سدباب ہو گیا۔

اس کے دور میں مغرب اقصی کے لوگوں نے بغاوت کی اور اکثر والیوں کا اخراج ہو گیا تھا۔ اس نے ان کے خلاف مہمیں راوانہ کیں اور یہ علاقے دوبارہ زیر دست ہوئے۔

مصر کی فتح قاہرہ اور الازہر کی تعمیر

خلیفہ قائم اور المنصور کے دور کی بغاوتوں کی بنا پر مصر کی طرف ہونے والی پیش قدمی کا سلسلہ موقوف ہو گیا تھا۔ اس لیے خلیفہ المعز نے دوبارہ اس طرف توجہ کی اور جوہر الصقلی، جو ایک انتہائی قابل اور وفادار سسلی جنرل تھا مصر کی طرف روانہ کیا۔ اس سسلی گورنر نے ابو عبداللہ الحسن کے ساے تھ مل کر فاطمی حکومت کے قیام میں نمایاں کردار ادا کیا تھا۔ جزیرہ صقلیہ کو سلطنت کا حصہ بنانے نیز مراقش کی فتوحات کے ذریعہ بڑی عظمت و شہرت کا حامل تھا۔

المعز نے جوہر الصقلی کو اپنے فوج کا سپہ سالار بنایا اور اسے ایک لاکھ سوار اور بے شمار مال ومتاع اور ساز وسامان کے ساتھ مصر کو مسخر کرنے کا حکم دیا۔ اسماعیلی داعی چونکہ مصر میں خفیہ طور پر اپنا کام کر رہے تھے اس لیے جوہر الصقلی نے نہایت حکمت عملی کے ساتھ امرا و با اثر زعمائے مصر کو اپنا ہمنوا بنالیا اور زوال پذیر اخشیدی حکومت کو شکست دے کر مصر کو فاطمی سلطنت کا حصہ بنا دیا۔

المعز کے حکم پر مصر میں فوجوں کے قیام کے لیے ایک نیا شہر فسطاط کے قریب قاہرہ کے نام سے آباد کیا گیا اور اس میں مشہور زمانہ جامع مسجد تعمیر کی گئی جس کو آج جامع ازہر کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس کے بعد المعز نے پایہ تخت مصر کے نئے شہر قاہرہ میں منتقل کر لیا اور اس کے بعد مصر فاطمیوں کا دار الخلافہ بن گیا۔

المعز نے مصر منتقل ہونے کے بعد تقریباڈھائی سال حکومت کی اور اس کے بعد اس کا انتقال ہو گیا۔

11.4.4 العزیز باللہ

المعز کے بعد العزیز باللہ نے زمام حکومت ہاتھ میں لی اور فاطمی حکوت کے حدود میں مزید توسیع کی اس کے دور میں حدود مملکت بحر اوقیانوس سے لیکر شرقی حجاز تک وسیع ہو گئے تھے۔ اور اس طرح بلاد عرب سے بحر اطلس تک کی مساجد میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا جانے لگا۔

وہ بھی اپنے والد کی طرح مذہبی روادار کے اصول پر عمل پیرا رہا اور خاص طور پر عیسائیوں کے ساتھ حد درجہ رواداری کا برتاؤ کیا۔ مختلف علاقوں میں کنیسی کی تعمیر کی منظوری دی اور انہیں وزارت کے عہدہ بھی دیے۔۔ العزیز کے دور میں کئی نئی چیزوں کا بھی رواج ہوا۔ اس نے نظام مملکت میں اصلاحات کیں، رشوت کا سدباب کیا، بحری افواج اور بیڑے تیار کروائے۔ العزیز کو تعمیر سے عشق تھا اس نے مختلف

عمارتوں کی تعمیر میں بے دریغ روپیہ خرچ کیا بڑے بڑے پل، سرائے اور باؤلیاں بنوائیں۔ محلات اور مسجد میں منفرد تعمیری طریقہ اختیار کیا۔

11.4.5 الحاکم بامر اللہ

خلیفی العزیز کی وفات کے بعد ان کا جانشین حاکم بامر اللہ صرف گیارہ سال کی عمر میں خلیفہ بنا۔ تاریخ میں آتا ہے کہ خلیفہ الحاکم کی ماں عیسائی تھی۔ آغاز حکومت میں الحاکم نے اپنے اتالیق برجوان کے اکالت میں حکومت کی۔

اور الحاکم کے مزاج میں ٹھہراؤ نہیں تھا۔ وہ اپنے افکار و نظریات میں نہایت سخت تھا اور مزاج و طبیعت کے اعتبار سے عجیب و غریب اوصاف پائے جاتے تھے۔ مثلاجب کسی پر عنایت ہوتی تو اپنے خزانے کے منہ کھول دیتا اور جب ناراضگی ہوتی تو عتاب بھی شدید ہوتا اور لرزہ خیز سزا کا حکم ہوتا۔ تمام مورخین نے اس کے افعال و اعمال میں عجیب طرح کے تناقض کا ذکر کیا ہے۔ اس تضاد کی بناپر اس کے اچھے اور برے دونوں طرح کے کارنامے تاریخ میں ملتے ہیں۔ الحاکم کا سب سے شاندار کارنامہ وسیع پیمانے پر علمی و تحقیقی ترقی کے لیے دار الحکمت کا قیام ہے اسی طرح جبل مقطم کے دامن میں شاندار رصد گاہ کا قیام بھی الحاکم کے دور میں ہوا۔ مختلف سطح پر علم، فنی اور ادبی مقابلے اور ان کی سرپرستی کی بناپر مصر میں علم وادب کو اس دور میں کافی فروغ ہوا۔ اس کے دور میں اسمعیلی دعوت اپنے عروج کو پہنچ گئی تھی اور اس کے قواعد وضوابط کے تحت مصر کی کثیر عوام نے شیعہ مذہب قبول کر لیا تھا۔

اس کے کارناموں کی طرح الحاکم کے جبر و قہر کی بھی عجیب و غریب واقعات تاریخ میں درج ہیں۔ الحاکم کے دور میں مختلف مسلک و مذاہب کے لوگوں پر بہت ظلم کیے گئے اور اسی طرح اس کے کئی ظالمانہ احکام کی بناپر مصر میں بدامنی کا ماحول پیدا ہو گیا تھا۔ تاریخ کے مطابق الحاکم نے خدائی کا دعوی کیا تھا اور عوام کی ایک کثیر تعداد اسکی معتقد بھی تھی اور اس کو خدا کے صفات میں شریک سمجھتے تھے۔ الحاکم کی وفات کے بارے میں مختلف آرا ہیں۔ بعض مورخین کے مطابق اس کی پالیسیوں اور تلون مزاجی کی بناپر اس کو قتل کر دیا گیا اور بعض خوش عقیدہ لوگ مانتے ہیں کہ وہ مستور یا غائب ہو گئے ہیں اور اس طرح ایک نئے فرقہ کا بھی تاریخ میں آغاز ہوا۔

11.5 دور زوال

411ھ میں حاکم کے بعد اس بیٹا ظاہر کمسنی میں جانشین ہوا اور اس بناپر اس کی پھوپھی ست الملک نے حکومت کے فرائض کامیابی سے انجام دیے۔ ظاہر کے دور میں دریائے نیل میں طغیانی کم ہونے کی بناپر مصر میں ہولناک قحط پڑا۔ شام میں کئی بغاوتیں ہوئیں جن کو فرو کرنے میں دولت وطاقت صرف کرنا پڑی۔

11.5.1 المستنصر باللہ

ظاہر کے بعد مستنصر نے صرف سات سال کی عمر میں مسند خلافت سنبھالی۔ فاطمی سلطنت کے دور زوال کا یہ واحد اہم حکمراں جس نے ساٹھ سال حکومت کی۔ اس دور میں فاطمیوں نے غیر معمولی عروج حاصل کیا اور عباسی دار السلطنت بغداد میں بھی ایک سال تک فاطمی خلیفہ کا خطبہ پڑھا جانے لگا۔ مشرقی حصے میں فاطمیوں کے عروج کی یہ انتہا تھی۔ مستنصر کے دور میں درباری شان و شوکت کے واقعات

ساسانی دربار کی شوکت کو مات دیتے نظر آتے ہیں۔ اس کے ساتھ مختلف ادبی اور علمی کارنامے بھی ملتے ہیں لیکن مستنصر کا دور دور عروج کا حصہ اس لیے شمار نہیں کیا جاتا کیونکہ الظاہر کے دور سے ہی بغاوتیں ہر خطہ میں پھوٹ پڑی تھیں۔ اور مستنصر کا دور کامیابیوں کے ساتھ ساتھ شورش اور فتن کا دور بھی تھا جس کی بنا پر مرکز خلافت ہل گیا اور فاطمی شمالی افریقہ سے ہاتھ دھو بیٹھے اسی کے ساتھ بلاد شام سے بھی محروم ہو گئے اور سلجوقیوں کے قبضہ میں چلے گئے۔ جزیرہ صقلیہ بھی فاطمی قبضہ سے باہر نکال گیا اور مستنصر کے بعد مستعلی کے دور میں اصلا خلیفہ کا عمل دخل فاطمی خلفا کے ہاتھ میں نہ رہا اور حکومت وزرا اختیار چلی گئی۔

11.5.2 اسباب زوال

تاریخی روایتوں کے تجزیہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ فاطمی سلطنت کے زوال کی بنیاد خلیفہ الحاکم کے دور سے ہی پڑ چکی تھی خاص طور پر اسکی تلون مزاجی اور اہل سنت کے ساتھ اس کے جانبدارانہ رویہ سے عوام برگشتہ ہو چکی تھی، آگے کے خلفا میں سیاسی بصیرت کی کمی اور لہو ولعب میں مشغولی بھی سلطنت فاطمیہ کے زوال کا اہم سبب ہے۔ دوسرے فاطمی خلافت کے مصر منتقل ہونے کے کچھ عرصے بعد سے ہی صقلیہ کے انتظام پر ان کی گرفت رفتہ رفتہ کمزور ہوتی گئی۔ اور یورپ سے نزدیک ہونے کی بنا پر وہاں عیسائیوں بادشاہوں کے لیے ترنوالہ بن گیا اور 1091ء میں صقلیہ ہمیشہ کیلئے عیسایوں کے قبضہ میں چلا گیا۔ فوج جس نے سلطنت فاطمیہ کے قیام اور استحکام میں ایک نمایاں کردار ادا کیا تھا مختلف ٹکڑیوں میں بٹ کر نسلی تعصب کا شکار ہو گئی، اور سلطنت میں جابجا بغاوتیں پھوٹ پڑیں اور فوج کی اس کمزوری کی بنا پر سلطنت فاطمیہ کی سرحدیں سکڑنے لگیں۔ اور افریقہ میں مرابطین، اور شام میں سلجوقیوں نے اپنا قبضہ جمالیا۔

بدر الجمالی جو شام کا والی تھا، اس نے کافی حد تک شورشوں پر قابو پایا اور وزارت کے عہدے پر فائز ہوا۔ مستعلی کے دور سے فاطمی خلیفہ کا صرف نام باقی رہا اور اصل اختیارات وزیروں کے پاس منتقل ہو گے۔ عیسایوں نے فاطمی خلفا کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر صلیبی حملے شروع کر دیئے اور 489ھ میں بیت المقدس پر صلیبیوں کا قبضہ ہو گیا اور مصری اس کا دفاع نہیں کر سکے۔ 510ھ انہوں نے مصر پر حملہ کیا اور فرما کو جلا دیا اور تنیس کے قریب پہنچ گئے۔ جسکے بعد فاطمیوں کی رہی سہی قوت بھی ختم ہو گئی۔ اور خلیفہ فائز کے عہد میں نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ وہ اپنی حکومت بچانے کے لیے صلیبیوں کو سالانہ رقم دیتے تھے۔ خلیفہ عاضد کے عہد میں عیسائیوں کے ظلم سے تنگ آکر اتابکی سلطان نور الدین زنگی اور اسد الدین شیر کوہ سے مصر کو صلیبیوں کی ریشہ دوانیوں سے بچانے کی درخواست کرنا پڑی۔

خلیفہ الفائز کے انتقال کے بعد حافظ کے ایک پوتے العاضد لدین اللہ (555ھ تا 567) جو اس کے بیٹے یوسف کا لڑکا تھا خلیفہ بنایا گیا۔ یہ کمسن لڑکا تھا اور یہ فاطمیوں کا آخری خلیفہ تھا، اس کے عہد میں ہی صلاح الدین ایوبی کا مصر پر قبضہ ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی 567ھ میں فاطمی خلافت کا خاطمہ ہو گیا۔

فاطمی حکومت کے زوال کے اسباب پر تبصرہ کرتے ہوئے اسٹانلی لینپول لکھتے ہیں:

" فاطمی حکومت برقرار رکھنے میں نہ تو حکمرانوں کی قابلیت تھی اور نہ محکوموں کا اخلاص۔ اکثر خلفاء بڑے عیش پسند تھے اور حکومت وزیروں کے ہاتھوں میں منتقل ہو گئی تھی، جو بار بار اپنے بادشاہوں اور فوج کے متواتر مالی مطالبوں کی وجہ سے جنکے پورا کرنے میں وہ

کبھی کامیاب اور کبھی ناکام ہوتے تھے اور بدل دیئے جاتے تھے۔ اکثر وزرا صرف روپیہ سمیٹنے میں لگے ہوئے تھے۔ ان کی پالیسوں میں نہ بلند خیالات تھے، نہ حوصلہ مند تجویزیں۔ وہ سلطنت جو معز کے زمانے میں شمالی افریقہ، صقیلہ، شام اور حجاز تک پھیلی ہوئی تھی جلد گھٹ گھٹا کر صرف مصر تک محدود رہ گئی۔ افریقہ اضلاع جو صرف خراج گزاری کے تعلق کے باعث معلق تھے۔ 440ھ میں خود مختار ہو گئے اور خلفائے عباسیہ کی پھر سے اطاعت (برائے نام ہی کیوں نہ ہو) کرنے لگے۔ شام پوری طرح ان کے قبضہ میں نہیں آیا اور بغاوتوں اور خانہ جنگیوں کا مرکز بنا رہا۔ فقط بلاد عرب میں ان کا اثر زیادہ رہا۔ لیکن ان کی ذاتی کوششوں سے نہیں بلکہ عام شیعی تحریک کی وجہ سے جو بغیر ان کی رہنمائی کے وہاں جاری تھی"

11.6 نظم ونسق

دولتِ فاطمیہ اپنی دولت وثروت اور شان وعظمت کے اعتبار سے مسلم سلطنتوں میں سب سے بڑی حکومت تھی۔ قصرِ شاہی میں بہت سے محکمے اور توشہ خانے تھے، ان میں سے چند یہ ہیں: خزانۃ الکسوۃ، درزی خانہ، خزانۃ الکسوۃ الباطنۃ، خزائنِ جواہر، خزائنُ السلاح، خزائن فرش واَمتعہ، خزانۃ السراج، خزانۃ الشراب، خزانۃ الطعام، خزانۃ الخیم، خزائن البنود، حواصلُ المواشی اور دارالضیافۃ وغیرہ۔

فاطمین کا نظام حکومت نہایت منظم اور باقاعدہ تھا۔ دیگر اسلامی سلطنتوں کی طرح مقتدر اعلیٰ امام یا خلیفہ ہوتا تھا۔ قصر شاہی میں بہت سے محکمے اور ذیلی محکمے تھے۔ عہدہ داروں کے دو درجہ ہوتے تھے، ایک وہ عہدہ دار ہوتے جن کا تعلق راست امام اور خلیفہ سے ہوتا تھا یعنی دارالخلافہ کے عہدہ دار اور دوسرے قسم کے عہدہ دار نائب یا والی کہلاتے تھے اور ضلعوں میں تعینات کیے جاتے تھے

پہلے درجے کے عہدہ دار

پہلا طبقہ اہل شمشیر کا ہوتا جس میں وزیر، سپہ سالار جیش، امیر الباب اور مہتمم شامل ہیں۔ وزیر حکومت کا سب سے اہم اور اعلی عہدہ دار ہوتا تھا۔ اکثر وزرا اہل سیف اور اہل قلم ہوتے تھے۔ سپہ سالار تمام فوج کا قائد اور شاہی محل کی حفاظت کا ذمہ دار ہوتا تھا۔

دوسرا طبقہ اہل قلم کا ہوتا تھا جس میں تین شعبے ہوتے تھے پہلے شعبے میں وہ عہدہ دار ہوتے تھے جو دینی اور دعوتی خدمت انجام دیتے تھے، جس میں قاضی القُضاۃ، اسمعیلی داعی الدعاۃ اور محتسب شامل ہوتے تھے۔ دوسرا شعبہ ان کا تھا جو دیوانی کی خدمات امجام دیتے تھے ان میں وزیر (اگر وہ صاحب قلم ہو)، کاتب منشی، صاحب تحقیق، صاحب دفتر مال وغیرہ شامل تھے۔ تیسرا شعبہ اہل الصناعات کا تھا جن میں اطبا کا درجہ سب سے بڑا تھا، اور چوتھا طبقہ دیگر ادبا اور شعرا کا ہوتا تھا۔

دوسرے درجہ کے عہدہ دار

یہ نائب یا والی کہلاتے تھے اور ضلعوں پر مقرر کیے جاتے تھے۔ دولت فاطمیہ چار ولایتوں میں منقسم تھی۔

1۔ ولایت قوص (یہ سب سے بڑی ولایت شمار کی جاتی تھی) 2. ولایت شرقیہ

3. ولایت عربیہ 4. ولایت اسکندریہ۔

بڑے ضلعوں پر فاطمی والی مقرر ہوتے تھے، مقامی معاملات مقامی عہدہ داروں کے سپرد ہوتے تھے

11.7 سماجی، معاشی، مذہبی احوال

فاطمی دور کا سماج

اپنے استحکام اور عروج کے دور میں مختلف ممالک اور سماج و مذہب کے لوگ فاطمی حکومت میں شامل تھے۔ شمالی افریقہ میں شہری زندگی خوشحال اور آسودہ تھی جس کے باعث انہوں نے مضبوط بحری بیڑے تیار کیے اور نئے شہر آباد کیے، اسلامی مصر کی تاریخ میں فاطمی دور سب سے زیادہ شاندار اور تاریخ دور شمار ہوتا ہے۔ وہ صنعت حرفت اور معماری اپنی مثال آپ تھا۔ اعلی مصنوعات اور شاہکار عمارتیں اس عہد کی خاص پہچان ہیں۔ خلیفہ المعز اور العزیز کے دور کی خوشحالی کا مقابلہ قدیم فرعونی اور اسکندری حکومتوں سے کیا جاتا تھا۔

دریائے نیل کے کنارے آباد مصر کی سرزمین نہایت زرخیز تھی۔ فاطمی دور میں قابل انجینئرس نے آبپاشی کے مختلف نئے نئے طریقے ایجاد کیے اور زراعت کو عروج پر پہنچا دیا۔ دولت فاطمیہ کے ذرائع آمدنی کافی اہم تھے جس میں جزیہ خراج محصول زکوۃ، مستغلات شامل ہیں۔

معاشی احوال

اس حکومت نے اداری ومالیاتی تنظیم، معاشرتی ترقی، تجارتی ومعاشی آسودگی، دربار وقصر کی شان وشوکت، اعلی درجہ کی فکری وفنی سرگرمی کی وجہ سے بہت عظمت حاصل کی۔ شمالی افریقہ میں شہری زندگی خوشحال اور آسودہ تھی۔ اس خوشحالی کے باعث ابتدائی فاطمی خلفاء کو یہ موقع ملا کہ وہ اپنے قیمتی وسائل کو بروئے کار لا کر ایک مضبوط بحری بیڑا اور فوج تیار کریں۔ مصر نے فاطمیوں کے عہدِ عروج میں قدیم فراعنہ اور بعد کے بطلیموسی فرماں رواوں کے درخشاں زمانوں کی یاد تازہ کر دی تھی، اپنے انتظامی اور مالی نظام کے استحکام، بیش قرار محاصل اور واجب الأداء رقم، حکومت کی مملوکہ کانوں سے آمدنی، تجارت اور محصول، درآمد کی یافت اور جنوبی سوڈان / نوبیہ (Nubia) کی کانوں سے بڑی مقدار میں سونے کی برآمد کی بدولت عہدِ فاطمی شورشوں اور بغاوتوں کے باوجود بڑی خوشحالی سے بہرہ ور رہا۔

فاطمیوں نے اپنے عہد میں متعدد مقامات پر ٹکسال قائم کر رکھے تھے۔ جہاں سکے ڈھالے جاتے تھے۔ یہ ٹکسال صرف ایک ہی شہر میں نہیں تھے بلکہ اسکندریہ، قوص، صور، عسقلان وغیرہ جیسے متعدد مقامات میں قائم کیے گیے تھے، اور المعزی دینار اس وقت کا سب سے زیادہ قیمتی سکہ شمار ہوتا تھا۔ ٹیکسال کے لیے پورا دفتر ہوتا تھا جسکا سربراہ قاضی القضاۃ ہوتا تھا، خلیفہ المعز اس سلسلے میں سب سے زیادہ سرگرم رہتے تھے۔ خلفاء فاطمیین کے سکوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں ملکی اور سیاسی امامت سے زیادہ دلچسپی دینی امامت میں تھی۔

دریائے نیل میں ہر سال آنے والی طغیانی مصر کی زمین کو زرخیز بنا دیتی تھی اور اس کی زراعت کو متعدد فصلیں پیدا کرنے کے قابل بنا دیتی تھی۔

دولتِ فاطمیہ کے ذرائع آمدنی میں خراج (زمین پر بطور ٹیکس وصول کیا جانے والا لگان)، الجوالی وجزیہ (اہلِ ذِمَّہ یعنی یہود ونصاری

سے وصول کیا جانے والا ٹیکس)، زکوۃ اور المستغلّات (وہ معادِن یعنی کانیں جن کے محصولات سے کافی آمدنی ہوتی تھی) انتہائی اہم تھے۔ دیوانُ الخراج اور دیوان الجوالی ٹیکس اور جزیہ کے اجراء، نفاذ اور سقوط سے متعلق کام کرتے تھے۔

مصر کے تجارتی تعلقات حبشہ، نوبہ، قسطنطنیہ، اٹلی، پیزا، وینس، ہسپانیہ، اور یورپ بالخصوص براہ صقلیہ اور افریقہ تمام ممالک سے قائم ہو گے تھے۔ مصر ایک اہم تجارتی شاہراہ تھا ہندوستان اور چین سے تجارت کا بری راستہ مصر سے ہو کر گزرتا تھا۔ دوسری طرف بحیرہ قلزم کی بندرگاہوں سے ہندوستان کے تجارتی جہاز روانہ ہوتے تھے، اور اس وجہ سے تجارتی اعتبار سے فاطمی سلطنت نے نمایاں طور پر ترقی کی۔

فاطمی خلفا تنہا دنیاوی بادشاہ نہیں تھے بلکہ انہیں خلفائے بغداد کی طرح ایک طبقہ کی مذہبی پیشوائی حاصل تھی۔ ان کے محلات زر و جواہر اور بیش قیمت ساز وسامان اور نادر روزگار عجائبات سے معمور تھے۔ ابن اثیر لکھتے ہیں کہ ان کے خزانہ میں ایسے بے بہا جواہرات تھے جن کی مثال دنیا میں ناپید تھی۔ سالم زمرد کی چھڑی کی ایک موٹھ تھی، سترہ مثقال کا ایک یاقوت تھا۔ بارہ انگل کے برابر ایک نادر ہیرا بھی ان کی ملکیت میں تھا اس کے علاوہ ایسے کم یاب اور بیش قیمت ہیرے جواہرات اور موتی تھے جن کی نظیر نہیں مل سکتی تھی۔

ناصر خسرو جو اس دور کے ایک معروف سیاح اور مورخ ہیں۔ خلیفہ امام مستنصر کو امام حق تسلیم کرتے ہیں اور ان کے دور میں وہ مصر آئے تھے۔ اور ان کے سفر نامے میں انہوں نے دیگر مقامات کی طرح نصر کے چشم دید واقعات تحریر کیے ہیں، ان کے بیان کے مطابق قاہرہ کی شان وشوکت قابل رشک تھی۔ اور مصر خوشحالی کے نقطہ عروج پر تھا۔ اس دور میں ملک میں صنعت وحرفت کی ترقی، پابندئ احکام شریعت، تجارتی معاملات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

فنون لطیفہ اور فن تعمیر

صنعت اور حرفت کے میدان میں فاطمیوں نے کافی ترقی کی، صنعت وحرفت کے میدان میں اولیت پارچہ بافی (یعنی کپڑا بُننے کے پیشہ) کو حاصل تھی، اس کا فروغ سن کی کاشت کا مرہون منت تھا اور یہ صنعت تِنّیس (Tynes)، دمیاط اور دَبیق کے علاقوں میں جاری تھی۔ قاہرہ میں مختلف قسم کے کپڑے تیار کیے جاتے تھے، اور ان کے بنائے ہوے ریشمی اور سوتی کپڑے کی بہت مانگ تھی۔ پارچہ بافی کی صنعت کے نمونے صلیبی لڑائیوں کے زمانے میں یورپ میں داخل ہوئے۔

الفسطاط اور اسکندریہ میں لکڑی کی صنعت، شیشہ سازی اور بلور سازی کی صنعت نے اس زمانے میں بہت ترقی کی، تِنّیس میں چاقو اور قینچیوں کی صنعت جاری تھی، نیز سفال سازی (ٹھیکرا)، کوزہ گری، پچی کاری، دھاتوں کا کام، ہاتھی دانت کا کام، کاغذ سازی، چینی اور تیل کی تیاری فاطمی عہد کی خصوصیات ہیں۔۔ ان صنعتوں میں اکثر ایرانی وضع کی پیروی کی جاتی تھی۔

مٹی کے ظروف اور گلدان جن پر طرح طرح کے بیل بوٹے بنے ہوتے تھے بہت زیادہ مشہور تھے۔ ناصر خسرو کے مطابق مصر میں ایسے عمدہ اور شفاف مٹی کے برتن بنائے جاتے تھے کہ آدمی ان میں اپنا ہاتھ آر پار دیکھ سکتا تھا۔

اسی طرح فاطمی حکومت کے تقریباً ہر بادشاہ نے افریقہ مصر و شام میں نئے نئے شہر آباد کیے اور ان میں منفرد طرز تعمیر اختیار کر کیا جس کے کچھ اثار آج بھی ملتے ہیں۔۔ جس میں شہر المھدیہ، المنصوریہ (مدور)، القاہرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں ان شہروں میں عظیم الشان محلات کے علاوہ مساجد سرکاری عمارتیں فوجی چھاونیاں اور مشہد نہایت اہتمام سے بنائے جاتے تھے۔ فاطمی دور کی مساجد میں سے الازہر، جامع الحاکم، جامع الاقمر، جامع الجیوشی آج بھی موجود ہیں اس دور کی مختلف باقیات کو موجودہ دور میں بوہرہ فرقہ کے لوگ جو اسمعیلی شیعہ ہیں از سر نو تعمیر کیا ہے۔

فاطمیین نے اپنے دور عروج میں علم وادب اور فن تعمیر میں بہت ترقی کی۔ جن کے بارے میں آپ اگلی اکائی میں تفصیل سے پڑھیں گے۔

ثقافتی سرگرمیاں

عہدِ فاطمی میں ذہنی، ادبی اور فنی سرگرمیوں کو بے حد فروغ حاصل ہوا۔ شمالی افریقہ میں درباری شعراء نے بڑی قدر و منزلت پائی، ان میں سے ابن ہانئ اندلسی تھا۔ مصر میں ثقافتی سرگرمیاں شمالی افریقہ سے بھی زیادہ زوروں پر تھیں۔ دار الحکمت ان سرگرمیوں کا مرکز تھا اسکے علاوہ فاطمی خلفا مختلف علمی اور ادبی مقابلے محل اور مختلف صوبوں میں منعقد کرتے رہتے تھے۔ جس کی بنا پر مصر علمی ادبی اور ثقافتی سرگرمیوں کا مرکز بن گیا اور مختلف ماہرین فن مصر میں جمع ہو گئے تھے۔

مذہبی رواداری

فاطمی دور میں مصر و شام کا سرکاری مذہب شیعہ تھا اور عدالتی فیصلے فقہ اسمٰعیلی کے مطابق کیے جاتے تھے۔ البتہ عوام میں دیگر فقہی مذاہب پر عمل کی آزادی تھی۔ عیسائی اور دیگر مذاہب کو خصوصی مراعات حاصل ہوتی تھیں۔ سنی مذہب کے لوگوں کو ان کے عقیدے کے مطابق عمل کرنے کی آزادی تھی لیکن کسی بادشاہ کے دور میں عقائد میں جبر کے شواہد بھی ملتے ہیں۔

فاطمی وزارت میں کئی وزیر بشمول العزیز اور الحاکم کے عہد میں عیسی بن نَسطورس، زُرعَۃ بن عیسی بن نَسطورس، فہد بن ابراہیم نصرانی، منصور بن عَبدون اور الحافظ کے عہد میں بہرام، یانِس اور ایک دوسرا ارمن وزیر جو وزیر السیف اور سیف الاِسلام کے لقب سے ملقب تھا، عیسائی تھے۔ اس کے برعکس اگرچہ یہودی اکثر اعلی عہدوں پر ممتاز رہے، لیکن ایسے کسی یہودی کا پتہ نہیں چلتا جو حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے بغیر وزارت کے منصبِ اعلی پر فائز ہو سکا ہو۔

الحاکم کے دور کو نظر انداز کر دیا جائے تو عیسائیوں اور یہودیوں سے رواداری کا سلوک فاطمیوں کے خاندان کی ایک امتیازی خصوصیت ہے۔ ارمنی ابو صالح اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ فاطمی خلفاء کی طرف سے گرجاگھروں کی تعمیر اور مسیحی اداروں کو مالی امداد دینا ان کی رواداری کا کھلا ثبوت تھے۔

ابو الفرج یعقوب بن کِلّس، حسن بن ابراہیم بن سہل التُستُری اور ابن الفلّاحی نو مسلم وزراء تھے۔ سنی حضرات بھی فاطمی حکومت

میں بڑے عہدوں پر فائز ہوئے، رضوان بن والخش خلیفہ الحافظ کا وزیر بنا، اسی طرح احمد بن افضل جمالی اور ابن سلار کردی شافعی کو خلیفہ ظافر (543ھ مطابق 1148ء) کے عہد میں وزارت کا منصب سونپا گیا۔

11.8 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- فاطمی حکومت اپنے دور کی ایک عظیم الشان حکومت تھی۔ اس نے مختلف میدانوں میں اپنے لاثانی نقوش چھوڑے ہیں۔
- فاطمی خلفا اپنی نسبت حضرت فاطمہ سے جوڑتے تھے اسی لیے یہ فاطمی کہلاتے تھے۔ بنیادی طور پر یہ لوگ اسمعیلی شیعہ تھے، جن کو باطنی بھی کہا جاتا ہے۔
- یہ حکومت تقریباً دو سو باسٹھ سال قائم رہی۔ ابو عبد اللہ الحسن کی مدد سے یہ حکومت 297ھ میں قیروان کے علاقے میں اسمعیلی امام عبید اللہ المہدی نے قائم کی۔ اس میں کل چودہ حکمران گزرے۔ حکومت فاطمیہ دو ادوار میں منقسم ہے۔ افریقی دور۔ مصری دور۔
- المعز لدین اللہ دولت فاطمیہ کا سب سے قابل حکمراں شمار ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ مختلف اعتبار سے خلیفہ العزیز باللہ اور خلیفہ الحاکم کا نام بھی تاریک میں نمایاں اہمیت کا حامل ہے۔
- عہدِ بنو فاطمہ میں عروج وعظمت کے کئی ادوار آئے۔ یہ عظمت اس خاندان کو اپنی اداری ومالیاتی تنظیم، اس کی معاشرتی ترقی، اعلیٰ درجہ کی فکری وفنی سرگرمی، دربار و قصرِ خلافت کی شان وشوکت اور اس کی پورے آداب ورسوم کے ساتھ منعقد ہونے والی پر تکلف ضیافتوں کی بدولت نصیب ہوئی، جنہیں دیکھ کر دربارِ قسطنطنیہ سے مقابلہ کا خیال پیدا ہوتا تھا۔
- فنون لطیفہ کے میدان میں ان کا نقش بہت گہرا ہے، خاص طور پر فن تعمیر میں ان کے انمٹ آثار ملتے ہیں۔ اس دور کے تقریباً ہر خلیفہ نے شہر آباد کیے ہیں۔ جس میں شہر المھدیہ، المنصوریہ (مدور)، القاہرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں ان شہروں میں عظیم الشان محلات کے علاوہ مساجد سرکاری عمارتیں فوجی چھاؤنیاں نہایت اہتمام سے بنائے جاتے تھے۔

11.9 نمونہ کے امتحانی سوالات

11.9.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. فاطمی سلطنت کا قیام سن-------میں عمل میں آیا۔

(a) 909ء (b).1171ء (c).1250ء (d).کوئی نہیں

2. فاطمی حکومت کے بانی کا نام------ہے۔

(a) عبداللہ الحسن (b).عبیداللہ المہدی (c).المعزلدین اللہ (d).کوئی نہیں

3. خلیفہ المعز نے دار الخلافہ -------منتقل کیا۔

(a) المہدیہ (b).المنصوریہ (c).رقادہ (d). قاہرہ

4. قاہرہ شہر کی تاسیس-------خلیفہ کے عہد میں ہوئی۔

(a) العزیز (b).المعز (c).الحاکم (d).جوہر

5. --------نے خلافت فاطمیہ کا خاتمہ کر دیا۔

(a)العاضد (b).اصلاح الدین (c).عماد الدین زنگی (d).المعز

6. خلافت فاطمیہ کے قیام میں اہم کردار ادا کیا۔

(a) جوہر الصقلی (b).عبداللہ الحسن (c).عبیداللہ المہدی (d).بدر الجمالی

7. فاطمی سلطنت کا تعلق----------فرقہ سے تھا۔

(a)سنی (b).اثنا عشری (c).اسمعیلی (d).قرامطی

8. خلیفہ المنصور باللہ نے----------شہر تعمیر کروایا۔

(a)المہدیہ (b).المنصوریہ (c)رقادہ (d) . قاہرہ

9. ----------نے مصر فتح کیا۔

(a)العزیز (b).المعز (c) .الحاکم (d) .جوہر

10. وزیر بدر الجمالی.----------فاطمی خلیفہ کا وزیر تھا۔

(a)المہدی (b).المعز (c) .العزیز (d) .المستنصر

11.9.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. فاطمی حکومت کے قیام پر ایک مختصر نوٹ تحریر کیجیے۔
2. ابو عبداللہ الحسن کون تھا؟ فاطمی حکومت کے قیام میں اس کی خدمات کا تعارف کرائے۔
3. فاطمی عہد کی علمی خدمات کا مختصر اجائزہ لیجیے۔
4. خلیفہ المعز کے کارناموں پر ایک نوٹ تحریر کیجیے۔
5. جوہر الصقلی کا تعارف پیش کیجیے۔

11.9.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. فاطمی حکومت کے قیام واستحکام پر سیر حاصل بحث کیجیے۔
2. خلیفہ المہدی اور المعز کے کارناموں پر روشنی ڈالیے۔
3. فاطمی حکومت کے مصری دور پر ایک نوٹ تحریر کریں۔

11.10 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. تاریخ اسلام : نجیب اکبر آبادی
2. ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ : ثروت صولت
3. تاریخ دولت فاطمیہ : رئیس احمد جعفری
4. تاریخ فاطمیین مصر : ڈاکٹر زاہد علی
5. عبقریۃ الفاطمیین : محمد حسن اعظمی، قاہرہ، 1960ء
6. The Islamic Dynasties of Arab East: Abdul Ali

اکائی 12: فاطمی حکومت میں علمی خدمات

اکائی کے اجزا:

12.0 تمہید

12.1 مقاصد

12.2 فاطمی دور میں علمی خدمات

12.2.1 فاطمی علوم وادب کا مفہوم

12.2.2 مروجہ علوم اہم شخصیات اور تصانیف

12.2.3 تاریخ نگاری کے مشاہیر علماء

12.2.4 فلسفیانہ اور سائنسی علوم کے مشاہیر فن

12.3 اہم علمی ادارے

12.3.1 جامع الازہر

12.4 اہم کتب خانے

12.4.1 مکتبہ قصر شاہی

12.4.2 دار العلم (عوامی کتب خانہ الحاکم) المعروف دار الحکمت

12.5 اکتسابی نتائج

12.6 نمونہ امتحانی سوالات

12.6.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

12.6.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

12.6.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

12.7 تجویز کردہ اکتسابی مواد

12.0 تمہید

فاطمی سلطنت تقریبا دو سو ستر سال تک باقی رہی۔ یہ حکومت تہذیب و تمدن اور علوم وفنون کی ترقی میں بغداد کی عباسی حکومت اور اندلس کی اموی حکومت کی ہم پلہ تھی۔ اس دور میں سے کی اہم علمی شخصیات وابستہ ہیں جنہوں نے اپنے فن کی مبادیات پر تحقیقی تصانیف تحریر کیں اور ایجادات منظر عام پر لائیں۔ نیز فاطمی دور کے کتب خانے اپنی وسعت وضخامت اور نادر کتب کی بناء پر عجائب زمانہ میں شمار ہوتے تھے۔

12.1 مقاصد

اس یونٹ کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ آپ اس بات سے واقف ہو سکیں کہ فاطمی دور کے حکماء، وزراء اور امراء نے اپنے دور سلطنت میں کیا نمایاں علمی کارنامے انجام دیے۔ اس اکائی کے مطالعہ سے آپ اس موضوع پر تبصرہ کر سکیں گے کہ فاطمی خلفا اور امرا نے علم وادب کی ترقی اور توسیع کے لیے اہم تحقیقاتی ادارے، رصد گاہ اور کتب خانے بنوائے۔ نیز اس دور کی علمی شخصیات اور تصانیف کو متعارف کروایا جائے گا۔

12.2 فاطمی دور میں علمی خدمات

فاطمی دور کا آغاز عبید اللہ المہدی کے خلافت کے اعلان سے ہوا۔ خلیفہ المعز کے عہد سے فاطمی سلطنت کا زریں دور شروع ہوا جو عزیز اور اس کے بعد الحاکم کے عہد حکومت تک پوری آب و تاب سے قائم رہا۔ معز کے عہد میں مصر بھی دولت فاطمیہ کے زیر نگیں آگیا اور معز نے قاہرہ کے مشہور شہر کی بنیاد رکھی جو آج تک کے عہد میں مصر کا دارالحکومت ہے۔ اس سے بھی زیادہ شاندار کام جو معز کے ہاتھوں سرانجام پایا، وہ جامعہ الازہر کا قیام ہے جو تاریخ میں پہلی یونیورسٹی کی حیثیت رکھتی ہے اور اس نے علوم وفنون کی ایسی سرپرستی کی کہ اسے مؤرخ "مغرب کا مامون الرشید" بھی کہتے ہیں۔ اس کی علمی سرپرستی اور ہر فن کے علما اور ادبا کی قدر دانی کی بنا پر آگے چل کر بیت الحکمت، یعنی سائنس اکادمی کا قیام عمل میں آیا جسے خلیفہ الحاکم کے نے بام عروج پر پہنچا دیا۔ یہاں بڑی بڑی سائنسی تحقیقات عمل میں آئیں اور ایجادات ممکن ہوئیں۔

مصر میں فاطمی خلفا نے اہل علم کے لیے اپنی فیاضیوں کے دروازوں کھول دیے تھے۔ اس وجہ سے ان کا دربار عالموں اور فاضلوں کی آماجگاہ بن گیا تھا۔ ان کی علم نوازی اور سرپرستی نے علماء و فلاسفہ فقہا اور شعرا کو مصر میں جمع کر دیا تھا جن میں سے اکثر نے وہیں سکونت اختیار کر لی تھی۔ فاطمی خلفا کو علم کی اشاعت و ترویج سے دلچسپی اس قدر تھی کہ خلیفہ المعز کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے کہا کہ انہیں علما اور دعاہ کو علم و حکمت کی تحصیل میں منہمک و مصروف دیکھ کر ایسی خوشی ہوتی ہے جیسے کہ ایک باپ اپنے عزیز بیٹے کو اکتساب علم میں دیکھ کر ہوتی ہے۔ (فاطمی دور میں علم وادب ص 4)۔

12.2.1 فاطمی علوم وادب کا مفہوم

فاطمی دور کی علمی خدمات اور کتب کے بارے میں جاننے کے لیے فاطمی عقائد اور اصطلاحات کا جاننا مفید ہے کیوں کہ فاطمیین کا علم وادب ان کے عقائد واصطلاحات کی ہی عکاسی کرتا ہے۔

فاطمی دور میں اسلامی علوم کو دوسرے لفظوں میں علوم اہل بیت بھی کہا جاتا ہے۔ اور یہ ان حقائق پر مشتمل ہوتے ہیں جن میں عقلاً، نقلاً صرف رسول ﷺ اور اہل بیت کے ذریعہ سے روایتیں ثابت ہوں۔ یعنی علوم تفسیر و تاویل اور تشریح، توضیح میں اسمٰعیلی اور فاطمی اصطلاحات سے مدد لی گئی ہو۔

اسمٰعیلی عقائد کے مطابق ہر 'امام' علوم الٰہی کے خازن اور علم تاویل کے وارث ہوتے ہیں۔ تمام علوم شریعت کے علاوہ حروف مقطعات کے اسرار ورموز سے بھی واقف ہوتے ہیں۔ ہر مومن پر امام کی معرفت اور اس کی ولایت پر یقین لازمی ہے۔ اسمٰعیلی امام اور داعی کے مطابق اسلام کے سات دعائم ہیں، ولایت، طہارت، صلوۃ، زکوۃ، صوم حج اور جہاد۔ وہ حضرت علیؓ کو نبی ﷺ کا وصی مانتے ہیں۔ اسمٰعیلی بھی شیعوں کے تمام فرقوں کی طرح تاویل کے قائل ہیں اور وجوب تاویل کے لیے قرآن کی بعض آیتوں کو پیش کرتے ہیں۔ انہوں نے علم تاویل کو کمال درجہ پر پہنچادیا۔ اور ان کے داعیوں نے احکام عبادات اور قصص انبیاء کے متعلق مستقل تاویلی تصانیف مرتب کی ہیں۔ ان کے مطابق ہر علم کے دو پہلو ہوتے ہیں ظاہری اور باطنی۔ اسمٰعیلی ظاہر سے زیادہ باطنی تاویل پر اعتقاد رکھتے ہیں لیکن ظاہری احکام شریعت کی پابندی پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ اور اہل سنت کو اہل ظاہر میں شمار کرتے ہیں۔

فاطمی داعی اپنی دعوت انتہائی خفیہ رکھتے ہیں اور اگر کوئی شخص جب دعوت میں داخل ہونے کی آمادگی ظاہر کرتا ہے تو داعی اس سے بعض باتوں کا عہد لیتے ہیں جسے 'عہد الاولیا'۔ کہتے ہیں۔ مقریزی نے اپنی کتاب الخطط اور بغدادی نے اپنی تواریخ میں اسے نقل کیا ہے۔ جس میں دیگر عہد کے ساتھ ساتھ اس بات پر بھی عہد لیا جاتا ہے کہ اوقات مقررہ پر نماز پڑھوگے اور برابر زکوۃ ادا کروگے حج کروگے نبی ﷺ کی زیارت گاہ سے مشرف ہوگے، خدا کے راہ میں جہاد کروگے اور خدا کے فرائض اور اور رسول کی سنتوں کی ظاہری اور باطنی دونوں صورتوں میں پابندی کروگے۔ فاطمی علم و ادب میں توحید اور اس کے متعلقات کے بعد رسالت وصایت امامت او حدود دین جیسے عناوین پر ہزاروں کتب تصنیف کی گئیں۔

12.2.1.1. اسمعیلی علمی وادبی مجالس

فاطمی دور میں علمی وادبی مجالس کے انعقاد کا اہتمام کیا جاتا تھا۔ ان مجالس کا اہتمام خلفاء، امرا اور وزرا اور علما وفقہا سبھی کرتے تھے۔ ان مجالس کے لیے الگ الگ دن مقرر ہوتے تھے اور اس کے لیے باقاعدہ عمارتیں بھی تعمیر ہوتی تھیں یا پھر کتب خانے، محلوں اور گھروں میں بھی ایسی نشستوں کا اہتمام ہوتا تھا۔

تاریخ کے مطابق فاطمی اور اسمٰعیلی تحریک کی دعوت کا نظام نہایت منظم اور مرتب تھا۔ اس فرقے نے دیگر فرقوں کے بالمقابل

سیاسی حکومت بھی قائم کی اور حکومت کے اختتام کے بعد بھی تاریخ کے مطابق آج بھی ان کا دعوتی نظام قائم ہے۔ ان کے دعوتی نظام کی اساس۔ دور فلک کے نظام کی طرح مہینوں دنوں اور گھنٹوں کے حساب سے منقسم ہے۔ ہر ناظم کے مخصوص فرائض ہوتے ہیں۔ اس نظام میں انہوں نے تمام عالم کو بارہ جزیروں میں تقسیم کیا ہے۔ ہر جزیرہ میں ایک حجت ہوتا ہے جو جزیرہ کے تمام داعیوں کا حاکم ہوتا ہے یہ اپنے جزیرہ کے امام کی نیابت کرتے ہیں۔ ہر جزیرہ میں کئی داعی ہوتے ہیں جن کا کام لوگوں کے درمیان دعوت و تبلیغ کرنا ہوتا ہے۔ دعوت کے لیے وہ ایسے شخص کا انتخاب کرتے ہیں جو غیر معمولی علمیت و فضیلت کا حامل اور بے لوث خدمت انجام دینے کی اہلیت رکھتا ہو۔ داعی کا ایک درجہ باب الابواب ہوتا ہے جو تمام جزیروں کا حاکم اعلی ہوتا ہے یہ منصب امام کے بعد شمار کیا جاتا ہے۔

قیام سلطنت کے بعد فاطمی اماموں نے اپنے مخفی علوم پر سے پردہ اٹھانا شروع کیا اور مجالس تاویل کے ذریعہ اپنے عقائد کی تبلیغ و اشاعت بڑے اہتمام سے کرنے لگے، ان مجالس کیلیے قصر امامی میں ایک مخصوص کمرہ مختص ہوتا تھا۔ اس میں داعی الدعاۃ امراء وزراء اور قصر کے خدمان اور باشندگان کے سامنے مجالس پڑھا کرتے تھے۔ ابتدائے حکومت میں اس طرح کی یہ مجلسیں قصر امامی کے مخصوص ایوان میں ہوتی تھیں جس میں علما اور دعاۃ مجلسیں منعقد کرتے تھے اور اہل بیت پر تقریر کرتے تھے یہ مجلسیں مجالس حکمت تاویلیہ کے نام سے مشہور تھیں اس طرح کی مجلالس ہر طبقہ کے لیے علاحدہ منعقد ہوتی تھیں اور سامعین و حاضرین کے مناسب احوال بیان کیے جاتے تھے۔ مقرر پہلے اپنا مسودہ امام کے سامنے پیش کرتے تھے امام اس کو جانچ کر دستخط کر کے اسے واپس کرتے اور پڑھنے کی اجازت دیتے۔

قاضی النعمان جو فاطمی دور کے مشہور قاضی ہیں المعز کے حکم سے اسمٰعیلی عقائد پر کتابیں پڑھتے اور اس کی تشریح کرتے۔ ان مجالس میں پڑھی جانے والی مستقل کتابوں میں چار کتابیں نہایت شہرت رکھتی ہیں **تاویل الدعائم** اسکا اصلی نام **تربیة المومنین، معرفة حدود الدین** ہے۔ یہ مشہور سمعیلی فقیہ قاضی النعمان کی تصنیف ہے۔ یہ کتاب اسمعیلی عقائد اور دیگر مسائل کے اعتبار سے مرجع کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ کتاب ان کی دوسری کتاب **دعائم الاسلام** کی تاویل ہے۔ اس میں انہوں نے ظاہری عبادات و عملی عبادت کی تاویل بیان کی ہے۔

المجالس المویدیه: یہ موید شیرازی کی مجلسیں ہیں۔ ان کی کل تعداد آٹھ سو ہے۔ یہ کتاب آٹھ جلدوں میں ہیں اور ہر جلد میں سو مجالس کے وعظ و خطبات ہیں۔

المجالس المستنصریه اس کے مصنف وزیر بدر الجمالی ہیں۔ اس کتاب میں اسمعیلی علوم کی تاویل ابتدائی درجہ میں کی گئی ہے۔ خطبات سے معلوم ہوتا ہے کہ تاویل سے زیادہ فقہی مسائل بتانا مقصود ہے۔

المجالس الحکمه خلیفہ آمر کے عہد کے اسمعیلی داعی ابو ابرکات الحلبی کے خطبات پر مشتمل ہے۔ اس میں ساٹھ مجالس (خطبات) ہیں۔ ان کتب میں اہل بیت کی شان و اوصاف کے علاوہ اسمعیلی اماموں تحسین، ان کے اقوال و افکار رہی شامل ہوتے تھے۔

مورخ مقریزی کے مطابق یعقوب بن کلس نے ان نشستوں کے لیے منگل کا دن مقرر کیا تھا۔ جہاں فقیہ، متکلمین اور منطقی جمع ہوا

کرتے تھے اور ان اہل علم کے درمیان بحث ومباحثہ ہوا کرتا تھا۔ فاطمی وزیر ملک الصالح طلائی بن زریک کا دربار بھی اہل علم وفن سے مزین ہوا کرتا تھا۔ عمارہ الیمنی کے بیان کے مطابق ان اہل علم میں سے ہر شخص نہایت اعلی معیار کا تھا ان کے جلسے ہر جگہ منعقد ہوتے تھے اور میں بھی ان میں شامل ہو کر ان سے بھرپور استفادہ اٹھاتا تھا۔ ان مجلسوں میں الملک الصالح بھی اپنے اشعار سنایا کرتے تھے۔ (النجوم الزاہرہ: ابوالمحاسن)

12.2.2 مروجہ علوم اہم شخصیات اور تصانیف

فاطمی سلطنت میں ذہنی ادبی اور فنی سرگرمیوں کو بھی بہت زیادہ فروغ ملا۔ تصنیف وتالیف کا کام بھی اس عہد میں قابل ذکر پیمانے پر ہوا ہے۔ اسمعیلی عقائد کی کتابوں کے علاوہ علوم طبعی اور سائنس کے میدان میں بھی اس عہد میں بنیادی کتابیں کثیر تعداد میں تصنیف کی گئیں۔ یہ زمانہ ارباب علم وفن کی وجہ سے خاص طور پر ممتاز تھا۔ ان میں چند اہم علوم ومشاہیر اور ان کے کارناموں کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

12.2.2.1. اسمعیلی مشاہیر وداعی

اس دور میں خاص طور پر ایسی کتابوں کی بہت زیادہ حوصلہ افزائی کی جاتی تھی جن کا تعلق اسمٰعیلی عقائد کی تشریح، قرآن کی تمثیلی انداز اور مجازی رنگ میں تفسیر اور فلسفے سے تھا۔ اسلامی علوم پر بھی اکثر کتابیں اسی رنگ میں تصنیف ہوئیں۔

ابو حاتم الرازی

دیگر بلاد اسلامیہ کی طرح مصر میں ابتدا ہی سے قرات اور تفسیر کے علما موجود رہے۔ عہد فاطمی میں بھی ان علوم پر کام ہوا ہے۔ خاص طور پر علم قراءت پر کے تصانیف وجود میں آئیں۔ اس سلسلے میں ایک اہم نام ابو حاتم الرازی کا ہے، یہ اسمٰعیلی داعی ہیں۔ ان کی تصنیف 'الزینیہ' اس میں قرآن مجید اور حدیث شریف کے اکثر الفاظ کی تشریح کی گئی ہے 'الزینہ' اپنی نوعیت کی بہترین لغت بھی سمجھی جاتی ہے۔ کتاب کے مقدمہ میں حمد وصلاۃ کے بعد عربی زبان کی ابتدا اور اس کی فضیلت کے ساتھ دوسری زبانوں کے ساتھ عالمانہ طور پر مقابلہ کیا گیا ہے۔ اس کے بعد شعر کے فوائد پر دلچسپ بحث ہے۔ اس میں اسماء اللہ اس کے صفات، شریعت اور فقہ کی اصطلاحات کو تفصیل سے اشتقاقات کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اور ہر لفظ کی بحث میں ماہرین لغت اور مشہور شعراء سے استشہاد کیا گیا ہے۔ ان کی دوسری تصنیف "اعلام النبوۃ" ہے جس میں انہوں نے نبوت کے ثبوت میں دلائل پیش کیے ہیں اور اپنے ہم عصر زکریا رازی کے اعتراضات کے جوابات دیے ہیں۔ ان کی ایک اور تصنیف الکتاب الجمع 'فقہ کے موضوع پر ہے اس کتاب کا حوالہ ابن الندیم نے بھی دیا ہے۔

قاضی نعمان

القاضی ابو حنیفہ النعمان بن ابی عبد اللہ محمد بن منصور، قاضی النعمان کے نام سے مشہور ہیں۔ ابن خلکان کے مطابق آپ ابتدا میں مالکی المسلک تھے اس کے بعد آپ نے اثنا عشری مذہب اختیار کیا اس کے بعد اسمٰعیلی دعوت قبول کی اور اسمٰعیلی داعی بن گئے۔ جس وقت فاطمی خلیفہ المہدی نے قیروان میں حکومت کی بنیاد ڈالی اس وقت جناب نعمان کی فقہ دانی کا کافی شہرہ تھا۔ خلیفہ المہدی باللہ نے انہیں طرابلس

کا قاضی مقرر کیا۔ دوسرے فاطمی خلیفہ منصور کے عہد میں جب شہر منصوریہ کی بنیاد رکھی تو قاضی نعمان کو المنصوریہ کا قاضی مقرر کیا پھر آگے چل کر قیروان، رقادہ، مہدیہ اور دیگر علاقوں کی قضاءت کی ذمہ داری بھی انہیں کے سپرد کر دی گئی۔ ۔ آپ کی وفات 363ھ میں ہوئی۔

قاضی نعمان نے مہدی، قائم اور منصور کے علاوہ خلیفہ المعز کے دور میں بھی اپنی خدمات انجام دیں۔ خلیفہ المعز کے ساتھ ہی مصر منتقل ہو گئے۔ اس وقت مصر کے قاضی ابو طاہر محمد بن احمد الذہیلی تھے۔ خلیفہ المعز نے ان کو برطرف تو نہیں کیا لیکن یہ حکم دیا کہ وہ ہر فیصلہ میں قاضی نعمان سے مشورہ لیں اور اس کے بغیر فیصلہ صادر نہ کریں۔ العزیز نے یہ حکم دیا تھا کہ قضاۃ کبھی قاضی نعمان کے خاندان سے نہ نکالی جائے اس لیے ان کی وفات کے بعد بھی یہ عہدہ ایک عرصے تک ان کے خاندان میں رہا۔ قاضی نعمان اپنے زمانے کے نامور عالم اور فاضل تھے۔ آپ کو فقہ کے علاوہ، تاریخ و ادب پر بھی دسترس حاصل تھی۔ ابن خلکان اور دیگر مورخین نے قاضی النعمان کے علم و فضل کا اعتراف کیا ہے۔ فقہ، تاریخ، وعظ، عقائد اور تاویل پر آپ کی تصنیفات کی تعداد چوالیس ہے۔ ان کی چند مشہور تصانیف کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

دعائم الاسلام فی ذکر الحلال ،الحرام القضایا والاحکام :اسمعیلی فقہ پر آپ کی سب سے اہم کتاب دو ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے اور فاطمی خلیفہ اور امام المعز کے حکم سے تالیف کی گئی۔ امام حاکم نے 391ھ میں ہارون بن محمد داعی یمن کو ایک خط ارسال کیا جس میں تحریر تھا کہ حلال، حرام سے متعلق تمہارے فتوی دعائم الاسلام پر مشتمل ہونے چاہئے۔ اس کے علاوہ جتنی فتوی کتب ہیں ان کا زوائد میں شمار ہے۔ امام ظاہر نے اپنے عہد میں یہ حکم جاری کیا کہ یہ کتاب سب کے پاس ہونا لازمی ہے۔ اور اسے حفظ کرنے والے کے لیے انعام واکرام کا مستحق قرار دیا۔ یہ کتاب آج بھی اسمٰعیلی فقہ میں سند کا درجہ رکھتی ہے۔

المجالس و المسائرات: قاضی نعمان کی دوسری اہم تصنیف المجالس والمسائرات ہے۔ اس تصنیف کو سیاسی تاریخی مذہبی اور ادبی لحاظ سے بلند مقام حاصل ہے۔ حکومت فاطمیہ کے شمالی افریقہ کی تاریخ اور خلفا کے حالات اور اس وقت کے اجتماعی حالات پر ایک اہم کتاب ہے۔

اس تاریخ سے اس زمانے کے اسلامی اور دیگر حکومتوں کے احوال معلوم ہوتے ہیں۔ جیسے کہ اندلس کی اموی حکومت، عباسی حکومت اور بازنطینی حکومت سے فاطمی سلاطین کے کشیدہ روابط پر روشنی پڑتی ہے۔ اس دور میں اندلس کے اموی امرا سے ہونے والی خط و کتابت بھی اس میں شامل ہے اور اہم سیاسی واقعات کے علاوہ فاطمی نظام مملکت پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ اس کتاب میں فاطمی خلیفہ المہدی، القائم، المنصور اور لمعز کے واقعات اور وہ اقوال بھی درج ہیں۔

ابو الفرج یعقب بن کلس الوزیر

یعقوب بن یوسف کی پیدائش بغداد میں ہوئی، یہودی النسل تھے 356ھ میں اسلام قبول کیا۔ کافور الاخشیدی کے دور میں مصر

آئے۔ ملک کافور کے دربار میں حاجب کے فرائض انجام دیے۔ ملک کافور کے انتقال کے بعد افریقہ پہنچ کر فاطمی خلیفہ المعز سے وابستہ ہو گئے اور اسمٰعیلی داعی بن گئے۔ المعز جب مصر منتقل ہوئے تو انہیں محکمہ مال کا متولی مقرر کیا۔ خلیفہ العزیز کے عہد میں وزارت کا عہدہ سنبھالا اور خلافت فاطمیہ کے پہلے وزیر بنے۔ ملکی انتظامات کی قابلیت کے علاوہ علم و فضل میں بھی یکتا تھے۔ اپنے محل میں علما و فضلا ادبا، شعرا اور متکلمین، فقہا کے لیے علاحدہ علاحدہ کمرہ مخصوص کر رکھے تھے۔ جن میں علمی مباحثے دن و رات چلتے رہتے اور تصنیف و تعلیم کا کام ہوتا رہتا تھا۔ ان کی معقول تنخواہیں اور وظیفے مقرر تھے۔ ہر جمعہ کو مجلس کا اہتمام ہو کرتا تھا جس میں حسین بن عبد الرحیم لازلی مصنف الاسجاع، اور طبیب تمیمی المقدسی جیسے علما شامل ہو کرتے تھے۔

طبیب تمیمی المقدسی نے وزیر یعقوب کے لیے ایک کتاب مادة البقا باصلاح فساد الهواء التحرز من ضرر الاوباء تالیف کی جو کئی ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس مجلس کے علاوہ منگل کا دن مناظرہ کے لیے مختص ہوتا تھا۔ علماء شعراء اور ادباء کی بڑی پذیرائی اور سرپرستی کرتے تھے۔ ہر جمعہ کی رات میں وزیر یعقوب خود بھی اپنا کلام پڑھتے اور شعرا کو بھی اجازت ہوتی تھی کہ وہ اپنے کلام پیش کریں اور انہیں انعام و عطا سے نوازا جاتا۔ آپ کی کی تصنیفات کثرت سے پائی جاتی ہیں اور کسی ایک فن پر نہیں بلکہ متفرق علوم پر مشتمل ہیں۔ جن میں کچھ اہم تصنیفات یہ ہیں:کتاب فی القرات ، کتاب فی علم الابدان و اصلاحها، کتاب فی الفقه، مماسعه من المعز اور العزیز، مختصر الفقه، کتب فی الادیان ، کتاب فی آداب رسول ﷺ، مناسک الحج الکبیر ۔ ان کتابوں میں مختصر الفقه کی اہمیت، مقبولیت کا یہ تھا کا یہ عالم تھا کہ خلیفہ الظاہر نے لوگوں نے اسے حفظ کرنے کا حکم دیا۔ جامع الازہر میں اس کتاب کا درس دیا جاتا تھا اور اس سے فتوی لیے جاتے تھے۔ آپ کی علمی کاوشوں کی بنا پر آپ کو رئیس العلماء اور حکیم الحکماء کا لقب دیا۔

احمد حمید الدین بن عبد اللہ الکرمانی

آپ عراق کے باشندے تھے، اور حجہ العراقین کے نام سے مشہور تھے۔ فاطمی خلیفہ الحاکم کے دور میں مصر آئے۔ فلسفہ پر آپ کی کثیر تصانیف ہیں عیون الاخبار میں کے مطابق آپ کی تصانیف کی تعداد انتیس ہے۔ احمد حمید الدین الکرمانیہ فاطمی داعی کے اعلی مراتب پر فائز تھے۔

12.2.3 تاریخ نگاری کے مشاہیر علماء

عہد فاطمی میں کئی اہم مورخین گذرے ہیں جنہوں نے جزئیات اور استقصاء سے کام لے کر اہتمام سے تواریخ لکھیں ہیں۔

ابن زولاق

ابو محمد الحسن ابن ابراہیم ابن زولاق اللیثی، المعروف ابن زولاق مصری تاریخ نویس ہیں۔ فسطاط میں سن 996 میں اخشیدی دور حکومت میں ایک علمی گھرانے میں آپ کی ولادت ہوئی۔ آپ کے دادا علم فقہ، ادب تاریخ اور لغت کے مشہور عالم تھے۔ ابن زولاق کی تاریخ کی تصانیف تقریبا دس بتائی جاتی ہیں۔ ان کی تاریخ مصر کی تاریخ پر مشتمل ہے جس میں انہوں نے اخشیدی حکمرانوں کے علاوہ فاطمی

دور کے ابتدائی دور کی تاریخ قلمبند کی ہے۔ ان کی تاریخی احوال میں مصر کے حکمرانوں گورنروں اور وزرا کی ذاتی زندگی کے احوال بھی شامل ہیں۔ اخشیدی دور کے احوال ابو الحسن علی بن ال اخشید کی فرمائش پر تحریر کیے۔ ان احوال کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن زولاق کی محل اور حکمرانوں تک رسائی تھی۔ ان کی تاریخ نویسی کے بدلے انہیں علی اخشیدی اور امرا و وزرا سے انعامات بھی ملتے رہتے تھے۔

مصر میں فاطمی خلافت کے انتقال کے بعد ابن زولاق نے اس نئی حکومت میں اپنی جگہ بنالی اور خلیفہ المعز اور العزیز باللہ کے دور کے احوال ترتیب دیے۔ اخشیدی سلطنت کے زوال اور جوہر کے ذریعہ مصر کی فتح کے احوال تفصیل سے درج کیے ہیں۔ اسمٰعیلی تواریخ میں مصر کی فتح کے احوال میں اکثر ابن زولاق کے حوالے بیان کیے گئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ خلیفہ المعز کی فرمائش پر آپ نے مصر اور عراق کے شہروں کا تقابل کرتے ہوئے واقعات لکھے ہیں تاکہ عراق کی اہمیت اور شہرت میں کمی واقع ہو۔

ابن زولاق کا تاریخ مرتب کرنے کا طرز جدید تاریخ نگاری سے بلکل جداگانہ ہے، ان کی تاریخ دیدہ شنیدہ واقعات کے مجموعے ہیں اور اسکا طرز روزانہ کے اخبارات کے مجموعے جیسا ہے جن میں حوادثات اور واقعات کا ذخیرہ ہے اس میں نہ ابواب، فصول کی تقسیم ہے اور نہ بلحاظ تاریخ، سن واقعات کی ترتیب ہے۔ عینی شاہد کے طور پر اور حکومت کے ایوانوں میں آپ کی عمل اور دخل کی بنا پر آپ کی تاریخ تمام مورخین کے نزدیک مستند شمار ہوتی ہے۔ ابن خلکان ابن حجر العسقلانی، سیوطی ابن دقماق ابو المحاسن یاقوت، مقریزی وغیرہ جیسے مورخوں نے انہیں مورخ عصر کا لقب دے کر ان کی تاریخوں کی اہمیت اور قدر و قیمت کا اعتراف کیا ہے۔ آپ کے بعد آپ کی اس تاریخ مرتب کرنے کے کام کو آپ کے بیٹے ابو الحسن اور ان کے بعد آپ کے پوتے نے بھی جاری رکھا۔

المختار المسجی

محمد بن ابی القاسم عبید اللہ بن احمد المعروف بالمسجی حرانی الاصل تھے مصر میں ان کی پیدائش ہوئی۔ خلیفہ الحاکم کے خادم خاص اور اسمٰعیلی داعی تھے۔ اپنے زمانے کے متداول علوم میں ماہر تھے۔ آپ کی طرف تیس تصنیفات منسوب ہیں۔ جن میں سب سے زیادہ مشہور 'التاریخ الکبیر' ہے جو تیس ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں مصر کے والیوں امیروں رئیسوں عہدہ داروں اور اماموں کا تذکرہ ہے۔ مصر کے عجائبات وہاں کی مشہور عمارات، مختلف قسم کے غلہ جات اور دریائے نیل کے بارے میں معلومات درج ہیں۔ اس تاریخ سے مصر کے سیاسی احوال اجتماعی، معاشی اور معاشرتی، اقتصادی احوال درج تھے۔ یہ کتاب مفقود ہے البتہ اسکا حصہ مکتبہ اسکوریال میں محفوظ ہے۔ انہیں دیگر مورخین نے 'مورخ الفاطمیون' کا لقب دیا ہے۔

ابن القلانسی

ابو یعلی حمزہ بن اسد تمیمی، ابن القلانسی کے نام سے معروف اہم سیاستداں اور مورخ تھے۔ ان کی پیدائش دمشق میں ہوئی۔ یہ ایک ایسی علمی شخصیت ہیں جنہوں نے فاطمی، سلجوقی اور زنگی تین حکومتوں کا زوال دیکھا۔ پہلی صلیبی جنگ کے احوال پر مشتمل ان کی تاریخ نہایت اہمیت کی حامل شمار کی جاتی ہے۔ 'المذیل فی تاریخ دمشق' کے نام سے کتاب لکھی، جس میں بلاد شام پر صلیبی حملوں کی تاریخ بیان کی ہے۔

مستشرق گب نے ان کی تاریخ کو(The Domascas chronicles of the Crusades) کے نام سے ترجمہ کر کے شائع کیا ہے۔

جعفر القضاعی

ابو عبد اللہ محمد بن سلامہ جعفر القضاعی تاریخ نگاری کے علاوہ فقہ پر دسترس حاصل تھی۔ آپ شافعی المذہب تھے۔ خلیفہ المستنصر کے دور میں مصر کے قاضی تھے۔ وزیر جرجرائی کے کاتب تھے، بادشاہ روم کی طرف ایلچی بنا کر بھیجے گئے تھے۔ چند مشہور کتابیں یہ ہیں: کتاب مناقب الامام الشافعی و اخبارہ، کتاب النبا عن الانبیاء تواریخ الخلفا، عیون المعارف ،فنون اخبار الخلائف، کتاب الشہاب النبوی ، دستور معالم الحکم ، ماثور مکارم الشیم، خطوط مصر۔ مختلف العقیدہ ہونے کے باوجود آپ کی دو کتابیں الشہاب النبوی اور دستور معالم الحکم و ماثور مکارم الشیم اسمٰعیلی لوگوں میں بہت مقبول ہیں۔ حافظ ابن عساکر نے ان کا ذکر اپنی کتاب میں کیا ہے۔ انہوں نے 454ھ میں وفات پائی۔

مامون البطائحی

ابو عبد اللہ محمد بن فاتک معروف بہ مامون البطائحی، فاطمی خلیفہ آمر باللہ کے وزیر تھے۔ سیاسی معاملات میں انہیں کافی مہارت حاصل تھی۔ انہوں نے مصر کی مردم شماری کا رجسٹر تیار کروایا ابن میسر نے اوراق التقیع کا نام دیا۔ اس میں مسافروں کے اعداد و شمار کا بھی اہتمام کیا گیا تھا۔ تاریخ المامونی کے نام سے دولت فاطمیہ کی تاریخ مرتب کی۔

فاطمی عہد میں تاریخ کے ساتھ ساتھ خود نوشت اور سوانح نگاری پر بھی کافی کام ملتا ہے۔ فاطمی خلفا جو کہ اسمٰعیلی اماموں کا درجہ رکھتے تھے ان کی ذاتی سیرت اور داعیین کی بھی کئی خود نوشت تحریر ملتی ہیں۔ اس میں سیرت ابن الجوذر اور سیرت المئد کافی شہرت رکھتی ہیں۔

12.2.4 فلسفیانہ اور سائنسی علوم کے مشاہیر فن

قرون وسطی میں فلسفیانہ علوم میں فلسفہ کے ضمن میں ریاضیات، طب نجوم، طبیعات الہیات اور منطق بھی شمار کیے جاتے تھے۔ چنانچہ اس دور کے فلسفی ان میں سے اکثر علوم پر اپنی دسترس رکھتے تھے۔ فاطمی عہد میں فلسفہ ادب اور دیگر علوم جو آج سائنسی علوم گردانے جاتے ہیں کو بہت زیادہ فروغ حاصل ہوا، ان کی سرپرستی کے لیے باقاعدہ حکومت سے بجٹ مختص ہوتا تھا۔ علم ہیئت کو ترقی دینے کے لیے رصد گاہیں بنائی گئیں علوم کی ترویج کے لیے تعلیمی ادارے اور کتب خانے تعمیر کیے گئے۔ اور ان کی تعلیم کے لیے اندلس اور ایشیاء کے دوسرے ملکوں سے ماہر اساتذہ بلائے گئے۔

.12.2.4.1 علم نجوم و ہیئت

فاطمی خلفا کو علم نجوم سی بہت زیادہ دلچسپی تھی۔ خلیفہ المعز جب مصر میں داخل ہوئے تو ان کے ساتھ منجم ابو عبد الرحمن محمد بن عبد اللہ العتقی تھے۔ خلیفہ المعز کے بعد العزیز کے دور میں بھی ان کی عزت و تکریم کی گئی۔ علم نجوم پر ان کی دو کتابیں کتاب التاریخ الجامع

اور 'السبب العلم العرب' بہت مشہور ہوئیں۔ ان کے علاوہ منجم ابو عبد اللہ القلانسی خلیفہ العزیز کے دربار سے وابستہ تھے۔ خلیفہ الحاکم کی علم نجوم سے غیر معمولی شوق و دلچسپی کی بنا پر انہوں نے جبل مقطم پر رصد گاہ تعمیر کروائی اور علی بن یونس کو زائچہ تیار کرنے کا حکم دیا تھا۔ علم نجوم پر دار الحکمت میں مباحثے اور مناظرے منعقد کرنے کا بھی اہتمام کیا۔ ابن الہیثم نے بھی الحاکم کے دور میں ریاضیات اور علم ہیئت پر کافی تحقیقات کیں۔ خلیفہ الآمر کے دور میں وزیر افضل بن بدر الجمالی نے منجمین کی باقاعدہ تنخواہیں مقرر کیں اور ہر سال نئی تقویم تیار کرنے پر انعامات مقرر کیے۔ اس عہد میں ایک اور رصد گاہ کی تعمیر کے شواہد ملتے ہیں جو ابو سعید بن قرفہ کی نگرانی میں تعمیر ہوئی۔

علی ابن یونس

ابو الحسن علی بن عبد الرحمن مصری (وفات 399ھ / 1009ء) جو علی بن یونس کے نام سے مشہور ہوے، ماہر ہیئت دان، سائنس دان اور اپنے زمانے کے سب سے عظیم ماہر فلکیات تھے۔ انہوں نے اپنی عمر جبل مقطم کی رصد گاہ میں گذار دی اور علم نجوم و ہیئت کی تحقیقات میں صرف کر دی۔ ابن یونس نے خلیفہ عزیز کے زمانے میں ہیئت کے مشاہدات کا ایک طویل سلسلہ شروع کیا جس کی تکمیل حاکم کے عہد میں ہوئی۔ ابن یونس کے بارے میں آتا ہے کہ وہ راتوں کو جبل مقطم پر گھنٹوں تاروں کی رصد میں مصروف رہتے تھے۔ اور ان مشاہدات کو زیج الحاکمی کی فلکیاتی جدول میں درج کرتے۔ یہ فلکیاتی جدول چار جلدوں پر مشتمل ہے اور فن ہیئت میں ایک مستند مرجع کی حیثیت رکھتی ہے۔ ابن خلکان کے مطابق انہوں نے اس سے تفصیلی اور مکمل زیج نہیں دیکھی۔ اس کتاب میں بہت تحقیق اور تصحیح سے مسائل ہیت لکھے ہیں۔ ابن یونس نے اپنا بنایا ہوا اصطرلاب اور پینڈولم استعمال کر کے کئی سال سورج کے مقامات میں سے دس ہزار مداخل کا مشاہدہ کیا۔

ابن یونس نے اپنے مشاہدات فلکی سے جو نتائج استخراج کیے وہ حیرت انگیز طور پر موجودہ زمانے کی تحقیقات سے مطابقت رکھتے ہیں۔ مثلاً انحرافِ دائرۃ البروج (Inclination of the ecliptic) کی 'قیمت' ابن یونس نے جو نکالی، موجودہ زمانے کی دریافت کردہ 'قیمت' بھی اس سے مطابقت رکھتی ہے۔ فلکیات کے بارے میں اس کے اخذ کردہ متعدد نتائج دور حاضر کے نتائج سے مطابقت رکھتے ہیں۔ مثلا زمین کا محور بظاہر دیکھنے میں تو ساکن معلوم ہوتا ہے، مگر حقیقت میں یہ ساکن نہیں ہے، بلکہ آہستہ آہستہ اپنی جگہ سے کھسکتا رہتا ہے اور ایک گول چکر کاٹتا رہتا ہے البتہ یہ حرکت اتنی مدھم ہوتی ہے کہ انہتر سال کے بعد اس میں صرف ایک ڈگری کا فرق پڑتا ہے اور 360 ڈگریوں کی مکمل گردش چھبیس ہزار سال میں جا کر پوری ہوتی ہے۔ یہ اتنی چھوٹی پیائش ہے کہ اسے صحیح طور پر معلوم کر لینا ہیئت دانی کا کمال ہے۔ اس کتاب میں ابن یونس نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ چاند کی رفتار میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔

اس کتاب کا شہرہ چین تک پہنچا، چنانچہ تیرہویں صدی میں ایک چینی ہیئت دان کوچیو لنگ نے اسے چینی زبان میں ترجمہ کیا۔ یورپ میں اس زیچ کی طرف توجہ اٹھارویں صدی میں مبذول ہوئی۔ ایک فرانسیسی عالم کالمین نے لیڈن یونیورسٹی کے ایک قلمی نسخہ سے اسکا ترجمہ کیا۔ الزیج الکبیر الحاکمی 1804 میں کوساں دی برسفال کی سعی سے معہ ترجمہ فرنچ میں شائع ہو چکی ہیں۔ ابن یونس کی خدمات کے اعتراف میں چاند کے ایک دہانے کا نام ان کے نام پر رکھا گیا ہے۔ ابن یونس ان اہم کارناموں کے علاوہ صاحب دیوان شاعر بھی تھے۔

ابو علی حسن الشہیم

مشہور و معروف ریاضی دان، ہئیت دان، ماہر طبیعات، فلسفی، طبیب (354ھ 965) کو بصرہ میں پیدا ہوئے۔ سارے قرون وسطی میں اپنے فن میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ بصرہ سے شام اور اس کے بعد قاہرہ کا سفر کیا اور بعض محکموں کی ذمہ داری بھی سنبھالی۔ نہایت ہی ذہین اور زاہد صفت طبیعت کے مالک تھے، تاریخ کے مختلف واقعات سے ان کے استغناء کے ثبوت ملتے ہیں مال وزر اور کی انہیں مطلق پرواہ نہ ہوتی تھی۔ اپنا بیشتر وقت تحصیل علم تحقیقات مسائل اور تصنیف و تالیف میں گذرتا تھا، ریاضی، ہئیت، فلسفہ اور طب پر ایک سو سے زیادہ کتابیں لکھیں۔ ملک مصر میں دریایے نیل پر بند باندھنے کا خیال سب سے پہلے انہوں نے پیش کیا تھا، تاکہ تمام سال اس سے فائدہ اٹھایا جاسکے، بادشاہ الحاکم نے ان کے اس منصوبہ کو بہت زیادہ پسند کیا؛ لیکن اس زمانے الآت کے ساتھ اس منصوبے کو پائے تکمیل تک پہنچانا ناممکن تھا۔ آج اسی جگہ پر سد عالی کے نام سے ڈیم موجود ہے۔

ابن الہیثم اور علم بصریات: ابن ہیثم کو جدید علم بصریات کا بانی کہا جاتا ہے۔ انسان کو مختلف اشیاء کیوں کر نظر آتی ہیں اس مسئلہ پر تحقیق کا سہرا آپ کے سر ہے۔ انہوں نے بیطلموس اور اقلیدس کے نظریوں سے انحراف کیا کہ آنکھ سے بصری شعائیں نکل کے مرئی شے کی طرف جاتی ہیں ہے اس مسئلہ کے حل میں ابن الہیثم نے بصریات کا ایک نیا نظریہ وضع کیا اور ثابت کیا کہ روشنی آنکھ میں نہیں ہوتی بلکہ باہر سے آنکھ کے عدسے ٹکراتی ہے اور ہم چیزوں کو دیکھنے کے قابل ہوتے ہیں۔

ابن الہیثم نے زاویہ انعکاس کو معلوم کرنے کے لیے تجربے بیان کئے ہیں۔ انہوں نے سب سے پہلے یہ ثابت کیا کہ روشنی ہمیشہ خط مستقیم میں سفر کرتی ہے۔ ابن الہیثم نے یونانی نمونوں سے کام لے کر کروی اور مکانی (Parabolic) آئنوں کے متعلق بھی تحقیقات کیں اور ماسکہ (Focus) کے تعین کرنے کا صحیح طریقہ مقرر کیا۔ ان کی دیگر تحقیقات میں حجلہ تاریک (obscura) شامل ہے جس کی بنا پر انہوں Pinhole camera نے ایجاد کیا لفظ کیمرا بھی انہیں کا دریافت کردہ ہے۔

بصریات کے موضوع پر ان کی 20 سے زیادہ کتابیں ہیں، بصریات کے میدان میں ان کا مقام دور جدید کے سائنسدان نیوٹن کی طرح ہے اس موضوع پر ان کی "کتاب المناظر" (The Book on Optics) نے بہت شہرت پائی، اس کتاب میں سات مقالے ہیں۔ اس کتاب کا اصل نسخہ ناپید ہوچکا ہے، مگر اس کا جو لاطینی ترجمہ جو 1572 میں ہوا تھا باقی ہے۔ اس کتاب سے عہد وسطی کے تمام مغربی سائنسدانوں نے بہت مدد لی۔ راجر بیکن اور کپلر کی تصنیفوں میں اس کی جھلک پائی جاتی ہے۔ اس کتاب کی وجہ سے انہیں بطلیموس ثانی کا لقب دیا گیا۔ اس کے نسخے لیڈن اور دیگر کتب خانوں میں موجود ہیں۔

الہیثم نے ستاروں کے انعکاس نور کے مبادی کو وضع کیا، اور سب سے پہلے معلوم کیا کہ اجرام سماوی جب افق کے قریب آتے ہیں تو ان کا جرم بڑھ جاتا ہے۔ انہوں نے قوس و قزح کے موضوع پر بھی کتاب لکھی ہے۔ کتاب الرسائل کے نام سے 9 رسائل پر مبنی کتاب دائرہ المعارف العثمانیہ سے شائع ہوچکی ہے۔ ان کے رسائل کئی زبانوں میں ترجمہ ہوچکے ہیں۔

ابن الہیثم اور علم ریاضیات اور ہندسہ: ریاضی اور علم الہندسہ پر آپ کی تصنیفات بہت ہی باکمال ہیں 'المعلومات الہندسیہ' کے

قلمی نسخے پیرس کے یلوتھک نیشنل میں موجود ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ رسائل اقلیدس کے اسلوب پر تحریر کیے ہیں لیکن اس میں اپنی انفرادیت اور نئی تحقیقات بھی وضع کی ہیں۔ یہ کتاب اقلیدس کی کتاب 'القواعد المفروضه ،البراہین الاستقرائیه' اور اپونونیس کی تصنیف 'المحال المستویه السطوح' کے مابین واسطہ خیال کی جاتی ہے۔

ابن الہیثم اور طب: ابن الہیثم طبیب اور دواساز بھی تھے۔ فن طب میں انہیں خاص امتیاز حاصل تھا۔ ان کو آنکھ کی سرجری میں کمال حاصل تھا۔ انکھوں کی بینائی پر نفسیاتی اثرات کا سب سے پہلے جائزہ لیا۔ انہوں نے جالینوس کی بعض کتب کے نہایت مفید خلاصے تالیف کیے اور شرحیں لکھیں۔ آنکھوں کی تشریح اعضاء(Anatomy) پر انہوں نے متعدد نقشے(Diagram) بنائے اور آنکھ کے مختلف حصوں کی ٹرمینالوجی وضع کی جیسے کہ عدسہ، جب انہوں نے آنکھ کی ساخت کا مشاہدہ کیا تو وہ انہیں مسور (lentils) کے دانے سے ملتی جلتی لگی، مسور کو عربی میں "عدس" کہتے ہیں اس لیے انہوں نے اس کا نام "عدسہ" رکھ دیا۔ جب مسور کا لاطینی ترجمہ کیا گیا تو وہ Lentils تھا جس سے Lens کی اصطلاح وضع کرلی گئی۔ آنکھوں پر عینک کے طور پر شیشے کے عدسے کا استعمال ابن الہیثم نے شروع کیا تھا۔ اسی طرح آپ نے فریب نظر پر بھی گہری روشنی ڈالی۔

ابن الہیثم اور علم طبیعیات: آپ علم طبیعیات کے بھی ماہر تھے۔ انہوں نے کشش ثقل gravity کے اصول واضح کیے اور بلندی کے اعتبار سے کسی جسم کے وزن کے گھٹنے اور بڑھنے کے اسباب بتائے۔ جسے بعد میں Newton کی دریافت کردہ بتایا گیا ہے دراصل گریوٹی بھی آپ ہی نے سب سے پہلے دریافت کی تھی۔

قفطی نے ابن الہیثم کی تصنیفات کی تعداد 67 بتائی ہیں اور ابن الاصیبعہ نے اس کی تصنیفات کی تعداد تقریبا دو سو لکھی ہے۔ اپنے ان کارناموں اور تحقیقاتی تصانیف کی بنا پر اسے اپنے عہد کا آئنسٹائن اور بیطلموس ثانی لقب دیا گیا۔ ان کی خدمات کے اعتراف میں چاند کے ایک دہانہ کا نام ان کے نام پر رکھا گیا ہے، اور فروری 1997 میں ایک نو دریافت شدہ سیارچے کو بھی ان کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

علم طب کے مشاہیر

فاطمی دور میں کئی نامی گرامی طبیب گذرے ہیں جنہوں نے امراض کی تحقیقات اور اس کے علاج کے طریقہ کار کا تعین کیا۔ خاص طور پر فاطمی دور میں آنکھ کی بیماریوں اور ان کے علاج پر تصنیفات ملتی ہیں جو آنکھوں کے علاج کی ابتدائی کتابیں شمار ہوتی ہیں۔

ابو یعقوب اسحاق بن سلیمان: ایک فاضل یہودی تھے، اور خلیفہ المہدی کا طبیب خاص تھے۔ فن طب پر ان کی اہم تصانیف میں کتاب الادویه المفرده و الاغذیه '(اسکا لاطینی ترجمہ شائع ہو چکا ہے)، 'کتاب فی الحمیات، کتاب فی البول، کتاب اسطقباط، کتاب الحدود والرسوم، کتاب بستان الحکمت وغیرہ

خلیفہ المعز کے عہد میں بھی طبیب خاص ایک یہودی ہی تھا ان کا نام موسی بن العیزاء تھا۔ فن صیدلیہ میں ممتاز اور مفردات و مرکبات کا ماہر اور ترکیب ادویہ میں ماہر تھے۔ ان کی مشہور تصنیف شراب الاصول ہے۔ ان کے دونوں بیٹے بھی اپنے زمانے کے ماہر

طبیب تھے اور خلیفہ نے انہیں اعلیٰ عہدوں پر فائز کیا تھا۔ المعز کے دور میں کئی اور اطباء کا ذکر ملتا ہے جن میں سعید بن بطریق نامی گذرے ہیں جو کنیسہ اسکندریہ کے بطریق تھے۔ انہوں نے فن طب کی تاریخ مرتب کی تھی جس کا عربی اور لاطینی نسخہ 1654 میں آکسفورڈ سے شائع ہو چکا ہے۔ ایک اور طبیب محمد بن احمد بن سعید التمیمی بیت المقدس سے مصر آئے، انہیں عقاقیر و تراکیب ادویہ میں بڑی شہرت حاصل کی۔ وزیر یعقوب بن کلس کے لیے 'مادة البقاء بالاصلاح فساد الهواء ،التحرز من ضرر الادباء' نامی کتاب کئی جلدوں میں تصنیف کی تھی۔ طبیب منصور ابن مقشر نصرانی تھے۔ خلیفہ العزیز کے طبیب خاص تھے۔

ابن الجزار: ابو جعفر احمد بن ابراہیم الجزار القیروانی افریقہ کے شہر تونس میں اغلبی دور میں پیدا ہوئے، اور آپ کی وفات فاطمی دور میں ہوئی۔ اپنے دور کے دیگر علماء کی طرح ابن الجزار کو متعدد علوم پر دسترس حاصل تھی۔ ابن الجزار نے علم فقہ، جغرافیہ، تاریخ، علم البلاغہ، علم کلام اور علم طب پر کئی کتابیں تحریر کیں۔ علم طب میں طب اطفال اور امراض جنسی پر کئی اہم کتابیں تحریر کیں۔ ان کی تصنیف زاد المسافر وقوت الحاضر دسویں صدی کی سب سے اہم طبی کتاب شمار کی جاتی ہے

عمر بن علی الموصلی: یہ ایک مشہور عالم اور سائنس داں ہیں، انہوں نے آنکھ، بینائی اور بصارت کے موضوع پر اہم کتابیں تصنیف کیں۔ خلیفہ الحاکم کے دور کے باکمال طبیب تھے۔ ان کی کتاب "المنتخب فی علاج العین" آنکھوں اور ان کے علاج پر ایک عمدہ تصنیف سمجھی جاتی تھی۔ انہوں نے موتیابند کے علاج کے سلسلے میں آنکھ سے موتیا کو ایک نلکی کے ذریعہ چوس کر باہر نکالنے کے طریقے کی اس کتاب میں وضاحت کی ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے اپنے ہم عصر ابن عیسی کی تصنیف تذکرہ الکحالین سے زیادہ جدت اختیار کی تاہم المنتخب کے مقابلے میں تذکرہ الکحالین زیادہ بنیادی اور مستند تسلیم کی جاتی ہے۔

12.2.4.2. ادب وانشاء

ادب وانشاء پردازی کی نشو نما و نثر نگاری کے ارتقا میں فاطمی محکمہ انشاء کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ سلطنت کی وسعت اور شعبوں کی کثرت کی بنا پر انہوں نے باکمال انشا پرداز مقرر کیے اور ان کی قدر و منزلت کی۔ منشی کے لیے خلعت فاخرہ ہوتی تھی اور اس کی حفاظت کے لیے دربان بھی ہوتا تھا۔ مقریزی لکھتے ہیں کہ جب ابو البرکات بن ابی اللیث دیوان مجلس کا متولی مقرر ہوئے تو ان کے لیے بیت المال سے گراں قدر وظیفہ اور شاہی مطبخ سے گراں بار روزینہ کا حکم صادر ہوا، ان سارے تکلفات کے علاوہ ایک خچر آراستہ ہمیشہ اس کے در پر کھڑا رہتا تھا۔ دیوان تحقیق کے والی کے متعلق مقریزی کا کہنا ہے کہ اس کا ذمہ دار کوئی مشاق کاتب ہی ہو سکتا تھا اور اسے خلعت اور حاجب عنایت ہوتا تھا۔ محکمہ انشا کے میر منشی کو انعامات فاخرہ کے علاوہ محافظ اور خدمات گار بھی عنایت کیے جاتے تھے۔ انعامات کی بارش دیکھ کر اس دور کا ہر شخص ہی کاتب ہونے کی خواہش کرتا تھا۔ دیوان انشا میں علوم عربیہ کے جید عالم اور نحو، لغت کے ماہرین رکھے جاتے تھے تاکہ وہاں سے جو بھی تحریر نکلے وہ عربی ادب کا اعلی نمونہ اور فن انشا کا شاہکار ہو۔

سلطنت کی شہرہ آفاقی کے لیے شاعروں کا وجود ناگزیر تھا اس لیے فاطمی دور میں کئی شعرا نے نام کمایا۔ درباروں میں شاعروں کی

قدر و منزلت کی جاتی اور انعام و اکرام دے کر انہیں اس بات پر راغب کیا جاتا کہ وہ فاطمی فتوحات اور اسمٰعیلی دعوت کے کارنامے عوام میں نشر کریں۔ اس دور کے مشہور شعرا، کی فہرست حسن ابراہیم نے اپنی کتاب 'لفاطمیون فی مصر' میں لکھی ہے، جن میں ابن ہانی، علی تولنسی، الامیر تمیم بن خلیفہ المعز، عمارہ یمنی، ابو حامد انطاکی، موید شیرازی اور ناصر خسرو زیادہ مشہور ہیں۔

لغت و نحو

عہد فاطمی میں اور علوم کی نشو نما کے ساتھ علوم لغت، نحو کو بھی کافی فروغ حاصل ہوا۔ خود فاطمی خلفا چونکہ عرب تھے وہ خود بھی لغت اور نحو میں دسترس رکھتے تھے۔ خلیفہ المعز کے بارے میں آتا ہے کہ انہیں عربی کے ساتھ ساتھ سوڈانی صقلی، بربری اور لاطینی زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ عہد فاطمی میں کئی نامور لغت داں اور نحوی گذرے ہیں۔

عبد اللہ بن محمد جعفر التمیمی: المعروف بالقزاز النحوی علم لغت میں انہیں کمال حاصل تھا خلیفہ العزیز کی فرمائش پر ا'الجلمع فی اللغت' تصنیف کی جو اس منہج کی پہلی لغت سمجھی جاتی تھی۔ یہ ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے بارے میں ابن خلکان نے الخطط میں روایت کیا ہے کہ قزاز نے متقدمین کو مات کر دیا ہے اور متاخرین کی زبان کو قطع کر دیا ہے۔

علی بن احمد المہلبی نحو و لغت کے علاوہ تشریح اشعار اور روایت اخبار میں بھی ماہر تھے۔ اخشیدی دور میں ملک کافور اور فاطمی دور میں المعز اور العزیز کے ہم جلیسوں میں شامل تھے۔ مشہور شاعر متنبی کے ہم عصر تھے اور ان سے کئی مباحثے بھی کیے تھے۔

طاہر بن بشاذ الخلوی یہ ویلمی تھے اور علم نحو پر امام سمجھے جاتے تھے اور دیوان انشاء کے رسائل کی تصحیح ان ہی کے سپرد تھی۔ ان کی نظر سے گذرے بغیر کوئی رسالہ یا خط دفتر سے جاری نہ ہو سکتا تھا۔ انہوں نے کئی کتابیں تصنیف کیں۔ **المقدمة المشهور ،شرحها' 'شرح الجمل الزجاجی'** اور **شرح كتاب الاصول لابن سراج'** ان کی مشہور تصانیف ہیں۔ 469ھ میں وفات پائی۔

12.3 اہم علمی ادارے

فاطمی خلفاء علم و حکمت کی ترویج و اشاعت میں ہمیشہ پیش پیش رہے انہوں نے اس کے لیے مدرسے، کتب خانے اور سائنسی ادارے رصد گاہیں قائم کیں۔ جن میں قابل اساتذہ، ارباب علم و فضل بے شمار کتابیں اور ہر قسم کی سہولیات مہیا کی گئیں۔ یہ تعلیمی سہولیات عوام اور اہل علم و فن کے لیے مفت وقف ہوتی تھیں۔ خواص اور عوام اس سے حسب ضرورت اور ذوق فائدہ اٹھا سکتے تھے۔ ابتدائی تعلیم گھر میں اور اس کے بعد مساجد میں دی جاتی تھی۔ اس عہد میں جتنے بھی مدرسے تھے وہ اپنے وقت کے جدید اور ترقی یافتہ مدارس میں شمار ہوتے تھے۔ جہاں تحقیقی اور علمی کام اعلیٰ پیمانے پر ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ فاطمیوں کے عہد میں ایک علاحدہ تعلیمی نظام کو بہت زیادہ فروغ ملا جس کا مقصد اسمٰعیلی عقائد کی تعلیم، تحقیق اور اشاعت تھا۔ اسے دعوۃ کہتے تھے، مجالس الحکم میں عوام کو بھی تعلیم کے لئے شامل کیا جاتا تھا، ان مجالس میں مذہب باطنی کی تعلیم دی جاتی تھی۔

12.3.1 جامع الازہر

جامعہ ازہر دنیا کی ان چند درس گاہوں میں سر فہرست ہے جو اپنی قدامت اور شہرت کے لیے ممتاز ہیں۔ اپنے آغاز سے آج تک اس کا علمی سفر رواں دواں ہے۔ بنو فاطمہ نے جب مصر کو فتح کر کے قاہرہ کو اپنا دار لحکومت بنایا تو جوہر الکاتب الصقلی نے، جو ابو تیم المعز کا سپہ سالار تھے، 359ھ میں الازہر کے نام سے قصر شاہی کے جنوبی گوشے میں ایک عالی شان مسجد کی بنیاد رکھی۔ 24 جمادی الاوّل 359 ہجری بمطابق 4 اپریل 970ء کو اس کی تعمیر کا آغاز ہوا۔ یہ سلسلہ دو سال تک جاری رہا اور 7 رمضان 361ھ (22 جون 972ء) کو اس کی افتتاحی تقریب عمل میں آئی۔ اس عمارت کی تعمیر میں ایرانی فن تعمیر کی جھلک نظر آتی ہے۔ جامعہ کا باب الداخلہ نہایت وسیع ہے عمارت کے درمیان صحن تھا جو تینوں طرف سے گنبد دار راہ داریوں سے گھرا ہوا تھا۔ اس کی دیواروں میں آرائشی کتبے اور دیدہ زیب نقش و نگار ثبت تھے۔ مسجد میں ایک مدرسہ قائم کیا گیا جو کچھ مدت بعد دینی اور دنیوی تعلیم کا سب سے بڑا مرکز بن گیا۔

یہ مسجد اور مدرسہ حضرت فاطمتہ الزہرا کے نام سے نسبت دے کر "الازہر" کا نام دیا گیا تھا اور اس کا بنیادی مقصد شیعہ اسماعیلی عقائد کی اشاعت و ترویج کرنا تھا. دسویں صدی عیسوی سے بارہویں صدی عیسوی تک جامع الازہر بطور شیعہ مدرسہ فاطمی خلافت اور اسماعیلی فرقے کی ترویج کے طور پر استعمال ہوتی رہی، اور اسماعیلی عقائد، تاویل اور ظاہری علوم کی تعلیم مرد و عورت سب کو یکساں طور پر دی جاتی تھی۔ البتہ اسمٰعیلی علوم باطنہ کی مجلسیں خلفاء اور اماموں کی نشست گاہوں پر انتہائی خفیہ طور پر منعقد ہوتی تھیں۔

فاطمی خلیفہ المعز کے بعد ہر خلیفہ نے الازہر کی ترقی میں اپنا حصہ ڈالا اور اس میں تعمیری اضافے کیے۔ معز کے جانشین عزیز کے عہد میں مسجد کے پہلو میں اساتذہ کی رہائش کے لیے دار الجماعت کے نام سے ایک بڑی عمارت تعمیر کی گئی۔ اور اس مسجد کو جامعہ کی حیثیت حاصل ہوئی۔ خلیفہ العزیز کے حکم سے ان کے وزیر یعقوب بن کلس فقیہوں کے لیے وظیفہ مقرر کیا تھا۔ اس میں علمی مشاغل کو فروغ دینے کے لیے دور دراز مقامات سے علماء فقہاء مقرر کیے گئے تھے، ان کی معقول تنخواہیں مقرر تھیں۔ فقہ اور وعظ کی مجلسیں منعقد ہوتی رہتی تھیں۔ جن سے استفادہ کرنے کے لیے دور دور سے طلبا کی کثیر تعداد آیا کرتی تھی۔ مختلف علوم کے لیے طلبہ حلقہ بنا کر فرش پر استاد کے ارد گرد بیٹھ جایا کرتے تھے۔

الحاکم کے عہد حکومت میں 400ھ میں طلبہ کی کثرت کی وجہ سے ایک نئی عمارت کا اضافہ کیا گیا اور مصارف کے لیے اوقاف قائم کیے گئے۔ مستنصر کے زمانے میں عمارتوں میں مزید توسیع ہوئی۔ وہ آخری فاطمی بادشاہ جس کے دور میں جامعہ ازہر کی عمارتوں میں اضافے ہوئے' حافظ (44 ہجری بمطابق 1130-49ء) کا تھا۔

جامع الازہر میں اسماعیلی عقائد کے حلقوں کے علاوہ حنفی اور شافعی مذہب کے علماء اور فقہاء کے حلقہ بھی منعقد ہوا کرتے تھے۔ اس ادارہ میں ہر عقیدے کے عالم اور قاضی کو اپنے عقیدے کے مطابق فیصلے کرنے کی آزادی تھی۔ حاکم نے اپنے دور میں مالکی مذہب کی تعلیم کے لیے دو فقہاء کو مقرر کیا تھا۔ دوسرے اماموں اور خلفاء کے دور میں بھی مختلف مشہور علماء اور فقہاء کی مصر میں آمد جاری رہی۔ معتزلہ کے مشہور عالم عبد السلام بن محمد بن بنداد القزوینی مصر آئے اور چالیس سال تک وہیں مقیم رہے۔

جوہر الصقلی نے الازہر میں ایک نفیس کتب خانہ بھی قائم کیا تھا، جس نے بعد میں کافی شہرت پائی۔ آگے چل کر الازہر میں دیگر کتب خانوں سے کتابیں منتقل کی گئیں۔ جیسا کہ خلیفہ الحاکم کے کتب خانے کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے جب دارالحکمت کی عمارت منتقل کی تو دار الحکمت کی کتابیں جامع الحاکم، جامع المقس، اور جامع الازہر میں منتقل کرنے کا حکم دیا تو اس وقت زیادہ کتب جامع الازہر کے کتب خانہ کے حصہ میں آئیں۔

جامع الازہر کے بارے میں ابن جبیر جو عینی شاہد ہیں لکھتے ہیں کہ۔مصر کے جامع الازہر میں ہر طالب علم کے لیے ایک قیام گاہ ہے۔ استاد اس کو اس کے منتخب کردہ مضمون میں تعلیم دیتا ہے۔اس کی تمام ضروریات کے لیے وظیفہ مقرر ہے۔

موجودہ وقت میں جامعہ الازہر سے چار ہزار تعلیمی ادارے اور بیس لاکھ کے قریب طلباء وطالبات منسلک ہیں۔ خود جامعہ الازہر یونیورسٹی کے طلبا کی تعداد نوے ہزار کے قریب ہے

جامع ازہر کے علاوہ عہد فاطمی میں جامع حاکم جامع راشدہ جامع مقس جامع الرصد جامع الفیلہ اور جامع الاقمر وغیرہ مساجد میں بھی تعلیم و تدریس کا اہتمام ہوتا تھا۔

رصد گاہ

علم ہیئت کو ترقی دینے کے لیے رصد گاہوں کی تعمیر کی گئی۔ اور سائنس اور فلسفہ کے ماہرین کو ایشیاء اور اندلس سے بلا کر ان رصد گاہوں میں معین کیا گیا۔ خلیفہ حاکم کو علم نجوم کا بہت شوق تھا،اس نے فلکیاتی تجربات کے لیے ایک رصد گاہ قاہرہ کے باہر جبل مقطم کے پہاڑ پر تعمیر کی۔ اس وقت کے نامور اور مشہور ہیئت دان علی بن یونس کو اسکا افسر اعلی مقرر کیا۔ اس رصد گاہ سے کئی علما وماہرین وابستہ تھے۔ جن میں علی بن یونس اور مشہور سائنس دان ابن الہیثم شامل ہیں۔ اس رصد گاہ کے کتب خانے کے بارے میں آتا ہے کہ اس میں صرف علم نجوم اور ہیئت کی چھ ہزار کتابیں تھیں۔ اور اس میں دو کرے (Spheres) تھے، جن میں ایک تانبہ اور ایک چاندی کا، جس کا وزن تین ہزار درہم تھا اور اسکو تین ہزار درہم میں خریدا گیا تھا۔ اس رصد گاہ کے علاوہ بھی فاطمی دور میں دیگر علاقوں میں رصد گاہ کی تعمیر کے شواہد ملتے ہیں۔

12.4 اہم کتب خانے

فاطمی خلفا کو علم کی نشر واشاعت کے ساتھ اس کی حفاظت کا بھی بہت اہتمام تھا۔ کتابوں اور کتب خانوں سے انہیں غیر معمولی دلچسپی تھی۔ فاطمی دور میں عباسی اور اندلس کے اموی خلفاء کی طرح بے نظیر کتب خانے تھے۔ فاطمی خلفاء، امراء وزراء روسا کے محلوں اور حویلیوں میں کتب خانے ہونا عام بات تھی۔ فاطمی خلفاء وامرا ہر وقت اسی فکر میں رہتے تھے کہ ان کے پاس زمانہ بھر کی کتابیں جمع ہو جائیں۔ اور وہ اس کے لئے ان کے خزانے کے منہ ہمیشہ کھلے رہتے تھے۔ اگر ان کو کسی کے پاس کسی نادر کتاب یا نایاب نسخے کا پتہ چلتا تو وہ اسکو حاصل کرنے کے لیے پوری منہ مانگی قیمت دے کر حاصل کر لیتے تھے اور اپنے کتب خانے میں جمع کر دیتے۔ اس کے علاوہ فاطمی خلفاء اور وزراء نے

عوامی کتب خانوں کو بھی فروغ دیا جو اپنی وسعت اپنی تحقیقاتی خدمات اور علمی مجلسوں اور دیگر ادبی خدمتوں کے لیے اپنے وقت میں اتنے مشہور تھے کہ دور دور سے لوگ ان کتب خانوں سے استفادہ کرنے آتے۔ فاطمی خلفاء ان کتب خانوں کی فیاضی سے سرپرستی کرتے تھے۔

12.4.1 مکتبہ قصر شاہی

ابن الاثیر کے مطابق المہدی بانی دولت فاطمیہ کو اپنے بزرگوں سے ایک کثیر تعداد کتابوں کی ورثہ میں ملی تھی۔ سلجماسہ کی سفری صعوبتوں میں وہ کتب خانہ گم ہو گیا تھا اور بعد میں خلیفہ القائم نے اسے بازیاب کر لیا تھا خلیفہ المنصور کے دور میں بھی اس کتب خانے میں کتب کا اضافہ ہوتا رہا۔ خلیفہ المعز نے جب دار الخلافہ قیروان سے مصر منتقل کیا تو دیگر یادگاروں کے ساتھ وہ کتب کا ذخیرہ بھی مصر منتقل ہو گیا اور شاہی کتب خانے کی بنیاد بنا۔

یہ کتب خانہ شاہی محل کا حصہ تھا۔ مقریزی کی کتاب الخطط والعصر کے مطابق اس کتب خانے میں چالیس وسیع و عریض کمرے تھے۔ ہر کمرے میں تقریبا اٹھارہ ہزار کتابیں رکھی جاتی تھیں۔ مورخین کے دعوے کے مطابق کل اسلامی دنیا میں اس کے برابر کوئی کتب خانہ نہیں تھا، اس امر میں کہ اس کتب خانے کی جملہ کتب کی مجموعی تعداد کتنی تھی مورخوں کے مختلف اقوال ہیں، ابن الطویر کے مطابق دو لاکھ، ابن ابی واصل نے ایک لاکھ تیس ہزار لکھا ہے اور ابن ابی طئے نے چھ لاکھ ایک ہزار بیان کی ہے۔ اس اختلاف کی وجہ غالبا یہ ہو گی کہ بعض مورخین نے ایک کتاب کے مختلف نسخوں کو ایک ہی شمار کیا اور بعض نے علاحدہ علاحدہ شمار کیا ہے۔

اس کتب خانے میں بعض کتابوں کے غیر معمولی نسخے تھے۔ ابن الاثیر کے مطابق شاہی کتب خانے میں کلام مجید کے دو ہزار چار سو (2400) نادر نسخے تھے جنہیں مشہور خطاطوں نے لکھا تھا اور ان کی جلدیں بھی نہایت خوشنما اور منقش تھیں۔ مشہور مؤرخ ابن جریر طبری کی مشہور تصنیف تاریخ طبری کے 1200 نسخے موجود تھے۔ واضح رہے کی یہ کتاب خود کئی جلدوں پر مشتمل ہے۔ الجمہرہ لابن درید کے ایک سو نسخے موجود تھے۔ ۔ ایک روایت کے مطابق خلیفہ العزیز کے دربار میں ایک مرتبہ کتاب العین کا ذکر آیا تو اس کے حکم سے مہتمم کتب خانے نے 'کتاب العین' کے تیس نسخے پیش کیے جن میں ایک نسخہ خود مصنف خلیل بن احمد کا لکھا ہوا تھا۔ اس کتب خانے میں بیشتر کتابیں سونے کے پانی سے لکھی ہوئی تھیں، جن کی جلدیں زرین تھیں۔ اس کتب خانہ میں بطلیموس کے ہاتھ کا بنایا ہوا کرہ جو 2250 سال پرانا تھا اس کتب خانے میں موجود تھا۔ اس کے علاوہ ایک اور کرہ تھا جس کو ابو الحسن الصوفی نے عضد الدولہ کے لیے بنایا تھا۔ (رسائل شبلی)

مقریزی اور ابو شامہ کے مطابق یہ کتب خانہ عجائب عالم میں سے تھا۔ اور قرون وسطی کے کتب خانوں میں بے نظیر تھا تاریخ میں اس کو تمام اسلامی کتب خانوں کا سر تاج تسلیم کیا گیا ہے۔ تفسیر، حدیث، فقہ، مناظرہ، علم الکلام عقائد، کیمیا، جغرافیہ، طب، علم نجوم، لغت نحو، تاریخ یعنی اسوقت جتنے علوم اس زمانے میں رائج تھے، ہر علم و فن پر کتب موجود تھیں۔ اس مکتبہ میں دیگر ممالک جیسے کہ یونان، فارس اور ہندوستان کی بھی کئی نایاب کتابیں موجود تھیں۔

شاہی کتب خانے میں ایک داخلی اور خفیہ کتب خانہ بھی تھا جس میں داخل ہونے کا ایک خفیہ راستہ تھا جو صرف مخصوص لوگوں کو معلوم تھا۔ جس کی طرف مقریزی نے خزائن القصر الداخلہ کہ کر اشارہ کیا ہے یہ خزانہ اسمٰعیلی عقائد و دعوت کی کتب پر مشتمل تھا اور سوائے

مخصوص داعیوں اور عالموں کے ہر کسی کو اس میں داخلے کی اجازت نہیں تھی۔

فاطمی وزیر بن یعقوب بن کلس کے وفات کے بعد ان کے کتب خانے کا سارا خزانہ اسی میں منتقل کر دیا گیا۔ اس کتب خانے کی جملہ کتب کی تعداد کے بارے میں صراحتاً کچھ کہنا ممکن نہیں ہے کیوں کہ یہ کتب خانہ عہد فاطمی میں کئی بار لٹا کبھی فوج کے ہاتھوں جیسا کہ خلیفہ المستنصر کے عہد میں فوجی فساد میں کتب خانے کی بربادی ہونے کے بعد کہ ابن میسر کے قول کے مطابق وزیر افضل بن بدر الجمالی کے پاس پانچ لاکھ مجلدات اس کتب خانے کی تھیں۔ ناصر الدولہ نے حبشی فوجیوں کو شکست دینے کے بعد اپنے اور اپنی فوج کے لیے خلیفہ سے ایک بڑا معاوضہ طلب کیا اس کے ساتھیوں میں وزیر ابو الفرج جعفر المغربی بھی تھا جس نے کارگزاری کے صلے میں اتنی کتابیں حاصل کیں جو پچیس اونٹوں پر لادی گئیں گرچہ مطالبہ پانچ ہزار دینار کا تھا اور کتابیں جو اس نے اپنے لیے منتخب کیں ان کی قیمت ایک لاکھ دینار سے بھی زیادہ تھی۔ المغربی کو کتابیں دینے کے بعد جب قصر امامی کی کتابیں اسکندریہ کے گورنر ابن المحترق کے پاس بھیجی جارہی تھیں تو راستے میں قبیلہ لواتہ نے انہیں لوٹ لیا اور کتابوں کی چرمی جلدیں پھاڑ کر اس کی جوتیاں بنالیں اور جلدیں جلاڈالیں اور اس کی وجہ صرف یہ تعصب تھا کہ مذہباً ان کے عقائد کے خلاف تھیں باقی کتابیں مٹی میں دبائیں گئیں تو ایک تودہ تیار ہو گیا جو 'تلال الکتب' کے نام سے مشہور ہو گیا جس کے آثار آج بھی باقی ہیں۔ آگے چل کر ناصر الدولہ کی فوج کو جب شکست ہوئی تو شاہی کتب خانے کے ساتھ ساتھ المغربی کی کتابیں بھی لٹ گئیں۔ ایوبی حکومت کے قیام کے بعد ان کتب خانوں کی کتابیں برسوں تک ایک دلال ابن صورت کی معرفت سالوں تک مصر کے بازار میں فروخت ہوتی رہیں۔ قاضی عبد الرحیم جو صلاح الدین کے وزیر تھے انہوں نے قاہرہ میں ایک مدرسہ تعمیر کیا اور اس کتب خانے کی تقریباً ایک لاکھ کتابیں اس مدرسہ کے لیے وقف کیں۔ صلاح الدین ایوبی نے اس مصر کی فتح کے بعد کتب خانے سے ایک لاکھ بیس ہزار کتابیں اپنے وزیر الفاضل کو دیں۔

12.4.2 دار العلم (عوامی کتب خانہ الحاکم) المعروف دار الحکمت

عوامی کتب خانوں کی تعمیر و ترقی میں امیر سامور بن شریک کے بعد سب سے اہم نام فاطمی خلیفہ الحاکم بامر اللہ کا ہے جس نے 395ھ میں عظیم الشان عام کتب خانہ قائم کیا۔ یہ کتب خانہ جس کا آغاز دار العلم کے نام سے ہوا اور آگے چل کر اس میں تحقیقی سائنسی اکادمی بھی قائم ہو گئی یہ تاریخ میں دار الحکمت سے مشہور ہے۔ بعض روایتوں کے مطابق اس ادارہ کی ابتداء خلیفہ الحاکم کے محل میں مجالس الحکم کے نام سے ہوئی۔ جس میں اسماعیلی عقائد کی تعلیم دی جاتی تھی، اور مباحثہ منعقد کئے جاتے تھے۔ کچھ عرصے بعد اس کے لئے باقاعدہ عمارت تعمیر کی گئی، اور اسے دار الحکمت کا نام دیا گیا اور اس میں کتب خانہ کا اضافہ کیا گیا۔

دار العلم کا افتتاح عوامی کتب خانے کی حیثیت سے نہایت شان و شوکت سے ہوا۔ خلیفہ الحاکم نے اس کتب خانے کا افتتاح جمادی الاولی 311ھ میں بروز شنبہ کو بہت اعلی اور شاندار پیمانے پر کیا۔ اس کتب خانہ کی بے مثال زیبائش اور آرائش کی گئی۔ کتب خانے کے لیے اعلی قسم کا فرنیچر مہیا کیا گیا اور عمارت کو بڑے ساز و سامان سے آراستہ کیا گیا تھے۔ بہت سے قرا منجم اطبا، ادبا، شعراء اس کے رسم افتتاح میں شریک ہوئے۔

الحاکم کے شاہی محل میں جتنی کتابیں تھیں بعد میں انہیں دار العلم میں منتقل کر دیا گیا۔ اس طرح دار العلم میں ایک نادر کتب کا خزانہ جمع ہو گیا جس میں ڈیڑھ لاکھ سے زیادہ نادر اور قیمتی کتب موجود تھیں۔ یہ کتب خانہ اپنے طرز کا پر شکوہ پہلا عوامی کتب خانہ بن گیا۔

دار العلم ایک اکیڈمی کا درجہ رکھتا تھا، بہت سے فقہا، اطبا، ریاضی دانوں، منطقیین کو معقول تنخواہوں پر تقرر کیا گیا تا کہ وہ کتب خانے میں ہمیشہ حاضر رہیں اور مطالعہ اور تحقیق و مباحثہ کا اہتمام رہے۔ ان کے لیے الحاکم مختلف مجلسوں اور مناظروں کا بھی اہتمام کرتے تھے۔ ان علما میں ماہر الحساب عبد الغنی بن سعید بھی تھے۔ چنانچہ خلیفہ الحاکم یکے بعد دیگرے طلب کرتے ان کے مباحث سنتے اور ان کو مناظرہ کے لیے اور انہیں انعام و خلعت سے نوازتے۔ سیوطی سے روایت ہے کہ جنادہ بن محمد بن ال حسین الازدی الہروی ابو اسامہ اللغوی ان کے مصاحب میں تھے یہ سب دار العلم میں جمع ہو کر مباحث و مذاکرات کیا کرتے تھے۔ علاوہ ان مشہور افاضل کے ایک نابینا عالم ابو الفضل جعفری تھے الحاکم نے انہیں انعام و اکرام کے ساتھ لغت و نحو کی تدریس کے لیے مامور کیا اور عالم العلما کا لقب عطا کیا۔ اسی طرح ابو بکر النطا کی ماہر فقہ مالکی اور ان کے ساتھ ایک اور مالکی فقہ کے عالم کو فقہ مالکی کی تدریس کے لیے دار العلم میں مقرر کیا۔ دار العلم میں فاطمی خلیفہ الحاکم کی مجالس اپنے وقت میں مناظرہ کے لیے کافی شہرت رکھتے ہیں۔ ایک مجلس مناظرہ میں الحاکم نے علم الحساب، منطق، فقہ طب اور دیگر علوم و فنون کے علما کو مدعو کیا اور وہاں انہوں نے متعدد مسائل بحث و مباحثہ کے بعد طئے کیے اور اس مجلس کے اختتام پر خلیفہ نے انہیں خلعت اور انعامات سے نوازا۔ ان علمی مجالسوں میں ہر طبقہ کے علما و فضلا اپنی مخصوص خلعت پہن کر شریک ہوتے تھے۔

دار الحکمت میں کتابیں نقل کرنے والے، درس میں شرکت کرنے والے اور مطالعہ کرنے والوں اور طلباء کا ہجوم رہتا تھا۔ کتابوں کے نقل کرنے اور مطالعے کی عام اجازت تھی۔ اس غرض سے کاغذ دوات اور قلم کتب خانے کی طرف سے ہمیشہ مہیا رہتے تھے۔ اس کتب خانے کے مصارف ابتدا میں شاہی خزانے سے پورے ہوتے تھے لیکن آگے چل کر 400ھ میں اس کتب خانے کے دائمی مصارف کے لیے بہت سے مکانات اور دکانیں وقف کیں۔ دار الحکمت چھٹی صدی کے اوائل تک قائم رہا۔ پھر جب اس ادارہ کو مخصوص مقاصد کے لیے استعمال کیا جانے لگا تو 516ھ میں وزیر افضل بن بدر الجمالی نے اسے بند کروادیا پھر مامون البطائحی کی وزارت میں خلیفہ آمر باللہ کے حکم سے دوبارہ کھولا گیا لیکن اس میں پہلے جیسی سرگرمیاں جاری نہ ہو سکی کیوں کہ فاطمی سلطنت کا شیرازہ بکھر رہا تھا۔ اس لیے کچھ ہی عرصے میں بند ہو گیا۔

کتب خانوں کا طرز تعمیر

فاطمی سلطنت کا دور فن تعمیر کے اعتبار سے بھی ضرب المثل ہے۔ فاطمی دور کے معماروں نے ہر عمارت میں جدت و اختراع کو پیش نظر رکھا۔ عوامی کتب خانے کی عمارت کے بنانے میں بہت ہوشیاری سے کام لیا جاتا تھا۔ کمرے اور دالان کافی کشادہ اور ہوادار ہوتے، دروازے اور کھڑکیوں کی وضع اور کاریگری میں کافی عرق ریزی اور اہتمام کیا جاتا۔ قاہرہ کے کتب خانوں میں مختلف کاموں کے لیے الگ الگ کمرے مختص تھے مطالعہ کرنے والوں، مسودوں کی نقل کرنے کے لیے تحقیق کے لیے جدا جدا کمرے تھے۔ ادبی اجتماعات کے اور جشن موسیقی کے لیے کشادہ ہال علاحدہ تھے۔ تمام کمروں میں فرش ہوتا تھا فرش کے لیے چٹائی اور قالین بچھائے جاتے تھے۔ مشرقی انداز میں

نشستوں کا انتظام ہوتا لوگ زمین پر بیٹھ کر مطالعہ اور کتابت کرتے تھے۔ داخلی دروازاور کھڑکیوں وں پر خاص طور پر بھاری پردے لٹکے ہوتے تاکہ ہوااور موسم کی شدت سے کتابوں کو نقصان سے بچایا جاسکے۔

کتب خانوں کا انتظام

ہر کتب خانے کے لیے مہتمم کا تقرر کیا جاتااور اس کتب خانے کے انتظام کے لیے عملہ ہوتا تھا۔ مہتمم کتب خانہ تمام علمی اور انتظامی معاملات کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ اس کی ذمہ داریوں میں فہرستوں کی تیاری کتابوں کی نگرانی وحفاظت کے ساتھ ساتھ نئی کتابوں کی فراہمی بھی شامل ہوتی تھی۔ کتب خانے سے استفادہ کرنے والے طلبا، کاتب اور محققین کو ہر قسم کی سہولت مہیا کرنا بھی ان کی ذمہ داری ہوتی تھی۔ کتب خانے کے مہتمم اس بات کا خیال رکھتے تھے کہ کتابیں طلبا کو مستعار دیتے وقت زیادہ ضرورت مند اور غریب آدمی کو ترجیح دیں کیوں کہ امیر اور متمول کے لیے کتاب خریدنا ممکن ہوتا تھا۔

شاہی کتب خانوں میں ایک مہتمم ہوتا تھا لیکن عوامی کتب خانوں میں مددگار مہتمم بھی ہوتے تھے۔ کتابوں کی جلد سازی اور مرمت کے لیے باقاعدہ عملہ مقرر ہوتااور ان کی نگرانی مہتمم کی ذمہ داری ہوتی تھی۔ جلد بندی مصر میں ایک فن کی صورت اختیار کرلی تھی اور مصر کی جلد سازی نہایت خوشنما اور منقش ہوتی تھیں۔ یہ جلدیں نہایت نفیس چمڑے سے بنائی جاتی تھیں۔ کتب خانوں میں قدیم یادگاروں کو جمع کرنے کا اہتمام کیا گیا تھا۔ جیسے کہ مشہور خوش نویس ابن المقلد اور ابن البواب کے قلم کے تراشے جمع کیے گئے تھے اور ان کو صندوقوں میں بھر کر نہایت اہتمام سے محفوض کیا گیا تھا۔

فاطمی خلفانے صرف مصر ہی میں نہیں بلکہ ان کے مفتوحہ علاقوں میں بھی کتب خانے قائم کیے جن میں صقلیہ اور شام کے کتب خانے کافی مشہور ہیں۔ طرابلس الشام نے علم کی دانش گاہ کے طور پر شہرت پائی۔ ایک کتب خانے کے بارے میں آتا ہے کہ اس میں ترپن ہزار کتب تھیں۔ اس میں ایک سو اسی ملازم تھے، 32 کاتب تھے جو دن رات کتابت میں مصروف رہتے تھے۔ مصر کے ایک کتب خانے کے بارے میں آتا ہے کہ اس میں متعدد کمرے تھے ہر کمرے میں کثیر تعداد میں کتب تھیں جن کی فہرست ابتداء میں ہر کمرے کے دروازے پر کتابوں کی فہرست لٹکی رہتی تھی۔ بعد میں وزیر ابوالقاسم الجرجانی کے حکم سے 435ھ میں اس کتب خانے کی مکمل فہرست تیار کی گئی، اس کام کے لیے القاضی ابوعبداللہ القضاعی اور ابوخلف الوراق کا باقاعدہ تقرر کیا گیا۔

12.5 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- عہد بنو فاطمہ میں مصر تہذیب وتمدن اور گہوارہ علم، ادب وفن تھا۔ فاطمی دور میں کئی اہم علمی شخصیات نے اپنے علم وفن کے نقوش ثبت کیے جن میں ابن الہیثم، علی بن یونس اپنی ایجادات کے ذریعہ تاریخ رقم کی۔
- طب کے میدان میں فاطمی دور میں کئی تصنیفات لکھی گیئں خاص طور پر آنکھوں کے علاج پر اس دور کی تصنیفات بنیادی شمار ہوتی

ہیں۔ جن میں علی الموصلی کی کتاب العین بہت مشہور ہے اس کتاب میں آنکھوں کی متفرق بیماریوں اور ان کے علاج کے بارے میں تفصیلات درج ہیں۔

- جامع الازہر فاطمی دور کی عظیم علمی یادگار ہے۔ جامع الازہر میں آج بھی تمام دنیا سے طلباء علم کی پیاس بجھانے آتے ہیں۔
- فاطمیوں کے کتب خانہ قرطبہ اور بغداد وغیرہ کے کتب خانوں کی نظیر تھے۔ وہ علم وادب کا مرکز ہوتے تھے۔ علمی محفلیں منعقد کی جاتیں اور مختلف علوم کے ماہرین کو لکچر دینے کے لیے بلایا جاتا۔ طلبا اور محققین کو ہر طرح کی سہولیات مہیا ہوتی تھیں۔

12.6 نمونہ امتحانی سوالات

12.6.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. فاطمی دور کے سب سے مشہور فقیہ ----------ہیں۔

(a).وزیر کلس (b). قاضی نعمان (c).المسبحی (d).ناصر خسرو

2. الزیج الحاکم کے مصنف مشہور ہیئت داں----------ہیں۔

(a). علی بن یونس (b).ابن الہیثم (c). خلیفہ الحاکم (d). سبھی

3. دریاے نیل پر بندھ باندھنے کا نظریہ سب سے پہلے کس نے پیش کیا؟

(a).ابن نفیس (b).ابن الہیثم (c). علی بن یونس (d). سبھی

4. فاطمی دور حکومت میں رصد گاہ کہاں تعمیر کی گئی؟

(a). جبل مقطم (b). جبل زیتون (c).المہدیہ (d). قیروان

5. جامع الازہر کی تعمیر کروائی؟

(a).جوہر الصقلی (b).بدر الجمالی (c).یعقوب بن کلس (d).ملک کافور

12.6.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. فاطمی دور میں مذہبی علوم پر اپنی معلومات تحریر کیجیے۔
2. جامع الازہر کی تاریخ پر ایک مضمون تحریر کیجیے۔
3. دار الحکمت کے آغاز وارتقاء پر ایک نوٹ تحریر کیجیے۔
4. فاطمی دور کی اہم علمی شخصیات کا مختصر اتعارف پیش کیجیے۔
5. فاطمی دور میں علم بصریات پر لکھی گئی کتابوں اور علاج پر ایک نوٹ تحریر کیجیے۔

12.6.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. فاطمی دور کی علمی خدمات کا اجمالی جائزہ پیش کیجیے۔
2. ابن الہیثم اور علی بن یونس کی علمی خدمات پر ایک نوٹ تحریر کیجیے۔
3. فاطمیوں کا کتب خانہ قرطبہ اور بغداد وغیرہ کے کتب خانوں کی نظیر تھا، سیر حاصل بحث کیجیے۔

12.7 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. تاریخ اسلام : نجیب اکبر آبادی
2. ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ : ثروت صولت
3. تاریخ دولت فاطمی : رئیس احمد جعفری
4. تاریخ فاطمیین مصر : ڈاکٹر زاہد علی
5. عہد فاطمی میں علم وادب : عاشق حسین اور محمد شاکر
6. The Islamic Dynasties of Arab East: Abdul Ali

اکائی 13: ایوبی حکومت

اکائی کے اجزا:

13.0 تمہید

13.1 مقاصد

13.2 پس منظر

13.3 قیام حکومت

13.4 ایوبی حکمراں

13.4.1 سلطان صلاح الدین ایوبی

13.4.2 جنگ حطین اور فتح بیت المقدس

13.4.3 دیگر حکمراں

13.5 نظم ونسق

13.6 علمی سماجی اور معاشی احوال

13.7 فن تعمیر اور فنون لطیفہ

13.8 اسباب زوال

13.9 اکتسابی نتائج

13.10 نمونہ امتحانی سوالات

13.10.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

13.10.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

13.10.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

13.11 تجویز کردہ اکتسابی مواد

13.0 تمہید

عباسی خلافت کے کمزور ہونے کی بناء پر کئی خاندانی حکومتیں وجود میں آئیں جن میں سے اکثر حکومتیں غیر عرب یا عجمی خاندانوں نے قائم کیں۔ اس طرح اسلامی مملکت کے اختیارات دائرہ اسلام میں داخل ہونے والوں کے پاس منتقل ہو گئے۔ عہد عباسی کی کمزوری اور علاقائی حکومتوں کی باہمی کشمکش نے بیرونی اقوام کو عالم اسلام پر حملہ کرنے کی شہ دی۔

بیت المقدس چوں کہ مسلمانوں کے ساتھ ساتھ عیسائی اور یہودیوں کے لیے بھی مقدس زیارت گاہ کی حیثیت رکھتا ہے اس لیے عالم اسلام کی باہمی رسہ کشی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے رومی عیسایئوں نے اس پر قبضہ کر لیا اور وہاں موجود مسلمانوں پر ظلم ڈھانا شروع کیا۔ اس مقدس قبلہ اول اور مسلمانوں کو عیسائیوں کے ظلم وجور سے بچانے کے لیے عجمی علاقائی حکومتوں میں سے عماد الدین زنگی، نور الدین زنگی اور سلطان صلاح الدین ایوبی جیسے سیاسی رہنما منظر عام پر آئے اور عالم اسلام کے کو متحد کرنے میں نمایاں رول ادا کیا۔ اس اکائی میں سلطان صلاح الدین ایوبی کے ذریعہ بیت المقدس کی بازیابی کے دوران قائم کردہ حکومت ایوبیہ کا اجمالی جائزہ پیش کیا جائگا۔

13.1 مقاصد

اس یونٹ کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ آپ اس بات سے بخوبی واقف ہو سکیں کہ ایوبی حکومت کے قیام کا پس منظر اور اسباب کیا ہیں۔ آپ تفصیلا اس بات کا جائزہ لے سکیں گے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی نے بیت المقدس کی فتح اور مسلمان حکمرانوں کے اتحاد و فلاح و بہبود کے لیے کیا کارہائے نمایاں انجام دیے۔ نیز اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ اس نقطے پر تبصرہ کر سکیں گے کہ ایوبی سلطنت کے قیام کی تاریخ میں کیا اہمیت ہے۔ اسی طرح آپ صلاح الدین ایوبی کی ذاتی سیرت علم و ادب کے میدان میں ان کی سرپرستی پر بھی گفتگو کر سکیں گے۔

13.2 پس منظر

بیت المقدس اللہ کے شعائر میں شامل ہے۔ جس طرح کعبہ مسلمانوں کے لئے متبرک ہے اسی طرح بیت المقدس بھی قبلہ اول تھا۔ رسول ﷺ نے معراج میں نبیوں کی امامت مسجد اقصی میں کی اور آپ ﷺ معراج کے لیے وہیں سے تشریف لے گئے۔ یہ مقدس عبادت گاہ مسلمانوں کے علاوہ یہودیوں اور عیسائ کے لیے بھی مقدس مقام رکھتی ہے۔ فلسطین حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے پیدائش تھی۔ اس لیے عیسائیوں کے لیے مقدس اور متبرک مقام ہونے کی حیثیت رکھتا تھا۔ اور ان کے لیے زیارت گاہ تھا۔

حضرت عمرؓ کے دور میں القدس اسلامی مملکت کا حصہ بن چکا تھا۔ بیت المقدس مسلمانوں کا قبلہ اول تھا اور بڑے بڑے انبیا کے مقبرے یہاں تھے اس لیے بیت المقدس کا شہر اور زمین ان کے لیے عیسائیوں سے کہیں زیادہ متبرک اور مقدس تھی۔ مسلمانوں نے متبرک مقامات کی ہمیشہ حفاظت کی اور دیگر عقیدہ کے لوگوں کے جذبات کا بھی خیال رکھا۔ چنانچہ غیر مسلم زائرین جب اپنے مقدس مقامات

کی زیارت کے لیے یہاں آتے تو مسلم حکومتیں انہیں ہر طرح کی سہولتیں بہم پہنچاتیں۔ ان کے گرجے اور خانقاہیں ہر قسم کی پابندیوں سے آزاد تھے۔ حکومت نے انہیں اعلیٰ مناصب پر بھی فائز کر رکھا تھا لیکن خلافت اسلامیہ کے زوال اور انتشار کے دور میں ان زائرین نے اس سے فائدہ اٹھانے کی کوششیں کیں ان کی تنگ نظری اور تعصب کی بدولت مسلمانوں اور عیسائیوں میں چھوٹی چھوٹی جھڑپیں ہونا شروع ہو گئیں۔ یہ جاہل اور متعصب زائر جب واپس جاتے تو مسلمانوں کی زیادتیوں کے فرضی افسانے گھڑ کر اہل یورپ کے جذبات کو بھڑکاتے۔ یورپ کے عیسائی پہلے ہی مسلمانوں کی سیاسی طاقت کے خلاف تھے اب ان حالات میں ان کے اندر نفرت و حقارت کے جذبات نے مزید تقویت پائی۔ چنانچہ دسویں صدی عیسوی کے دوران یورپ کی عیسائی سلطنتوں اٹلی، فرانس، جرمنی اور انگلستان وغیرہ نے سرزمین فلسطین کی دوبارہ تسخیر کا منصوبہ بنایا تاکہ اسے ایک بار پھر عیسائی مملکت میں تبدیل کیا جاسکے۔ اس دوران سارے یورپ میں ایک افواہ خواص و عوام میں بے حد مقبول ہو گئی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ نزول فرما کر عیسائیوں کے تمام مصائب کا خاتمہ کریں گے لیکن ان کا نزول اسی وقت ہو گا جب یروشلم کا مقدس شہر مسلمانوں کے قبضہ سے آزاد کرالیا جائے۔ اس افواہ نے عیسائیوں کے مذہبی جوش میں بے پناہ اضافہ کر دیا۔

عیسائی مذہبی رہنماؤں نے یہ چیز عام کر دی تھی کہ اگر کوئی چور، بدمعاش اور بدکردار بھی بیت المقدس کی زیارت کر آئے گا تو وہ جنت کا مستحق ہو گا۔ لہٰذا اس عقیدہ کی بنا پر بڑے بڑے بدکردار لوگ بھی زائروں کی صورت میں بیت المقدس آنا شروع ہو گئے۔ شہر میں داخل ہوتے وقت وہ ناچتے اور باجے بجاتے اور شور وغل کرتے ہوئے اپنے برتری کا اظہار کرتے اور کھلے بندوں شراب نوشی کے مرتکب ہوتے۔ چنانچہ زائرین کی ان نازیبا حرکات اور ان کی سیاہ کاریوں، بدنظمی اور امن سوز سرگرمیوں کی وجہ سے ان پر کچھ اخلاقی پابندیاں لگادی گئیں۔ لیکن ان زائرین نے واپس جاکر مسلمانوں کی زیادتیوں کے من گھڑت افسانے لوگوں کو سنانے شروع کر دیے تاکہ ان کے مذہبی جذبات کو ابھارا جاسکے۔

عیسائی اس وقت دو حصوں میں منقسم ہو چکے تھے۔ ایک حصے کا تعلق یورپ کے مغربی کلیسا سے تھا جس کا مرکز روم تھا۔ دوسرا مشرقی یا یونانی کلیسا جس کا مرکز قسطنطنیہ تھا۔ دونوں چرچ کے ماننے والے ایک دوسرے کے مخالف تھے۔ روم کے پوپ کی ایک عرصہ یہ خواہش تھی کہ مشرقی بازنطینی کلیسا کی سربراہی بھی اگر اسے حاصل ہو جائے اور اس طرح وہ ساری عیسائی دنیا کا روحانی پیشوا بن جائے گا۔ اسلام دشمنی کے علاوہ اپنے عزائم کو پورا کرنے کے لیے اس نے اعلان کر دیا کہ ساری دنیا کے عیسائی بیت المقدس کو مسلمانوں سے آزاد کرانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوں۔ جو اس جنگ میں مارا جائے گا وہ جنت کا حقدار ہو گا۔ اس کے سب گناہ دھل جائیں گے۔ اور فتح کے بعد جو مال وزر حاصل ہو گا وہ ان میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ نتیجتاً عیسائی دنیا مسلمانوں کے خلاف دیوانہ وار اٹھ کھڑی ہوئی۔

پوپ اربن ثانی مغربی یورپ کے کلیسا کا سربراہ تھا۔ وہ بڑا جاہ پرست اور جنگ باز مذہبی رہنما تھا۔ یورپ کے حکمرانوں میں اس کا وقار کم ہو چکا تھا۔ اپنی ساکھ بحال کرنے کے لیے اس نے عیسائیوں میں مذہبی جنگی جنون پھیلانا شروع کر دیا۔ جنگ کے نام پر عیسائیوں کی بالادستی اور مسلمانوں کی شکست وریخت کا قائل تھا۔ اس نے چرچ کی گرفت کو مضبوط کرنے کے لیے مناسب سمجھا کہ عیسائی دنیا کو مذہبی جنگوں کی آگ میں جھونک دیا جائے۔ اس طرح اس نے صلیبی جنگوں کی راہ ہموار کی۔

بیت المقدس پر عیسائیوں کا قبضہ

مصر و شام پر جس وقت صلیبی حملہ اور ہوئے وہاں فاطمی حکومت زوال پذیر تھی۔ حمص پر قبضہ کرنے کے بعد صلیبیوں نے بیت المقدس کا محاصرہ کر لیا چونکہ فاطمیوں کی طرف سے شہر کا خاطر خواہ انتظام نہ کیا گیا تھا۔ اس لیے 15 جون 1099ء کو بیت المقدس پر ان مذہبی جنونیوں نے بڑی آسانی سے قبضہ کر لیا۔ بیت المقدس کی حرمت کا کوئی لحاظ نہ رکھا گیا۔ مسلمانوں کا بے دریغ قتل عام کر کے ان کا تمام مال و اسباب لوٹ لیا گیا۔ یورپی مورخین بھی ان شرمناک مظالم کی حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں۔ عیسائیوں کا مسلمانوں کے ساتھ سلوک اس رویہ سے بالکل الٹ تھا جو حضرت عمر نے چند صدیاں پیشتر بیت المقدس کی فتح کے وقت عیسائیوں سے اختیار کیا تھا۔ بیت المقدس کے ارد گرد کے علاقوں پر قبضہ کے بعد گاڈفرے نامی سالار کو بیت المقدس کا بادشاہ بنایا گیا۔ اور مفتوحہ علاقوں کو عیسائی مملکتوں میں بانٹ دیا گیا۔ جس میں طرابلس، انطاکیہ اور شام کے علاقے شامل تھے۔ اس شکست کا سب سے بڑا سبب مسلمان حکمرانوں کی باہمی نااتفاقی، بد نظمی اور انتشار کا عمل تھا۔

سلجوقی حکومت کے زوال کے دوران عماد الدین زنگی کی زبردست شخصیت ابھری جس نے بیت المقدس کے لیے علم بلند کیا۔ عماد الدین نے زنگی حکومت کی بنیاد ڈالی اور مسلمانوں کو پھر حیات نو بخشی، انہوں نے کمزور مسلم علاقے جو عیسائیوں کے حملوں کی زد میں تھے جیسے موصل، حران، حلب وغیرہ کے علاقوں کو فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ عماد الدین نے جس جرات اور حوصلہ مندی سے صلیبیوں کا مقابلہ کیا اور ان کو زبردست شکستیں دیں وہ تاریخ اسلام کا قابل فخر باب ہے۔ عماد الدین نے قلعہ اثارب اور مصر کے سرحدی علاقوں سے عیسائیوں کو نکال کر اپنی حکومت کے تحت کر لیا۔ اسی طرح محاذ شام پر بھی صلیبیوں کو ہزیمت کا منہ دیکھنا پڑا۔ اور عماد الدین زنگی نے شام کے وسیع علاقہ پر قبضہ کر لیا۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ بعلبک پر دوبارہ اسلامی قبضہ ہے۔ اسی دوران نجم الدین ایوب اور ان کے بھائی زنگی حکومت کے فوج میں شامل ہوئے جو آگے چل کر زنگی حکمرانوں کا دست راست بن گئے اور ان کے عزائم کو پایہ تکمیل کو پہنچایا۔

عماد الدین کی وفات کے بعد 1144ء میں ان کا لائق بیٹا نور الدین زنگی جانشین ہوا۔ صلیبیوں کے مقابلہ میں وہ اپنے باپ سے کم مستعد نہ تھے۔ تخت نشین ہونے کے بعد انہوں نے مسلمانوں میں جہاد کی ایک نئی روح پھونک دی اور عیسائیوں سے بیشتر علاقے چھین لیے اور انہیں ہر محاذ پر شکست دیتے ہوا ڈیسا، (روحا) کے شہر پر دوبارہ قابض کر لیا۔ عیسائیوں کی شکستوں کی خبریں یورپ میں پہنچیں تو ایک بار پھر پوپ یوجین سوم نے دوسری صلیبی جنگ کا اعلان کیا اور اس طرح دوسری صلیبی جنگ کا آغاز ہوا۔ 1148ء میں جرمنی کے بادشاہ کونراڈ سوم اور فرانس کے حکمران لوئی ہفتم کی قیادت میں 9 لاکھ افراد پر مشتمل فوج مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے یورپ سے روانہ ہوئی اس میں عورتیں بھی شامل تھیں۔ پہلے صلیبی معرکوں کی طرح ان فوجیوں نے بھی خوب اخلاق سوز حرکتیں دوبارہ کیں۔ لوئی ہفتم کی فوج کا ایک بڑا حصہ سلجوقیوں کے ہاتھوں تباہ ہوا۔ چنانچہ جب وہ انطاکیہ پہنچا تو اس کی تین چوتھائی فوج برباد ہو چکی تھی۔ اب اس باقی ماندہ فوج نے آگے بڑھ کر دمشق کا محاصرہ کر لیا لیکن سیف الدین زنگی اور نور الدین زنگی کی مشترکہ مساعی سے صلیبی اپنے عزائم میں ناکام رہے۔ لوئی ہفتم اور کونراڈ کو دوبارہ یورپ کی سرحدوں میں دھکیل دیا گیا۔ چنانچہ دوسری صلیبی جنگ ناکام ہوئی۔

اسد الدین شیر کوہ اور نجم الدین ایوب کے ہونہار سپوت صلاح الدین ایوبی کی مدد سے نورالدین زنگی نے مصر پر قبضہ کر کے فاطمی سلطنت کا خاتمہ کر دیا اور صلاح الدین ایوبی کو وہاں کا گورنر مقرر کر دیا۔ اور شیر کوہ خلیفہ عاضد کا وزیر بنا اس کے بعد صلاح الدین ایوبی نے اس کی جگہ لی اور ایوبی سلطنت کی بنیاد رکھی۔

13.3 قیام حکومت

ایوبی حکومت کی بناء صلاح الدین یوسف نے ڈالی جن کو تاریخ میں سلطان صلاح الدین ایوبی کہا جاتا ہے۔ آپ کے والد کا نام نجم الدین ایوب تھا۔ اس خاندان کا تعلق کردوں کی شاخ روادی سے تھا جو عراق کے علاقہ کردستان میں قیام پذیر تھے۔

ایوبی حکومت کا دور چھٹی صدی کے اواخر سے شروع ہو کر ساتویں صدی کے وسط میں ختم ہو جاتا ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جو ہلال و صلیب کی کشمکش میں الجھا رہا۔ اس خاندان میں 7 حکمراں رہے پہلا حکمراں صلاح الدین ایوبی ہے اور آخری حکمراں توران شاہ ہے۔ یہ حکومت 1177ء میں قائم ہوئی۔ ان کے چچا شیر کوہ نے زنگی سلطان نور الدین زنگی کے سپہ سالار کی حیثیت سے 1169ء میں مصر فتح کیا تھا۔ اس سلطنت کا نام شیر کوہ کے بھائی اور صلاح الدین کے والد نجم الدین ایوب کے نام پر ایوبی سلطنت پڑا۔

جیسا کہ آپ نے اوپر پڑھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کو نورالدین زنگی نے مصر کا گورنر بنایا تھا اور فاطمی خلیفہ العاضد کے انتقال کے بعد مصر پر خود مختار حکمرانی کا اعلان کیا اور عباسی خلیفہ کا خطبہ جاری کر دیا۔ عباسی خلیفہ نے صلاح الدین کو الملک الناصر کا لقب دیا۔ مصر کا حکمران بننے کے بعد سلطان نے بیت المقدس کی آزادی کو اپنی زندگی کا نصب العین قرار دیا۔ 1174ء میں نور الدین کے انتقال کے بعد دمشق پر قبضہ کر کے شام کو بھی اپنی قلمرو میں شامل کر لیا۔ مصر کے علاوہ صلاح الدین نے 1182ء تک شام، موصل، حلب وغیرہ کے علاقے فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کر لیے۔ صلاح الدین کے حکومت کو مستحکم کرنے کے دوران عیسائی فوجوں کی سرگرمیاں جاری رہیں۔

13.4 ایوبی حکمراں

ایوبی سلطنت میں جملہ سات حکمراں ہوئے۔ لیکن سلطان صلاح الدین کے بعد اس جیسی شخصیت اس کے جانشینوں میں ملک العادل کے سوا کسی کی نہیں ہوئی۔ آپ آگے مختصر اہم واقعات کی نسبت سے ایوبی سلاطین کے اجمالی احوال کا مطالعہ کر سکیں گے۔

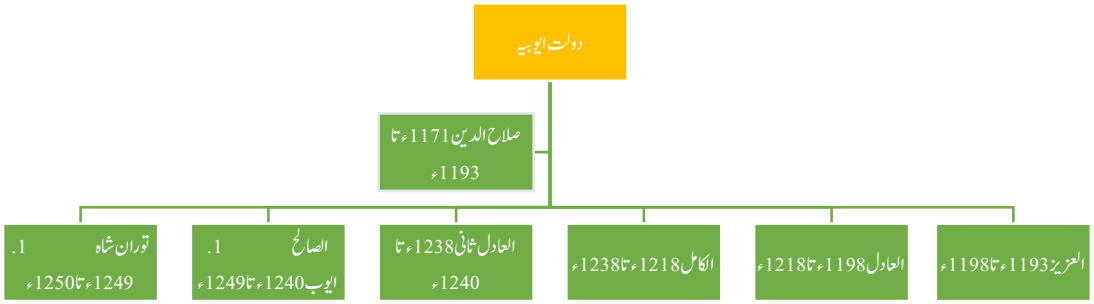

13.4.1 سلطان صلاح الدین ایوبی

سلطان صلاح الدین ایوبی تاریخ اسلام بلکہ تاریخ عالم کے مشہور ترین فاتحین و حکمرانوں میں سے ایک ہیں۔ وہ 1138ء میں موجودہ عراق کے شہر تکریت میں پیدا ہوئے۔ صلیبی جنگوں میں دوست و دشمن دونوں میں جس شخصیت کو سب سے زیادہ شہرت حاصل ہوئی وہ سلطان صلاح الدین ایوبی ہیں۔

جیسا کہ آپ نے اوپر پڑھا کہ صلاح الدین ایوبی نسلاً کرد تھے۔ اور آپ کے والد کے موصل ہجرت کرنے کے بعد ابتدائی عمر سے ہی اپنے چچا کی سرکردگی میں سلطان نور الدین زنگی کے فوج میں اہم عہدوں پر فائز رہے۔ فاطمی خلیفہ العاضد کی مدد کے لیے نور الدین زنگی نے جو فوج مصر بھیجی اس فوج کے سپہ سالار آپ کے چچا اسد الدین شیر کوہ تھے اور سلطان صلاح الدین ایوبی سالار تھے۔ مصر کو سرکشوں سے نجات دلانے کے بعد اسد الدین شیر کوہ کو فاطمی خلیفہ العاضد نے اپنا وزیر اعظم مقرر کیا۔ شیر کوہ کی وفات کے بعد یہ عہدہ صلاح الدین ایوبی کو ملا۔ ان کے یہ عہدہ سنبھالنے کے کچھ ہی عرصہ بعد فاطمی خلیفہ العاضد کا انتقال ہو گیا اور نور الدین زنگی کے حکم پر صلاح الدین کو مصر کا گورنر بنا دیا گیا۔ مصر میں فاطمی حکومت کے خاتمے کے بعد نور الدین کی حیات تک آپ نے ان کی زیر قیادت حکومت سنبھالتے ہوئے بیت المقدس کی بازیابی کے لیے پیش رفت کی۔ لیکن جب بھی وہ بیت المقدس کا رخ کرتے صلیبی اور عیسائی حکمراں دیگر مسلمان حکمرانوں کو ان کے خلاف بھڑکا دیتے اور مسلمان پھر سے آپس میں ہی برسرپیکار ہو جاتے۔ اس لیے صلاح الدین پر یہ واضح ہو گیا کہ بیت المقدس کی فتح اس وقت تک ممکن نہیں جب تک تمام بکھری چھوٹی چھوٹی قوتوں کو ایک پرچم تلے متحد نہ کیا جائے چنانچہ نورالدین زنگی کے انتقال کے بعد چونکہ اس کی کوئی لائق اولاد نہیں تھی اس لئے صلاح الدین 1174ء میں حکمرانی پر فائز ہوئے اور صلاح الدین نے 1182ء تک شام، موصل، حلب وغیرہ فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کر لیے۔

ایوبی سلطنت کے استحکام کے دوران صلیبی سلار ریجنالڈ نے سلطان صلاح الدین سے چار سالہ امن معاہدہ کیا لیکن یہ معاہدہ محض

کاغذی اور رسمی ثابت ہوا کیوں کہ صلیبی اپنی سازشوں اور جنگوں میں ملوث رہے اور وہ مسلمانوں کے قافلوں کو برابر لوٹ رہے تھے۔ یہاں تک کہ انہوں نے مدینی کی مقدس حرم پر بھی حملہ کرنے کا ارادہ کر لیا، جس کے نتیجے میں جنگ حطین کا تاریخ ساز معرکہ پیش آیا۔

13.4.2 جنگ حطین اور فتح بیت المقدس

1186ء میں عیسائیوں کے ایک ایسے ہی حملہ میں ریجنالڈ نے یہ ناپاک جسارت کی کہ وہ دیگر عیسائی جنگجو امرا کے ساتھ شہر نبوی، مدینہ منورہ پر ناپاک حملے کی غرض سے حجاز مقدس پر حملہ آور ہوا۔ صلاح الدین ایوبی نے ان کی سرگرمیوں کی روک تھام کیلیے فوری اقدامات کیے۔ اور صلیبی سپہ سالار ریجنالڈ کا فوری تعاقب کرتے ہوئے اسے حطین کے تاریخی مقام پر جالیا۔

سلطان نے مدینہ کے مقدس شہر پر حملے کی جسارت کرنے والے صلیبی لشکر پر ایک ایسا آتش گیر مادہ پھینکوایا کہ جس سے میدان جنگ کی زمین پر چاروں طرف بھیانک آگ بھڑک اٹھی۔ اس خوفناک آتشیں ماحول اور بھڑکتے ہوئے شعلوں کے درمیان 1187ء کو حطین کے مقام پر تاریخ کی اس خوف ناک ترین جنگ کا آغاز ہوا جس میں مسلمانوں کو فتح ہوئی اور ریجنالڈ گرفتار ہوا اور اسے سلطان نے قتل کر دیا۔ اس فتح کے بعد اسلامی افواج چاروں طرف عیسائی علاقوں پر پوری طرح چھا گئیں۔ جنگ حطین کی شاندار فتح کے فوری بعد صلاح الدین نے بیت المقدس کی طرف رخ کیا اور سات دن کی مسلسل جنگ کے بعد عیسائیوں نے ہتھیار ڈال کر سلطان سے رحم کی اپیل کی۔ اور پورے 91 سال کے بعد قبلہ اول بیت المقدس دوبارہ مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا اور تمام فلسطین سے مسیحی حکومت کا خاتمہ ہو گیا پھر تقریباً 761 سال مسلسل مسلمانوں کا قبضہ رہا۔ بیت المقدس کی فتح سلطان صلاح الدین ایوبی کا ناقابل فراموش اور عظیم الشان کارنامہ تھا۔

پہلی صلیبی جنگ کے بعد بیت المقدس کی فتح کے وقت صلیبیوں کے مسلمانوں کے ساتھ ظالمانہ سلوک کے برعکس سلطان ایوبی نے عیسائیوں پر کسی قسم کی زیادتی اور ظلم نہیں کیا۔ یروشلم اور ملحقہ علاقے کے عیسائیوں کو چالیس دن کا وقت دیات اور انہیں سلامتی کے ساتھ شہر سے نکل جانے کی اجازت دے دی۔ رحمدل اور منصف ایوبی سلطان نے فدیہ کی بڑی معمولی سی رقم مقرر کی اور جو لوگ وہ بھی ادا نہ کر سکے انہیں بغیر آدائیگی فدیہ ہی شہر چھوڑنے کی اجازت دے دی گئی۔ بعض اشخاص کا زر فدیہ سلطان ایوبی نے اپنی طرف سے ادا کر کے انہیں آزادی دی۔

جب بیت المقدس پر قبضے کی خبر یورپ پہنچی تو سارے یورپ میں کہرام مچ گیا، ہر طرف لڑائی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ جرمنی، اٹلی، فرانس اور انگلستان سے فوجوں پر فوجیں فلسطین روانہ ہونے لگیں۔ یورپ کی اس متحدہ فوج کی تعداد 6 لاکھ تھی۔ عیسائیوں کا سلطان صلاح الدین کے ساتھ گیارہ بار مقابلہ ہوا سب سے اہم معرکہ 'ارسوف' کا تھا۔ سلطان نے جواں مردی اور بہادری کی درخشندہ مثالیں پیش کیں لیکن چونکہ کسی بھی مسلمان حکومت بالخصوص خلیفہ بغداد کی طرف سے صلاح الدین کو کوئی مدد نہ پہنچی اور صلیبیوں کو بھی مسلسل جنگ کے باوجود فتح کی کوئی امید باقی نہ رہی تو صلیبیوں نے صلح کی درخواست کی۔ فریقین میں معاہدہ صلح ہوا۔ جس کی رو سے تیسری صلیبی جنگ کا خاتمہ ہوا۔

معاہدہ کی شرائط مندرجہ ذیل تھیں:

1۔ بیت المقدس بدستور مسلمانوں کے پاس رہے گا۔

2۔ ارسوف، حیفا، یافہ اور عکہ کے شہر صلیبیوں کے قبضہ میں چلے گئے

3۔ عسقلان آزاد علاقہ تسلیم کیا گیا۔

4۔ زائرین کو آمدورفت کی اجازت دی گئی۔

5۔ صلیب اعظم بدستور مسلمانوں کے قبضہ میں رہی۔

تیسری صلیبی جنگ نے یہ ثابت کر دیا کہ سلطان صلاح الدین دنیا کا سب سے طاقتور ترین حکمراں ہے۔ اس صلیبی جنگ میں سوائے عکہ شہر کے عیسائیوں کو کچھ بھی حاصل نہ ہوا اور وہ ناکام واپس ہوئے۔ رچرڈ شیر دل، سلطان کی فیاضی اور بہادری سے بہت متاثر ہوا جرمنی کا بادشاہ بھاگتے ہوئے دریا میں ڈوب کر مر گیا اور تقریباً چھ لاکھ عیسائی ان جنگوں میں کام آئے۔

4مارچ 1193ء مطابق 589ھ میں 56 سال کی عمر میں صلاح الدین انتقال کر گیے۔ شام کے موجودہ دارالحکومت دمشق کی مشہور زمانہ اموی مسجد کے نواح میں سپرد خاک کیا گیا۔ مورخ ابن خلکان کے مطابق "ان کی وفات کا دن اتنا تکلیف دہ تھا کہ ایسا تکلیف دہ دن اسلام اور مسلمانوں پر خلفائے راشدین کی موت کے بعد کبھی نہیں آیا"۔

سلطان صلاح الدین نے کل 20 سال حکومت کی۔ ان کی زیر قیادت ایوبی سلطنت نے مصر، شام، یمن، عراق، حجاز اور دیار باکر پر حکومت کی۔ صلاح الدین ایوبی کو بہادری، فیاضی، حسن خلق، سخاوت اور بردباری کے باعث نہ صرف مسلمان بلکہ عیسائی بھی عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اپنا خزانہ انہوں نے خلق خدا کی خدمت میں صرف کیا۔ وفات کے بعد دیکھا گیا کہ اس کے ذاتی خزانے میں اپنی تجہیز و تدفین کے لئے بھی ناکافی رقم تھی۔

موجودہ دور کے ایک انگریز مورخ لین پول نے بھی سلطان کی بڑی تعریف کی ہے اور لکھتا ہے کہ "اس کے ہمعصر بادشاہوں اور اس میں ایک عجیب فرق تھا۔ بادشاہوں نے اپنے جاہ و جلال کے سبب عزت پائی اور انہوں نے عوام سے محبت اور ان کے معاملات میں دلچسپی لے کر ہر دلعزیزی کی دولت کمائی"۔

ایوبی حکومت کے اس عظیم حکمراں کے بعد کا دور بھی ہلال اور صلیب کی کشمکش کا دور رہا سازشوں اور فتنوں کے دور میں یہ خاندان بہت زیادہ عرصہ حکومت کی کمان صحیح طریقہ سے نہیں سنبھال سکا اور صلاح الدین ایوبی کی وفات کے کچھ ہی عرصہ بعد حکومت کا زوال شروع ہوا۔ اور 648ھ میں یہ حکومت ختم ہو گئی۔ اس حکومت کے کئی ٹکڑے ہوئے۔ اس خاندان کی ایک شاخ 742ھ تک قائم رہی جو شاخ اس خاندان کی مصر میں حکمراں تھی اس کو ایوبیہ عادلیہ کہتے ہیں۔ مصر میں ان کے جانشین مملوک ہوئے۔

13.4.3 دیگر حکمراں

جیسا کہ آپ نے اوپر پڑھا کہ ایوبی سلطنت میں جملہ 7 حکمراں ہوئے۔ صلاح الدین ایوبی نے اپنی حکومت اپنے تینوں بیٹوں میں تقسیم کر دی تھی۔ ان کی وفات کے بعد ان کا جو بیٹا جہاں تھا اس نے وہیں حکومت قائم کر لی۔ چنانچہ ملک العزیز نے مصر میں، افضل نے

دمشق میں اور ظاہر غازی نے حلب میں اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا اور ان میں آپسی خانہ جنگی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس خانہ جنگی کو ختم کر کے ایوبی سلطنت کو متحد کرنے کے لیے سلطان صلاح الدین کے بھائی ملک العادل نے مصر و دمشق پر قبضہ کیا اور زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ حلب بدستور ملک ظاہر غازی کے قبضہ میں رہا۔ ایوبی سلاطین کی خانہ جنگی نے ان صلیبیوں کو طاقت بخشی اور ایوبی سلطنت جس کے ذمہ بیت المقدس کی حفاظت تھی وہ اس میں ناکام ہونے لگے۔ ملک العادل کے دور میں صلیبیوں نے دوبارہ جنگ کا اعلان کر دیا اور چوتھی صلیبی جنگ کا آغاز ہوا۔

چوتھی صلیبی جنگ 1195ء میں لڑی گئی اور سلطان ملک العادل نے صلاح الدین کی جانشینی کا حق ادا کرتے ہوئے عیسائیوں کو عبرتناک شکست دی اور یافہ کا شہر مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا۔ ملک العادل کے عہد میں ہی پانچویں اور چھٹی صلیبی جنگ بھی لڑی گئی۔

1203ء کی اس جنگ کے دوران صلیبیوں نے بیت المقدس پر ناکام حملے کے بعد عیسائیت کے گڑھ قسطنطنیہ پر بھی حملہ کیا اور اسے تباہ کر دیا۔ چھٹی صلیبی جنگ 1227ء پوپ انوسینٹ کے تحت اڑھائی لاکھ جرمنوں کی فوج شام کے ساحل پر حملہ آور ہوئی۔ ملک العادل ایوبی نے دریائے نیل کا بند کاٹ کر ان کی راہ روکی۔ عیسائی مایوس ہو کر 1227ء میں واپس لوٹ گئے۔

ملک العادل نے پوری قوت سے عیسائی حملوں کو ناکام بنا دیا اور ان کے عہد تک شام میں صلیبیوں کی قوت نہ بڑھ سکی۔ لیکن 615ھ میں ان کے انتقال کے بعد ان کے پانچ لڑکوں میں ایوبی حکومت کی تقسیم نے دوبارہ خانہ جنگی کا ماحول بنا دیا۔ ملک العادل نے اپنے سب سے بڑے لڑکے الکامل کو مصر کی مرکزی حکومت کا جانشیں بنایا، دمشق، قدس، اردن اور کرک کا علاقہ دوسرے لڑکے معظم عیسی کو دیا، خلاط اور جزیرہ کا کچھ حصہ اشرف موسی کو، رہا کا علاقہ شہاب الدین غازی کو اور ضعبر کا علاقہ ارسان شاہ کو عطا کیا۔ ملک العادل کی وفات کے بعد کچھ ہی عرصے اتحاد و اتفاق کے بعد معظم عیسی کی وفات کے بعد ملک الکامل نے اس کے علاقوں پر قبضہ کر لیا اور اور اس کا راست فائدہ صلیبیوں کو ہوا اور ساتویں صلیبی جنگ کا آغاز ہوا۔

ساتویں صلیبی جنگ 1227ء کے دوران صلیبی بادشاہ فریڈرک نے ملک الکامل سے خط و کتابت کی اور بیت المقدس پر عیسائیوں کے قبضے کے حوالے سے گفت و شنید کی، جنگ سے بچنے اور بھائیوں کے درمیان اختلاف کی بنا پر سلطان ملک الکامل نے بیت المقدس کا شہر اور ساحل کا کچھ علاقہ 1229ء میں شاہ فریڈرک سے امن معاہدہ کر کے صلیبیوں کے حوالے کر دیا۔

یہ تاریخ کا ایک افسوسناک معاہدہ تھا۔ اس معاہدے کے شرائط حسب ذیل تھیں:

- فرنگی بیت المقدس کی شہر پناہ جس کو ایوبی سلاطین نے مسمار کر دیا تھا، دوبارہ تعمیر نہ کریں گے۔
- قبۃ الصخرا اور مسجد اقصی سے کسی قسم کا تعرض نہ کریں گے
- بیت المقدس اور ساحل سے اس کے راستہ کے چند مقامات کے علاوہ باقی پورا علاقہ خلیل، نابلس، طبریہ اور سارے مواضعات مسلمانوں کے قبضہ میں رہیں گے۔

عیسائی مورخین کے مطابق الکامل نے القدس کا قبضہ عیسائیوں کو مکمل طور پر نہیں دیا تھا بلکہ صرف زائرین کو اجازت اور دیگر

سہولیات دی تھیں اور مورخ مقریزی کی خطط کے مطابق دس سال کا عارضی قبضہ دیا تھا۔ بہر حال الکامل کے اس اقدام سے ملت اسلامیہ میں ایک انتشار کی لہر دوڑ گئی اور بیت المقدس کی دوبارہ بازیابی کی تحریک شروع ہو گئی اور پندرہ سال کی انتھک جد جہد کے بعد 1244ء میں ایوبی سلطان ملک الصالح کے عہد میں بیت المقدس کو عیسائیوں سے بازیاب کر لیا گیا۔

ملک الصالح بڑے دبدبہ اور شان و شوکت کا حامل سلطان تھا۔ عباسی خلیفہ معتصم کے طرز پر اس نے اپنی فوج میں ترکی غلاموں کو بھرتی کیا اور ان کی تعلیم و تربیت کی، انہیں اہم عہدوں پر بھی معمور کیا۔ ملک صالح کا اپنی ذاتی دستہ بھی ان ترک غلام پر مشتمل تھا۔ اس کے عہد میں یہ ترک بحریہ کہلاتے تھے اور رفتہ رفتہ ان کا اثر و رسوخ اور غلبہ بہت زیادہ بڑھ گیا تھا۔

ملک الصالح کے بعد اس کا لڑکا توران شاہ صدر السلطنت میں موجود نہیں تھا اور صلیبی حملوں کے خطرے کی بنا پر ملک الصالح کی بیوی اور توران شاہ کی والدہ شجرۃ الدر نے اس کی موت کو مخفی رکھا اور توران شاہ کی بادشاہت کی خفیہ بیعت لی اور اس کے مصر پہنچنے تک خود حکومت کے فرائض انجام دیے۔

توران شاہ نے زمام حکومت ہاتھ میں لینے کے بعد شجرۃ الدر اور ترکی ممالیک کے ساتھ معاملات میں بہت سختی کی اور ان کے مقابلے میں شام کے امرا کو فوقیت دی جس کا یہ نتیجہ نکلا کہ وہ اس کی جان کے دشمن بن گئے اور چند ہی مہینے کی حکومت کے بعد سن 648ھ مطابق 1250ء میں اس کو قتل کر دیا گیا۔ توران شاہ کی کوئی اولاد نہیں تھی اس لیے دوبارہ شجرۃ الدر نے حکومت سنبھالی اور نائب السلطنت ایک ترکی بحری مملوک عز الدین کو مقرر کیا۔ ایوبی امرا نے ایک خاتون کی حکومت تسلیم نہیں کی اور ایک ایوبی خاندان کے فرد رکن الدین والی حلب کو اپنا بادشاہ بنالیا۔ اس نے دمشق پر بھی قبضہ کر لیا تو مصر کی ایوبی افواج میں تذبذب کی کیفیت پیدا ہو گئی اور شجرۃ الدر نے حکومت کے استحکام کے لیے امیر عز الدین سے شادی کر کے کل اختیارات اس کے سپرد کر کے حکومت سے دست برداری اختیار کر لی۔ اس طرح مصر میں مملوک سلطنت کی داغ بیل پڑی اور ایوبی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔

13.5 نظم و نسق

ایوبی حکومت کا نظم و نسق بھی دیگر اسلامی حکومتوں کی طرح ہی تھا۔ البتہ اکثر حکمراں انصاف پسند تھے۔ رعایا پرور عدل، گستری ان کا شیوہ تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کی انصاف پسندی کے ساتھ ساتھ انتظام حکومت کے مسلم اور غیر مسلم دونوں ہی معترف ہیں۔

دشمن کی للکار پر وہ اپنے عیش و آرام کو چھوڑ دیتے تھے۔ صلاح الدین کی انصاف پسندی اور نظم و نسق کی بہتری کے واقعات سے تاریخ بھری پڑی ہے۔ سلطان صلاح الدین کا طرز حکومت عام بادشاہوں سے بالکل مختلف تھا، وہ علماء اور قاضیوں کی حکومت میں شرکت کے قائل تھے، رعایا کا ہر فرد ان کے پاس پہنچ سکتا تھا، گرچہ اس کی اکثر زندگی جنگ میں گزری، پھر بھی اس نے بہت سے تمدنی کام کیے اور رفاہ عام کے کاموں کو انجام دیا۔

بیت المقدس کی بازیافت اور اس کی حفاظت ایوبی حکومت کے حکمرانوں کا اصل مقصد تھا جس کی وجہ سے حکومت میں جنگی ماحول

بنا رہتا تھا۔ شورشوں کے تسلسل کے سبب مصارف کا بوجھ بڑھ گیا تھا، آمدنی کی کمی تھی۔ اور اس کے باوجود بھی سلطان صلاح الدین نے فاطمی دور میں نافذ کیے گئے تمام ٹیکس منسوخ کر دیے اور عہد فاطمی کے سکوں کو بھی تبدیل کیا۔

عہد فاطمی میں حاجیوں پر بھی ٹیکس لگایا گیا تھا، سلطان صلاح الدین نے نہ صرف یہ کہ اسے کالعدم قرار دیا بلکہ حاجیوں کے لیے خوراک اور زاد راہ کا بھی انتظام کیا۔ مسافرین کے لیے کاروان سرائے اور ان کے لیے ہر قسم کی سہولیات کا انتظام کیا۔ اہل علم اور طلبہ کی سرپرتی کے لیے وظائف اور جاگیریں مقرر کیں۔

تجارتی مفاد اور فوجی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے صلاح الدین نے پیزا اور دوسرے اطالوی شہروں سے معاہدہ کیے، صورت حال کچھ ایسی ہوگئی تھی کہ سلطان کو خود فرنگی ہی وہ اسلحہ پہنچانے لگے تھے جو دوسرے فرنگیوں کے خلاف استعمال ہوتا تھا۔

سلطان صلاح الدین کے دور میں عدل و انصاف کے معاملے میں بھی زریں تھا۔ کہتے ہیں کہ راستوں اور سڑکوں کو اس نے ایسا محفوظ کر دیا ہے کہ لوگ رات کو بھی اپنے بلاخوف وخطر انجام دے سکتے ہیں۔

13.6 علمی سماجی اور معاشی احوال

چونکہ ایوبی حکومت کا پایہ تخت قاہرہ مصر تھا جو کہ فاطمی حکمرانوں کا بھی پایہ تخت رہ چکا تھا۔ قاہرہ پر قبضہ کرنے کے بعد جب صلاح الدین نے فاطمی حکمرانوں کے محلوں کا جائزہ لیا تو وہاں بے شمار جواہرات اور سونے چاندی کے برتن جمع تھے۔ صلاح الدین نے یہ ساری چیزیں اپنے قبضہ میں لانے کے بجائے بیت المال میں داخل کر دیں۔ شام میں نور الدین کے زمانہ میں خوب مدرسے اور شفاء خانے قائم ہوئے تھے جہاں مدرسوں میں طلباء کے رہنے اور کھانے کا انتظام بھی سرکار کی طرف سے ہوتا تھا۔ اسی طرح ایوبی دور میں بھی قاہرہ میں جو شفاء خانہ تعمیر ہوا وہ سب سے شاندار تھا۔ ایوبی دور میں شفاخانوں اور مدرسوں کی تعمیر کی کثرت میں زنگی حکومت سے آگے بڑھ گئے تھے۔

مصر چونکہ فاطمی سلطنت کے زیر نگیں شیعی رنگ کا عکاس تھا۔ اس لیے سنی تعلیم و تدریس کے لیے سلطان نے مدارس کا ویسا ہی نظام شروع کیا جیسا کہ سلجوقی دور میں رائج تھا۔ یہ مدارس ابتدا میں خانگی مکانوں میں قائم کیے گئے ۔ اس کے بعد مساجد کے ساتھ ساتھ مدارس کے لیے عمارتوں کی تعمیر کا بھی رواج ہوگیا اور انہوں نے مدارس کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ کیا، یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ انہوں نے بعض ایسے مدارس کی بھی بناڈالی جن میں چاروں مذاہب کی فقہ پڑھائی جاتی تھی، اس دور میں صوفیہ کے طریقوں اور سلسلوں کا بھی استقبال کیا گیا، اور دیگر علوم کی بھی سرپرستی کی گئی اس لیے ایوبیوں کی سلطنت میں مہاجر علماء وادباء کی تعداد بھی خوب نظر آتی ہے۔

ایوبی سلاطین کی مدارس کے بناڈالنے کی روایت کو دیکھ کر اس زمانہ میں امراء اور عورتوں تک نے مدرسہ قائم کرنا شروع کر دیا تھا۔

مصر و شام میں اہل علم کی کثرت تھی۔ جن میں اکثر مغربی دنیا کے خطہ افریقہ اور اندلس میں موحدین کی حکومت کے زوال کے بعد نقل مکانی کر کے مصر و شام میں آباد ہوگئے تھے۔ ان شخصیات میں سب سے معروف نام عالم اور صوفی ابن عربی کا ہے، جن کا نام ابو بکر محمد بن علی محی الدین تھا، یہ شیخ اکبر کے نام سے بھی مشہور ہوئے، ان کا انتقال دمشق میں ہوا، یہ مختلف ممالک کا سفر کرتے ہوئے جب مشرق

میں پہنچے تو پھر اپنے وطن واپس نہ گئے، ان کی کئی مشہور کتابیں ہیں۔

اسی طرح اندلس سے آنے والے ابن بیطار کی شخصیت بھی قابل کر ہے جو اپنے زمانے کہ سب سے بڑے ماہر نباتیات تھے۔ ان کے متعلق آتا ہے کہ انہوں نے کئی سو جڑی بوٹیاں ایجاد کیں جو مختلف بیماروں کے دواووں کو بنانے میں کام آسکتی تھی، ان کا انتقال 1248ء میں دمشق میں ہوا، ان کے شاگردوں کی بھی اچھی تعداد ہے، جن میں ابن اَبی اصیبعۃ قابل ذکر ہیں، جو مختلف جڑی بوٹیاں سے دوا بنانے میں مہارت رکھتے تھے جو علاج میں کام آسکتی ہیں۔

مورخ و سیاح ابن جبیر جو کہ اندلس سے متعلق تھے سلطان صلاح الدین ایوبی کے دور میں مصر و شام کی سیاحت کی اور اپنے سفر نامے اور تاریخ میں اس وقت کی ترقی کے نہایت دلچسپ احوال نقل کیے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ صلاح الدین ایوبی کے دور میں مصر اپنی تمدنی عروج پر پہنچ گیا تھا۔ یہاں کی سڑکیں اور بازار بہت خوبصورت ہیں اور شہر کی عظمتوں میں سے ایک وہاں کے مدرسے اور شفاخانے ہیں۔

تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ سلطان صلاح الدین کے زمانے میں جس کثرت سے مدرسے، شفاء خانے اور مسافر خانے بنائے گئے ان کی مثال نہیں ملتی، اس کے زمانہ میں حکومت کی ساری آمدنی رفاہ عام کے کاموں پر خرچ ہوتی تھی اس معاملہ میں اس کا عہد نظام الملک طوسی اور نورالدین زنگی سے بھی زیادہ زریں ہے۔

13.7 فن تعمیر اور فنون لطیفہ

ایوبی حکمران کے دور میں فن تعمیر اور فنون لطیفہ میں دیگر اسلامی مملکتوں کی طرح نہایت عظیم عمارتیں یا فنی شہ پارے نظر نہیں آتے۔ البتہ جنگی نقطہ نظر سے نئے قلعوں کی تعمیر اور قلعوں کی مدافعتی اور حفاظتی نقطہ نظر سے از سر نو تعمیر کے شواہد ملتے ہیں۔

سلطان صلاح الدین ایوبی کا تعمیر کردہ قلعہ اپنے بہترین فن تعمیر، ڈیزائن کے ساتھ ساتھ مصر میں تاریخی اور ثقافتی ورثہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس قلعے کو قرون وسطیٰ کا مضبوط اور طاقت ور جنگی قلعہ کہا جاتا ہے۔ کئی صدیاں بیت جانے کے بعد اس کی شان و شوکت آج بھی قائم و دائم ہے۔ قاہرہ کے دفاع میں اس قلعے کا اہم کردار تھا۔ یہ قلعہ جبل المقطم سے الگ کی گئی ایک جگہ پر تعمیر کیا گیا یہی وجہ ہے کہ اسے 'قلعہ الجبل' بھی کہا جاتا تھا۔ یہ جگہ قاہرہ سے بلندی پر واقع ہونے کی بدولت پورے شہر کا نظارہ فراہم کرتا تھا جس سے حملہ آوروں کو دیکھنے اور ان کی نقل و حرکت کا پتا چلانے میں مدد ملتی تھی۔ اس قلعے کے 13 برج تھے اس قلعے میں فوجیوں اور اس کے رہائشیوں کو پانی فراہم کرنے کی غرض سے ایک گہرا کنواں کھودنے کا بھی حکم دیا تھا۔ یہ کنواں جوزیف کے نام سے جانا جاتا ہے اور آج بھی موجود ہے۔ کنوئیں کی گہرائی 85 میٹر ہے۔ اسے بئر الدوامہ بھی کہا جاتا ہے اور اس میں اترنے کے لیے 300 زینے بنائے گئے۔ صلاح الدین ایوبی کے حکم پر اس قلعے کے چار مختلف سمتوں میں دروازے بنائے گئے اور اس کی مضبوطی اور حفاظت کے سخت ترین انتظامات کیے گئے تھے۔

صلاح الدین 1176ء میں اس قلعے کی تعمیر کے خواہشمند تھے۔ انہوں نے قلعے کے لیے جگہ کو بہت احتیاط سے منتخب کیا تھا لیکن یہ ان کی زندگی میں مکمل نہیں ہوا تھا بلکہ یہ قلعہ ان کے بھائی سلطان الکامل بن العادل نے 1208ء میں مکمل کیا۔ اس کے بعد یہ قلعہ محمد علی کے

دور تک حکومت کا پایہ تخت رہا۔

قاہرہ کے اطراف میں ایک دفاعی فصیل تعمیر کر کے اسے بیرونی جنگجوؤں اور حملہ آوروں کے لیے ناقابل تسخیر بنا دیا تھا اس کے علاوہ سلطان صلاح الدین ایوبی نے 1187ء میں فتح بیت المقدس کے بعد مسجد اقصیٰ کو عیسائیوں کے تمام نشانات سے پاک کیا اور اقصیٰ میں موجود مسجد کو دوبارہ تعمیر کیا اور نور الدین زنگی کا بنایا ہوا ممبر بھی اپنے ہاتھوں سے اس میں تنصیب کیا۔

ایوبی دور میں مدارس کے لیے خاص طور پر عمارتیں بنانے کا رواج پڑا اور تدریسی مقصد کے لیے تعمیر کی ہوئی عمارتیں ایک ہی نقشے پر تعمیر ہوتی تھیں۔ یہ عمارت مستطیل قطعہ زمین پر مشتمل ہوتی تھی۔ تدریسی کمروں کے تینوں ضلعوں پر دیواریں ہوتی تھی اور چوتھا ضلعی کھلا اور صحن کی طرف ہوتا تھا۔ ان کمروں پر لداو قوسی چھت ڈالی جاتی تھی۔ ان کے نقشے اس طرح ڈالے گئے ہیں کہ وہ مقام نماز اور درس دونوں کی ضروریات کی تکمیل کرتے تھے جس کے لیے اس بات کا خیال رکھا جاتا کہ یہ کمرے کعبہ کے رخ پر بنائے جائیں اور اس میں محراب بھی بنا دی جاتی تھی۔ ایسے اولین تدریسی کمروں کی باقیات شام میں موجود ہیں۔ مصر میں ملک الکامل کے دور کے مدارس میں سے ایک مدرسہ کا کمرہ اور اس کے دالان کے کچھ آثار آج بھی باقی ہیں۔

ایوبی دور کی تعمیرات میں عباسی فن تعمیر خاص طور پر مدرسہ مستنصریہ کے طرز تعمیر سے ماخوز ہیں۔ ایوبی سلطان ملک الصالح نے ایک مدرسہ سن 1242ء میں تعمیر کروایا تھا۔ اس میں بھی چاروں مکتب فکر کی تعلیم کا انتظام تھا ۔ مدرسہ صالحیہ سے متصل صالح نجم الدین ایوب کا مقبرہ ہے۔ اس پر اینٹ کا گنبد ہے۔ مدرسہ صالحیہ کے مینار بھی اینٹ سے بنے ہیں اور فاطمی عمارتوں کی طرز پر باب الداخلہ پر تعمیر کیے گئے ہیں۔ اسکی پہلی منزل مربع اور بالائی منزل مثمن ہے۔ بالائی منزل پر جہاز کے پیندے کی طرح کا قبہ بنایا گیا ہے اس مینار کے کمان دار دریچوں کے سروں کے اطراف شعاعی وضع کا قلمی کام ہے۔ اس مدرسہ کا جنوبی حصہ آج بھی باقی ہے۔

ابن جبیر نے ایوبی دور کے مدرسوں اور شفاخانوں کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔ جب وہ اسکندریہ سے قاہرہ آئے تو اس وقت کا نیا تعمیر کیا گیا شفاخانہ دیکھا اور اس کے بارے میں ہم آپ کو ان کے الفاظ میں ہی بتاتے ہیں کہ وہ اس سے کتنا متاثر ہوئے۔ لکھتے ہیں کہ: قاہرہ کا بیمارستان قابل ذکر ہے۔ یہ اپنی وسعت اور خوبصورتی میں محل کی طرح ہے۔ اس کے کمروں میں بیماروں کے لیے بستر بچھے رہتے ہیں۔ ملازمین صبح و شام ان کی دیکھ بھال کرتے ہیں اور ان کی دوا لا کر دیتے ہیں۔ اس کے بالمقابل عورتوں کے لیے شفاخانہ ہے اور وہاں کا انتظام بھی بالکل ایسا ہی ہے۔ ان دونوں شفاخانوں کے ساتھ ایک اور تیسرا شفاخانہ بھی ہے جو پاگلوں کے لیے مخصوص ہے۔ اس کمروں کی کھڑکیوں میں لوہے کی سلاخیں لگی ہوئی ہیں۔ فسطاط میں بھی اس نمونے کا ایک شفاخانہ ہے'۔

ابن جبیر یہ بھی لکھتے ہیں کہ قاہرہ کی کوئی مسجد اور کوئی مدرسہ ایسا نہیں ہے جو سلطان کی فیاضی سے محروم ہو۔ یہاں سلطان نے ایک مدرسہ تعمیر کرایا ہے جہاں صرف یتیم اور غریب بچوں کو تعلیم دی جاتی ہے'۔ ابن جبیر نے اسکندریہ کے متعلق جو لکھا ہے اسے پڑھ کر اندازہ ہو گا کہ ایوبی دور میں مصر و شام میں مسلمان کس درجہ ترقی کر گئے تھے اور تمدنی آثار وہاں کس قدر نمایاں تھے۔

"ہم نے اب تک کوئی شہر ایسا نہیں دیکھا جس کی سڑکیں اسکندریہ سے زیادہ چوڑی ہوں اور جس کی عمارتیں اسکندریہ کی عمارتوں سے زیادہ بلند ہوں یا جو اس کی طرح قدیم و خوبصورت ہوں یہاں کے بازار شاندار ہیں، اور شہر کی عظمتوں میں وہاں کے مدرسے اور شفاخانے اضافہ کرتے ہیں"

13.8 اسباب زوال

سلطان صلاح الدین ایوبی ایک بہادر اور کامیاب سپہ سالار اور دانشمند حکمراں تھے۔ لیکن اس وقت کے عمومی رواج کے خلاف وہ بھی نہ جاسکے اور ان سے بھی سنگین سیاسی غلطی ہوئی۔ خلفائے راشدین کے دور میں جو خلافت کے منتقل کرنے کا جو طریقہ رہا اسے امت مسلمہ میں فراموش کیا جاچکا تھا نیز اسلامی خلافت کی تولیت کا حقیقی مقصد کسی بھی ارباب سیاست کے ذہن میں نہ آتا تھا۔

سلطان صلاح الدین نے بھی اپنی حیات میں ہی سلطنت ایوبیہ کو اپنی اولاد کا حق سمجھا اور عباسی خلیفہ ہارون رشید اور سلجوقی سلاطین کے نقش قدم پر چلتے ہوئے حکومت کو اپنی وراثت میں تین بیٹوں میں تقسیم کر دیا۔ جس کے نتیجے میں مصر و شام و یمن کی نئی حکومت جو اس کی عمر بھی کی قربانیوں کے بعد متحد ہوئی تھی اس میں دراڑ پڑ گئی۔ ہر چند کے اس کے بعد ملک العادل نے اس کو دوبارہ متحد کیا لیکن اس نے بھی وہی سیاسی غلطی دہرائی اور یہ اتحاد ساٹھ سال سے زیادہ یہ اتحاد باقی نہیں رہ سکا اور ایوبی حکومت 648ھ میں ٹکڑوں میں بٹ کر اور دسری حکومتوں میں ضم ہو کر ختم ہو گئی اور ان کی جگہ ترک غلاموں کی حکومت کی داغ بیل پڑ گئی جس نے مملوک حکومت کے نام سے شہرت پائی۔

13.9 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- ایوبی سلطنت سلطان صلاح الدین ایوبی نے قائم کی اس میں سات حکمراں ہوے۔ صلاح الدین ایوبی کی شخصیت صلیبی جنگوں کے پس منظر میں مسلم سیاسی رہنما کے طور پر منظر عام پر آئی اور آپ کو شہرت فاتح بیت المقدس کے طور پر زیادہ ملی۔
- مصر میں فاطمی حکومت کے خاتمے کے بعد صلاح الدین نے 1182ء تک شام، موصل، حلب وغیرہ فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کر لیے۔ اس دوران صلیبی سردار رینالڈ کے ساتھ 4 سالہ معاہدہ صلح طے پایا جس کی رو سے دونوں کے دوسرے کی مدد کرنے کے پابند تھے۔ لیکن یہ معاہدی رسمی ثابت ہوا۔
- جنگ حطین 4 جولائی 1187ء کو عیسائی سلطنت یروشلم اور سلطان صلاح الدین ایوبی کی افواج کی درمیان لڑی گئی۔ حطین کی فتح کے بعد صلاح الدین نے بیت المقدس کی طرف رخ کیا ایک ہفتہ تک خونریز جنگ کے بعد عیسائیوں نے ہتھیار ڈال دیے اور بیت المقدس پورے 91 سال بعد دوبارہ مسلمانوں کے قبضہ میں آیا اور تمام فلسطین سے مسیحی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ پھر تقریباً 761 سال مسلسل مسلمانوں کا قبضہ رہا۔ بیت المقدس کی فتح صلاح الدین ایوبی کا عظیم الشان کارنامہ تھا۔
- صلاح الدین ایوبی کے بعد مالک العادل نے دوبارہ ایوبی سلطنت کو متحد کیا اور صلیبی شورشوں کا کامیاب مقابلہ کیا لیکن اس کے

جانشین الکامل نے بیت المقدس عیسائیوں کے حوالہ کر دیا جسکو پھر ملک الصالح ایوبی نے دوبارہ بازایاب کیا۔ توران شاہ ایوبی سلطنت کا آخری حکمراں تھا۔

- ایوبی دور میں رفاہ عام کے بہت سے کام انجام دیے گئے اور قلعے، مدارس اور شفاخانے بنوانے میں انہوں شہرت پائی۔ ایوبی سلطنت سیاسی انتشار کے باوجود عدل و انصاف کے قیام میں کامیاب رہی۔

13.10 نمونہ امتحانی سوالات

13.10.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. ایوبی سلطنت کے بانی----------ہیں۔

(a). صلاح الدین ایوبی (b). ملک العادل (c). نور الدین زنگی (d). ملک الصالح

2. نور الدین زنگی----------

(a). نجم الدین ایوب (b). اسد الدین شیر کوہ (c). صلاح الدین ایوبی (d). سب صحیح

3. تیسری صلیبی جنگ سن----------میں ہوئی۔

1127(a). 1287.(b) 686.(c) 1366.(d)

4. اسد الدین شیر کوہ----------کے گورنر تھے؟

(a). عماد الدین زنگی (b). نور الدین زنگی (c). صلاح الدین زنگی (d). نجم الدین ایوب

5. بیت المقدس----------جنگ میں صلاح الدین نے قبضہ کیا؟

(a). پہلی صلیبی جنگ (b). جنگ حطین (c). دوسری صلیبی جنگ (d). تیسری صلیبی جنگ

6. ----------کے عہد میں بیت المقدس دوبارہ عیسائیوں کے قبضہ میں چلا گیا؟

(a). صلاح الدین (b). الملک الصالح (c). الملک العادل (d). کوئی نہیں

7. صلاح الدین کا انتقال سن----------میں ہوا؟

1240.(a) 1215.(b) 1171.(c) 1197.(d)

8. بیت المقدس کی فتح سن----------میں ہوئی؟

1187.(a) 1240.(b) 1187.(c) 1654.(d)

9. تیسری صلیبی جنگ میں عیسائیوں کا سپہ سالار----------تھا؟

(a).ریجنالڈ (b).رچرڈ شیر دل (c).ولیم (d).پوپ بینوسنٹ

10.----------جنگ کے دوران صلیبیوں نے بیت المقدس کے بعد قسطنطنیہ پر حملہ کیا اور اسے تباہ کر دیا؟

(a).پانچویں صلیبی جنگ (b).چھٹی صلیبی جنگ (c).ساتویں صلیبی جنگ (d).سبھی

13.10.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. ایوبی سلطنت کے قیام پر روشنی ڈالیے۔
2. بیت المقدس کی مذہبی حیثیت پر روشنی ڈالیے۔
3. الملک العادل کے دور پر مختصر تبصرہ کیجیے۔
4. ایوبی دور میں فن تعمیر کا جائزہ پیش کیجیے۔
5. ایوبی کے سیاسی علمی اور معاشی احوال پر روشنی ڈالیے۔

13.10.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. صلاح الدین ایوبی کی حیات اور کارناموں پر ایک نوٹ لکھیے۔
2. معرکہ حطین کے اسباب و نتائج پر تفصیلی گفتگو کیجیے۔
3. ایوبی سلطنت کے قیام اور عروج اور کارناموں پر روشنی ڈالیے۔

13.11 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ : ثروت صولت
2. تاریخ اسلام : شاہ نجیب اکبر آبادی
3. صلیبی جنگیں : سید صباح الدین
4. :صلاح الدین والصلیبیون-تاریخ الدولۃ الأیوبیۃ : دکتور احمد شامی
5. اسلامی فن تعمیر : ارنسٹ ٹاڈہیام رچمنڈ
6. The Islamic Dynasties of Arab East: Abdul Ali

اکائی 14: صلیبی جنگیں: اثرات و نتائج

اکائی کے اجزا:

14.0 تمہید

14.1 مقاصد

14.2 صلیبی جنگ کے اسباب

14.2.1 صلیبی جنگوں کی کیفیت

14.3 مسلمانوں کا ردِ عمل

14.3.1 عماد الدین زنگی اور نور الدین زنگی کا رول

14.3.2 صلاح الدین ایوبی کا رول

14.4 صلیبی جنگوں کے اثرات

14.5 اکتسابی نتائج

14.6 نمونہ امتحانی سوالات

14.6.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

14.6.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

14.6.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

14.7 تجویز کردہ اکتسابی مواد

14.0 تمہید

اسلامی حکومت کے قیام اور فتوحات کے ابتدائی دور سے ہی عیسائی دنیا اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کمر بستہ ہو گئی۔ خاص طور سے مسلمانوں نے جب یورپ کے مختلف مقامات پر اپنی حکومت قائم کر لی تو عیسائیوں کی نظروں میں یہ سلطنتیں خار کی طرح کھٹکتی رہیں۔ وہ اپنی ازلی عداوت کی وجہ سے مسلمانوں کا اقتدار اور اثر ہر جگہ سے ختم کرنے کی کوشش میں لگ گئے۔ اسی جذبہ کے تحت یورپ کے عیسائیوں نے

بیت المقدس (یروشلم) کو مسلمانوں کے ہاتھ سے چھین لینے کی مہم چھیڑی۔

بیت المقدس یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں تینوں کے نزدیک مقدس ہے۔ تینوں اس کا احترام کرتے ہیں۔ یہودیوں کو وہاں سے رومیوں نے نکال باہر کیا تھا۔ جب رومیوں نے مسیحیت قبول کرلی تو تعصب کے جوش میں رہے سہے یہودیوں کو بھی وہاں سے نکال دیا۔ خلیفہ عمر بن الخطابؓ کے زمانے میں بیت المقدس مسلمانوں کے قبضے میں آیا تھا۔ مسلمانوں نے کبھی بھی کسی عیسائی یا یہودی پر اس مقدس شہر کے دروازے بند نہیں کیے تھے اور نہ ہی کسی غیر مسلم کے ساتھ کوئی ظلم زیادتی کی۔ اس کے باوجود عیسائی پادریوں نے یورپ بھر میں گھوم گھوم کر مسلمانوں کے ظلم وستم کی گڑھی ہوئی داستانیں سنانے لگے اور لوگوں کو جوش دلا کر بیت المقدس کی فتح کے لیے آمادہ کرلیا۔ اس طرح یورپ کے عیسائیوں اور مسلمانوں کے بیچ جنگوں کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوگیا جنہیں صلیبی جنگ کہتے ہیں کیونکہ حملہ آور فرنگیوں کا نشان جنگ صلیب کا ایک تمغہ تھا جسے وہ اپنے سینوں سے لگا کر چلتے تھے۔

14.1 مقاصد

اس اکائی کو پڑھنے کے بعد آپ کو معلوم ہوگا کہ مسلمانوں کی تاریخ میں صلیبی جنگوں کی کیا اہمیت ہے، اور اس کے تاریخی پس منظر کیا ہے، یہ بھی واضح ہوجائے گا کہ صلیبی جنگوں کو تاریخ کا ایک المناک واقعہ کیوں قرار دیا گیا ہے۔ آپ اس اکائی کو پڑھنے کے بعد اس بات پر گفتگو کرسکیں گے کہ یہ یورپ اور ایشیا، مغرب اور مشرق، عیسائیوں اور مسلمانوں، صلیب اور ہلال کی جنگیں ہے جس میں یورپ کے عیسائی صلیبی جنگ بازوں کو مکمل طور پر شکست ہوئی اور انہی جنگوں کے یورپ کی نشاۃ ثانیہ میں اہم کردار ادا کیا اور اسلامی حکومت پر اس کے دوررس لیکن منفی اثرات مرتب ہوئے۔

14.2 صلیبی جنگ کے اسباب

مختلف سیاسی، اقتصادی، سماجی اور مذہبی عوامل کے زیر اثر پوری عیسائی دنیا آپسی اختلافات کو بھلا کر مسلمانوں کے خلاف متحد ہوگئی اور اس جنگ کا آغاز ہوا۔ اس کا خاص مقصد مسلمانوں کا ایشیاء اور یورپ میں بڑھتے ہوئے اقتدار اور اثر کو ختم کرنا تھا۔ اس لیے اس جنگ کی فوری وجہ یہ تھی کہ گیارہویں صدی عیسوی میں مشرقی یورپ میں سلجوقیوں نے بڑھ کر یونانی علاقے اور ایشیائے کوچک پر اپنی حکومت قائم کرلی تو یورپ والے اس کو برداشت نہیں کرسکے کیونکہ یورپ کے مغربی اور مشرقی محاذوں پر مسلمانوں کا خطرہ بڑھ گیا۔ صحیح معنوں میں صلیبی جنگ کی ضرورت اس لیے پڑی کہ عیسائیت کی فلاح کے لیے ترکوں کو یورپ کی طرف بڑھنے سے روکا جائے کیونکہ گیارہویں صدی میں وہ بہت تیزی کے ساتھ یورپ کی طرف بڑھ رہے تھے۔

سلجوقی ترکوں نے بازنطینیوں (Byzantines) کو ایسی فیصلہ کن شکست دی کہ بازنطینی سلطنت متزلزل ہوگئی اور بازنطینی شہنشاہ ایشیاء کوچک میں اپنے مقبوضات کو سلجوقیوں سے آزاد کرانے کے لیے پوپ اربن ثانی سے فریاد کرنے پر مجبور ہوگیا۔ اس فریاد نے یورپ کے عیسائی دنیا کو متحد کرنے میں ایک اہم کڑی کا کام کیا۔ صلیبی جنگ کا دوسرا سبب یورپی جاگیرداروں کے وراثت سے محروم چھوٹے بیٹے تھے

جن کے لیے اپنے وطن میں کوئی دلچسپی نہیں تھی کیونکہ وہاں کے دستور کے مطابق باپ کا بڑا بیٹا ہی وراثت کا مالک ہوتا تھا اور اس کے چھوٹے بیٹے کے لیے اس میں کوئی حصہ نہیں ہوتا تھا۔ اس لیے اپنے وطن میں ان کا کوئی مستقبل نہیں تھا اور وہ وہاں کے سماج کے لیے بھی بوجھل اور خطرہ بنے ہوئے تھے، چنانچہ انہیں اسلامی مشرق میں نو آبادیاں قائم کرنے کے لیے قسمت آزمائی کا موقع فراہم کرنا تھا۔

تیسرا خاص سبب یہ تھا کہ یورپ میں جاگیر داری نظام کی روز افزوں ترقی اور بادشاہوں کی بڑھتی ہوئی قوت نے مغربی یورپ کے لیے دو خوفناک خطرے پیدا کر دیے تھے۔ ایک طرف تو اس جنگجو معاشرے کی باہمی عداوت و منافرت سے شدید تصادم کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ دوسرے پوپ کا روحانی اقتدار خطرے میں تھا، لہٰذا مغربی عیسائیت کی وحدت کو برقرار رکھنے اور پاپائیت کو بحال کرنے کے لیے ضروری تھا کہ باہمی عداوت رکھنے والی قوتوں کا رُخ بدلا جائے۔ پوپ اربن دوم نے لوگوں کے مذہبی جذبات اس لیے ابھارے کہ اس کا مذہبی اقتدار قائم ہو، کیونکہ اس کا اختلاف نہ صرف یونان کے امپائر بلکہ اس زمانے کے انگلستان، جرمنی اور فرانس کے حکمرانوں سے بہت بڑھ گیا تھا۔ اس لیے اس نے اپنے کھوئے ہوئے اثرات کو بحال کرنے کے لیے صلیبی جنگ کے نام پر ایک مذہبی جنون پیدا کر دیا اور مسلمانوں کے خلاف ہر طرح کی نفرت پھیلائی۔ بہانہ یہ تراشا گیا کہ سلجوقی حکومت بیت المقدس میں مسیحی زائرین کے ساتھ بُرا سلوک کرتی ہے جو گناہ بخشوانے اور تزکیہ نفس کے لیے وہاں جاتے تھے۔ اس طرح مسلمانوں کے خلاف مظالم اور بد عنوانیوں کی طرح طرح کی داستانیں مشتہر کرنے لگے۔ یہ غلط افواہ نہایت سرعت سے تمام یورپ میں پھیل گئی اور اس نے عام عیسائیوں کے دلوں کو نفرت سے بھر دیا۔

اٹلی کے تجارتی بندرگاہوں کے تجارتی عزائم نے چوتھے سبب کا کام دیا۔ یورپ کے تاجروں نے بھی اس جنگ کو ہوا دی کیونکہ وہ، خصوصاً اٹلی کے تاجر مشرق میں اپنی تجارتی منڈی قائم کرنے کی خاطر ایسے مشرقی سواحل چاہتے تھے، جہاں ان کے تجارتی بیڑے پہنچ کر مشرق کے بازاروں پر چھا جائیں۔ اس غرض سے ان تاجروں نے اپنے اپنے جہاز دے کر صلیبیوں کی فوجی نقل و حرکت میں بڑی مدد پہنچائی اور ساتھ ہی ساتھ تجارتی مال بھی لانے اور لے جانے لگے اور اس طرح مقدس مذہبی لڑائی کا رشتہ تجارتی نفع اندوزی سے جڑ گیا۔

اس کے علاوہ مسلمانوں کا سیاسی انتشار ان صلیبی جنگوں کا سب سے بڑا سبب بنا۔ 1092ء میں سلطان ملک شاہ کے انتقال کے بعد مضبوط سلجوقی سلطنت بکھرنے لگی اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ ملک شاہ کے بعد اس کا لڑکا رکن الدین کے لقب سے اس کا جانشین ہوا مگر اس کا بھائی محمد بھی تخت کا دعویدار ہو گیا جس کے بعد خونریز خانہ جنگی ہوئی۔ اسماعیلیوں یعنی حسن بن صباح کے فدائیوں کی سرگرمیوں کی وجہ سے بھی بڑا خلل رہا اور انہوں نے شمالی ایران، عراق اور شام پر قبضہ کر لیا جس سے سلجوقیوں کی حکومت اور بھی کمزور ہو گئی۔ خلافت بغداد بھی بہت کمزور ہو چکی تھی۔ ادھر مصر کے فاطمی حکمراں بھی عام مسلمانوں کے دشمن بن گئے تھے اور صلیبیوں کی مدد کے لیے تیار بیٹھے ہوئے تھے۔ ان تمام حالات کا جائزہ لیتے ہوئے پوپ اربن ثانی نے نومبر 1095ء میں فرانس کے کلیر ماؤنٹ کے تاریخی اجتماع میں صلیبی جنگوں کو خدا کی مشیت قرار دیا اور یورپ کو اسلامی مشرق پر ٹوٹ پڑنے کی تلقین کرتے ہوئے بتایا کہ مقدس جنگ سے بیت المقدس کی تسخیر کے علاوہ ایشیائی ممالک کی دولت و ثروت پر بھی مکمل قبضہ مقصود ہے۔ اس زمانہ میں یہ دیوانہ پن تھا کہ پوپ جو کچھ بھی کہتا تھا سب اس کی تائید کرتے تھے۔ لوگوں کو یہ بھی لالچ دی گئی کہ ان کو اس جنگ سے دنیا کا آرام و عیش اور آخرت کی مغفرت بھی حاصل ہو گی۔ یورپ کے

بادشاہوں اور عوام کو یہ بھی بتایا گیا کہ اسلامی خلافت اب کمزور اور ناتواں ہو چکی ہے اس لیے وہ عیسائی لشکروں کا مقابلہ نہ کر سکے گی۔ اس لیے جب کلیر ماؤنٹ کے تاریخی اجتماع میں صلیبی جنگ کا اعلان کیا گیا تو سب نے لبیک کہا اور زائرین کے مسلّح قافلوں کی روانگی کی تیاریاں ہونے لگیں۔

14.2.1 صلیبی جنگوں کی کیفیت

صلیبی جنگوں کی تعداد میں اختلاف ہے۔ بعض مورخین کے مطابق سات مرتبہ صلیبیوں نے حملے کیے اور بعض کے مطابق نو مرتبہ۔ دراصل 9 میں سے 2 صلیبی جنگیں ایسی ہیں جن میں صلیبیوں کا مقابلہ مسلمانوں سے نہیں ہوا بلکہ وہ مقابلے سے پہلے آپس ہی میں الجھ گئے تھے۔ اس طرح ان کی تعداد 7 ہو جاتی ہے۔ ان جنگوں کی ابتداء 1096ء میں ہوئی اور یہ سلسلہ 1292ء تک قائم رہا۔ تقریباً دو سو برس کی اثنا میں صلیبی حملہ آوروں کا سیلاب یورپ سے شام اور فلسطین پہنچتا رہا۔ شروع کے پانچ صلیبی دستے بد نظمی اور آپسی لوٹ مار کی وجہ سے ناکام رہے۔ ان دستوں کی ناکامی کی بنا پر مغربی مورخین نے ان کو صلیبی جنگوں میں شامل نہیں کیا ہے۔

1097ء میں 1,50,000 سے زیادہ صلیبی جنگ باز گاڈفرے (Godfrey) کی قیادت میں یورپ کے مختلف علاقوں سے آکر قسطنطنیہ میں اکٹھے ہوئے تاکہ وہاں سے ایشیائے کوچک (Asia Minor) ہوتے ہوئے شام اور فلسطین میں جا سکیں۔ اس طرح پہلی صلیبی جنگ کا آغاز ہوا۔ اس وقت ایشیائے کوچک پر سلجوقی سلطان قلیج ارسلان کی حکومت تھی۔ ایشیائے کوچک پہنچنے پر صلیبیوں نے نقیہ (Nicaea) شہر کا محاصرہ کر لیا اور ایک مہینے کی جنگ کے بعد اس پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد دوریلیم (Dorylaeum) کے مقام پر ایک فیصلہ کن جنگ میں سلجوقی لشکر کو پسپا کر دیا اور کامیابی کے ساتھ آگے بڑھتے گئے۔ اس کے نتیجے میں ایشیائے کوچک کا مغربی آدھا حصہ بازنطینی شہنشاہ الیکسیس (Alexius) کے دائرہ اقتدار میں آگیا۔ ٹارس کی پہاڑیاں (Taurus Mountains) عبور کرنے کے بعد صلیبی لشکر کا ایک دستہ بالڈون (Baldwin) کی قیادت میں آرمینیہ کے مشرقی علاقے میں داخل ہو گیا جہاں صلیبیوں نے 1098ء میں اڈیسہ (Edessa) (الرہا) پر قبضہ کر لیا جو مسلم ایشیاء میں پہلی عیسائی ریاست بنی۔

صلیبی لشکر کا دوسرا خاص دستہ انطاکیہ (Antioch) شہر پہنچا جہاں ایک سلجوقی امیر کی حکومت تھی۔ صلیبیوں نے اس شہر کا محاصرہ کر لیا اور تقریباً نو مہینے کے بعد اس پر قابض ہو گئے۔ انطاکیہ پر جب ان کا تسلط ہوا تو مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ دو ہزار ترکوں کے سر کاٹ کر فوجی کیمپ کے گرد نمائش کے لیے لٹکا دئے گئے۔ سلجوقی خاندان کے نوجوان ان کے والدین کے سامنے مارے جاتے۔ انسانیت سوز حرکتیں جتنی ہو سکتی تھیں سب عمل میں آگئیں۔ عورتوں کی عصمت ریزی اور شراب نوشی کے ذلت آمیز فواحش سب دیکھنے میں آئے۔ ایڈورڈ گبن (Edward Gibbon) کے مطابق ان لاطینی وحشیوں کی وجہ سے عورتوں اور بچوں کو کہیں پناہ نہیں ملی، مسجدیں بے رحمانہ طریقے پر مسمار کی گئیں، ہر گھر مذبح خانہ بنا ہوا تھا، گلی کوچے میں خون کی ندیاں بہہ رہی تھیں اور دس ہزار آدمی موت کے گھاٹ اُتار دئے گئے۔ اس طرح انطاکیہ شمالی شام میں دوسری عیسائی ریاست کا دارالسلطنت بنا جس کو بوہیمنڈ (Bohemond) کے نگرانی میں رکھا گیا۔

انطاکیہ سے یہ فوج شمالی شام کی طرف بڑھ کر معرۃ النعمان پہنچی جہاں تین دن تک قتل عام کرتی رہی۔ شام کے زرخیز ترین شہروں میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ وہاں تقریباً ایک لاکھ مسلمان قتل اور اسی قدر زندہ گرفتار کیے گئے۔ اس کے بعد آگے بڑھ کر صلیبیوں نے فلسطین کے رملہ شہر پر قبضہ کر لیا جس کو مسلمان چھوڑ کر پہلے ہی فرار ہو چکے تھے۔ اور سات جون 1099ء میں 40,000 صلیبی جنگ باز بیت المقدس پہنچ گئے اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ 15 / جولائی کو انہوں نے شہر پر دھاوا بول دیا اور 70,000 سے زیادہ مسلمانوں کا قتل کیا۔ 1109ء میں شام کے شہر طرابلس (Tripoli) پر بھی صلیبیوں کا قبضہ ہو گیا۔ اس طرح پہلی صلیبی جنگ کے نتیجے میں مسلم ایشیاء میں چار عیسائی ریاستیں قائم ہو گئیں۔

بیت المقدس پر تصرف حاصل کرنے کے بعد چند سال کے اندر ہی صلیبیوں نے فلسطین کے بڑے حصے پر قبضہ کر لیا۔ مسلمانوں میں خونریزی اور غارتگری سے بے چینی ضرور پیدا ہوئی لیکن وہ یورپ کی طرح کوئی متحدہ محاذ نہیں قائم کر سکے۔ اس وقت خلافت عباسیہ بے جان ہو چکی تھی اور سلجوق خانہ جنگی میں مبتلا تھے۔ اس سے فائدہ اُٹھا کر صلیبیوں نے اپنی بربریت اور سفاکی جاری رکھی۔ مؤرخ لین پول کے مطابق صلیبیوں نے مسلمانوں پر زندگی تنگ کر دی۔ انہوں نے اپنے سرداروں کو اشتعال دیا کہ وہ مسلمانوں پر بلاوجہ اور بلا سبب لوٹ مار کے حملے شروع کر دیں۔ اس طرح انہوں نے مسلمانوں کو ایسا نقصان پہنچایا جس کا بیان کرنا دشوار ہے۔

14.3 مسلمانوں کا ردِ عمل

14.3.1 عماد الدین زنگی اور نورالدین زنگی کا رول

مندرجہ بالا نازک حالات میں عماد الدین زنگی، اتابک موصل، نے سب سے پہلے صلیبیوں کے مقابلے کے لیے بہادرانہ قدم اُٹھایا۔ بارہویں صدی عیسوی میں سلجوقی سلطنت کا بڑا حصہ متفرق چھوٹے چھوٹے حکمرانوں کے ہاتھوں میں چلا گیا تھا۔ ان ہی میں عماد الدین زنگی موصل کا فرماں روا ہو گیا۔ وہ ملک شاہ کے غلاموں میں سے ایک غلام کی اولاد میں سے تھا۔ اس میں غیر معمولی قسم کی سیاسی ہوشمندی تھی۔ اس نے یہ اچھی طرح محسوس کر لیا تھا کہ صلیبیوں کے خلاف مسلمانوں کی ناکامی کی سب سے بڑی وجہ ان کا متحد نہ ہونا ہے۔ اس لیے سب سے پہلے اس نے صلیبیوں کے خلاف ایک منظم محاذ قائم کیا۔ اس غرض سے اس نے جزیرہ ابن عمر، نصیبین، سنجار اور حرّان جیسی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو ختم کر کے شام کی طرف آگے بڑھا اور وہاں بھی مسلمانوں کی چھوٹی چھوٹی کمزور ریاستوں مثلاً حلب، حماۃ اور حمص وغیرہ کو ختم کر کے ان پر قابض ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے عیسائیوں کے قلعہ اثارب پر زبردست حملہ کیا اور اس پر فتح پائی۔ اس قلعہ کی بڑی فوجی اہمیت تھی۔ صلیبیوں کے خلاف اس کی دوسری بڑی کامیابی (1144ء میں) عیسائیوں کے قلعہ الرُہا پر قبضہ تھا جہاں مسلمانوں پر بڑے مظالم ہوئے تھے۔ الرُہا کی تسخیر فتح الفتوح تھی۔ یہ شہر شام اور فلسطین میں سبھی عیسائی ریاستوں کے لیے قوت کا بڑا مرکز تھا۔ اس سے عیسائیوں میں بڑی بے چینی پیدا ہوئی۔ اس کے نتیجے میں یورپ کی قوتیں پھر متحد ہوئیں اور دوسری صلیبی جنگ (1149ء-1147ء) کا سلسلہ شروع ہوا۔ مگر اس سے پہلے ہی عماد الدین زنگی کو اس کے غلاموں نے ذاتی دشمنی کی وجہ سے 1147ء میں قتل کر دیا۔ لیکن وہ اپنی زندگی میں ایسے

کام کر گیا تھا جسے تمام نصرانی دنیا بھی مل کر نہ مٹا سکتی تھی۔

عمادالدین کی وفات کے بعد اس کا بیٹا نورالدین زنگی جانشین بنا۔ یہ بڑا ہی نیک دل، حق شناس، عادل اور جوانمرد سلطان تھا۔ بیت المال سے اپنے لیے ایک کوڑی بھی نہیں لیتا تھا۔ جتنا مال خزانے میں آتا فوج اور قلعوں کی درستی یا رعایا کی تعلیم اور دوسری ضروریات پر صرف کر دیتا تھا۔ وہ اپنی موت تک برابر صلیبیوں سے معرکہ آرائی کرتا رہا۔ اس نے حلب (Aleppo) کو اپنا دارالسلطنت بنایا اور 28 سال تک پورے شان و شوکت کے ساتھ حکومت کی۔ اس کا صلیبیوں سے پہلا تصادم اس وقت ہوا جب الرُہا کے عیسائیوں نے فرانسیسی فوجی مدد کے بل بوتے، جو ان کے پاس جوسلن دوم (Joscelin II) کی قیادت میں پہنچی تھی، اس کے خلاف بغاوت کر دیا۔ الرُہا پر عیسائیوں نے وقتی طور پر قبضہ بھی کر لیا اور بڑی تعداد میں مسلمانوں کو ہلاک کیا۔ نورالدین فوراً اپنی فوج لے کر اس شہر میں پہنچا، بغاوت کو کچلا اور الرُہا پر دوبارہ قبضہ کر لیا اور جوسلن کو گرفتار کر کے اندھا کر دیا کیونکہ وہ مسلمانوں کا کٹر دشمن تھا اور ان سے بہت نفرت کرتا تھا۔ اس کے بعد اس نے الرُہا کے علاقے اور شمالی سرحدوں سے عیسائیوں کی قوت کو کچل دیا۔ اس طرح اپنی آخری عمر تک نورالدین صلیبیوں پر دباؤ بناتا رہا اور ان پر حملہ کرتا رہا۔ 1154ء میں اس نے دمشق بھی فتح کر لیا اور پھر اس کو اپنا مرکز بنایا اور یہ بیت المقدس کو واپس لینے کی طرف پہلا قدم تھا۔ 1174ء میں جب نورالدین کا انتقال ہوا تو اس کے نائب صلاح الدین ایوبی کے لیے اس بات کے لیے راستہ ہموار ہو گیا تھا کہ وہ شام اور فلسطین کو صلیبیوں سے آزاد کرا سکے۔

14.3.2 صلاح الدین ایوبی کا رول

عمادالدین زنگی کے زمانے میں دو کرد بھائی زنگی سلطنت کے دست و بازو بن گئے تھے۔ ایک کا نام نجم الدین ایوب تھا اور دوسرے کا شیر کوہ۔ نجم الدین کا بیٹا سلطان صلاح الدین تھا جس نے صلیبی جنگوں میں سب سے بڑھ کر ناموری حاصل کی۔ اس نے عمادالدین اور نورالدین کے شروع کیے ہوئے کام کو پورا کیا اور ایوبی سلطنت کی بنیاد رکھی۔

نورالدین زنگی بیت المقدس پر حملہ کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا، لیکن اسے یہ اندیشہ تھا کہ کہیں مصر کی سمت سے صلیبی اسے نقصان نہ پہنچائیں جہاں فاطمی حکمراں تھے جو صلیبیوں کے ساتھ ملے ہوئے تھے۔ اس لیے اس نے شیر کوہ کو 1169ء میں مصر بھیج دیا تاکہ وہاں کے حالات پر قابو پا کر صلیبیوں کے لیے مصر کا دروازہ بند کر دیا جائے۔ شیر کوہ اپنے بھتیجے صلاح الدین کو بھی ساتھ لے گئے۔ جب اس کا انتقال ہوا تو صلاح الدین نے اس کی جگہ لے لی۔ اس نے اپنی طاقت کو مضبوط کیا اور وہاں کے حالات پر قابو پانے کے بعد 1171ء میں آخری فاطمی خلیفہ العاضد کو معزول کر دیا اور اس کا نام خطبہ سے خارج کر کے عباسی خلیفہ کا نام پڑھوا دیا۔ اس طرح مصر نورالدین زنگی کا ایک صوبہ بن گیا اور اس کا تعلق باقی دنیائے اسلام سے استوار ہو گیا۔

سن 1174ء میں نورالدین زنگی کا انتقال ہو گیا تو اس کے کمسن بیٹے کے خلاف شام میں ہنگامہ برپا ہو گیا۔ صلاح الدین فوج لے کر مصر سے شام پہنچا اور سارے انتظامات درست کیے۔ اب اس نے فلسطین اور بیت المقدس کو واپس لینے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ راستے کی ایک بڑی رکاوٹ اسماعیلی باطنی فدائین تھے جنھوں نے صلیبیوں کی امداد میں دو مرتبہ اس پر قاتلانہ حملہ کر چکے تھے۔ صلیبیوں کے خلاف

پیش قدمی کرنے سے پہلے ان پر قابو پانا ضروری تھا۔ اس لیے 1176ء میں اس نے مصیاد کا محاصرہ کر لیا جو فدائین کے سردار رشید الدین سنان کا صدر دفتر تھا۔ سنان کو مجبوراً اس کے راستے سے ہٹ جانے کی شرط پر صلح کرنی پڑی۔

اب صلاح الدین صلیبیوں پر منظم طریقے سے حملہ آور ہوا اور فتوحات حاصل کیں۔ ان کے خلاف پیش قدمی کرتے ہوئے یکم جولائی 1187ء میں طبریہ (Tiberias) شہر کو اپنے قبضے میں لے لیا۔ چند دنوں کے بعد صلیبیوں نے 20,000 سپاہیوں کے لشکر سے اس پر حملہ کر دیا۔ حطین کے مقام پر دونوں فوجوں میں خوفناک جنگ ہوئی۔ یہ ایک فیصلہ کن جنگ تھی جس میں صلیبیوں نے فاش شکست کھائی۔ اس جنگ میں صلیبیوں کے تمام بڑے بڑے امراء اور حکمراں گرفتار کر لیے گئے۔ اس کے بعد 2 / اکتوبر 1187ء نوے سال کے بعد صلاح الدین ایوبی نے بیت المقدس کو صلیبیوں سے واپس لے لیا۔ سلطان نے ساری مسیحی آبادی کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کیا۔ وہ جس فراخدلانہ اور روادارانہ انداز میں بیت المقدس میں داخل ہوا اس کی تعریف یوروپین مورخوں نے بھی کی ہے۔ گبن لکھتا ہے کہ اس ترک فاتح نے مفتوحوں کو کسی مصیبت اور پریشانی میں مبتلا نہیں ہونے دیا۔ اس نے جنگ کے یتیموں اور بیواؤں میں خیرات تقسیم کی۔ جنگ کے زخمیوں کے علاج اور دیکھ بھال کے لیے ہر طرح کی سہولتیں فراہم کیں۔

یروشلم پر فتح کے بعد فلسطین کے باقی شہروں پر قبضہ کرنا سلطان صلاح الدین کے لیے آسان ہو گیا۔ مثال کے طور پر جنوب میں لاذقیہ، جبلہ، صھیون اور شمال میں الکرک اور شوبک اور دیگر مقامات شقیف، ارنوں، کوکب اور صفد وغیرہ 1187ء کے اواخر تک مسلمانوں کے قبضہ میں آ گئے۔ اب صرف چند ساحلی مقامات جیسے انطاکیہ، طرابلس، عکہ اور صور ہی صلیبیوں کے قبضے میں رہ گئے۔

صلاح الدین نے بیت المقدس پر قبضہ کر لیا تو یورپ میں غیظ و غضب کی لہر پھر اُٹھی۔ جرمنی کا قیصر فریڈرک، انگلستان کا رچرڈ شیر دل اور فرانس کا فلپ دوم اپنے آپسی اختلافات کو بھُلا کر شام اور فلسطین کی طرف اُمڈ پڑے اور تیسری صلیبی جنگ (1192ء-1189ء) کا آغاز ہوا۔ چار سال تک صلاح الدین کے خلاف معرکہ آرائی ہوتی رہی، مگر صلاح الدین ہی ان پر بھاری رہا۔ جب صلح ہوئی تو بیت المقدس اور دوسرے شہر تو مسلمانوں کے قبضہ میں رہے۔ صرف ساحل عکہ پر ایک مختصر سی ریاست عیسائیوں کے قبضہ میں تھی۔ تیسری صلیبی جنگ کے خاتمہ کے چند ماہ بعد 10 / فروری 1193ء میں 55 سال کی عمر میں صلاح الدین ایوبی کا انتقال ہو گیا۔

دوسری اور تیسری لڑائیوں سے عیسائیوں کے لیے کوئی خاص نتائج مرتب نہیں ہو سکے تو پوپ انوسینٹ سوم (Pope Innocent III) نے یورپ کو چوتھی صلیبی جنگ (1204ء-1202ء) کے لیے اُبھارا۔ اس میں زیادہ تر فرانس کے امراء شریک ہوئے۔ جب وہ یہ مقدس فوج لے کر وینس (Venice) پہنچے تاکہ وہاں جہازوں پر سوار ہو کر شام کے ساحل پر اتریں، تو وینس کے تاجروں کو اس مقدس جنگ سے زیادہ اپنی تجارت کی فکر ہوئی جنہوں نے مشرق کی تمام بندرگاہوں پر قبضہ کر لیا تھا اور قسطنطنیہ تک ان کی تجارت پھیلی ہوئی تھی۔ مگر ان کی اس تجارت میں زارا کا شہر ان کا رقیب تھا، وینس کے تاجروں نے صلیبیوں کو جہاز اس شرط پر دینا منظور کیا کہ وہ عیسائی شہر زارا کو فتح کر کے وینس کے ماتحت کر دیں۔ صلیبی تیار ہو گئے اور زارا فتح کر لیا گیا۔ جیسے ہی یہ لشکر شام کی طرف روانہ ہوا قسطنطنیہ کے شہنشاہ کا بھتیجا الیکسیس (Alexius) اپنے چچا کے خلاف صلیبیوں سے فوجی امداد کا طلب گار ہوا اور ان کو ہر قسم کی مراعات پیش کی۔ لالچ میں آ کر

صلیبی جنگجو جو مسلمانوں سے لڑنے کا حلف اُٹھائے تھے دوسرے مسیحی شہر پر حملہ آور ہونے کے لیے روانہ ہو گئے اور اس شہر (قسطنطنیہ) کو بہت بری طرح سے لوٹا اور وینس کے تاجروں نے ہر قسم کی رعایتیں حاصل کیں۔ اس حملے کے نتیجہ میں قسطنطنیہ کی شہنشاہی اس قدر کمزور ہو گئی 1453ء میں یہ ترکوں کے قبضہ میں آ گیا۔ اس اندوہناک مہم کے بعد صلیبی جنگوں کا زمانہ تقریباً ختم سا ہو گیا۔

اس کے بعد اگرچہ صلیبیوں کا مسلم ایشیاء پر حملوں کا سلسلہ 1292ء تک قائم رہا، لیکن ان کو پستی اور شکست کے سوا کچھ بھی نہیں ملا۔ پانچویں صلیبی جنگ (1221ء-1218ء) سے ان لشکریوں کی ذہنی شکست کا ثبوت ملتا ہے۔ کیونکہ اب وہ مقدس مقامات کو آزاد کرنے کے بجائے مصر کی طرف بڑھے لیکن وہ اپنی مقصد میں بری طرح ناکام ہوئے۔ چھٹی صلیبی جنگ (1229ء-1228ء) میں جرمنی کا شہنشاہ فریڈریک دوم (Frederick II) پوپ کے ایماء سے یروشلم گیا تو اس نے مصر کے سلطان الکامل سے صلح کر لی اور مسیحی زائرین کے لیے فلسطین میں داخل ہونے کی اجازت حاصل کر لی اور ایک دفاعی معاہدہ بھی کر لیا، لیکن پوپ اس سے خوش نہیں ہوا اور اسے کلیسا سے خارج کر دیا۔

سن 1244ء میں جب سلطان مصر نے بیت المقدس پر مکمل قبضہ کر کے تمام مسیحی فوجوں کو شام سے نکال دیا تو فرانس کا بادشاہ لوئی نہم 50,000 (King Louis IX) فوج کے ساتھ بیت المقدس فتح کرنے کی غرض سے روانہ ہوا۔ اس وقت ایوبی سلطان صالح نجم الدین شام میں مصروف تھا۔ صلیبی لشکر 1800 جہازوں میں سوار ہو کر پہلے قبرص (Cyprus) پہنچا اور ساتویں صلیبی جنگ (1250ء-1249ء) کا آغاز ہوا۔ وہاں سے صلیبی دمیاط کے لیے روانہ ہوئے۔ دمیاط فتح کر کے قاہرہ کی طرف پیش قدمی کی۔ اس نازک گھڑی میں سلطان صالح کے انتقال کے بعد اس کی ملکہ شجرۃ الدر نے نمایاں کردار ادا کیا۔ اس کی قیادت میں مسلمانوں نے منصورہ میں صلیبیوں کو بری طرح شکست دی اور بادشاہ لوئی نے ہتھیار ڈال دیے اور قید ہو گیا بعد میں فدیہ دے کر رہا ہوا۔

14.4 صلیبی جنگوں کے اثرات

ان صلیبی جنگوں کے دور رس سیاسی، تجارتی، اقتصادی، معاشرتی اور علمی اثرات مرتب ہوئے جن سے یورپ والوں کو بہت فوائد حاصل ہوئے۔ ان جنگوں کی وجہ سے پوپ کو اپنے سیاسی اثرات بڑھانے کا موقع مل گیا۔ پہلے تو یہ اثرات مذہبی تھے، مگر ان مذہبی اثرات سے فائدہ اُٹھا کر وہ مغربی یورپ کی تمام حکومتوں پر سیاسی حیثیت سے بھی اثر انداز ہونے لگا جس سے وہاں مذہبی اور سیاسی کشمکش بڑھ گئی۔ ان لڑائیوں کا سب سے زیادہ اثر بازنطینی سلطنت پر پڑا جس کی سرحد یورپ میں دریائے ڈینوب اور ایشیاء میں اناطولیہ اور شام تک پھیلی ہوئی تھی اور اس کو مسلمان فتح نہ کر سکے تھے۔ مگر چوتھی صلیبی جنگ کے دوران صلیبیوں نے اس کو اس قدر لوٹ کر برباد کر دیا تھا کہ عثمانی سلطنت نے اس کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر اس پر قبضہ کر لیا۔

ان جنگوں کی وجہ سے یورپ کے تاجروں کو بڑے تجارتی فوائد حاصل ہوئے۔ ان کو مشرق میں ایک تجارتی منڈی مل گئی کیونکہ مشرق کے تمام بڑے بڑے بندرگاہوں میں انہوں نے تجارتی حقوق پیدا کر لیے تھے۔ اس طرح قسطنطنیہ کی تجارت وینس اور جنیوا کے

بندر گاہوں میں منتقل ہو گئی تھی۔ وینس کے تاجروں نے تو اسکندریہ کے مسلمانوں سے اپنی تجارت کی خاطر دوستانہ تعلقات بھی پیدا کر لیے تھے۔ یہاں تک کہ ان لڑائیوں کے ختم ہونے کے بعد بھی ان کی تجارت بدستور جاری رہی۔ اس کے علاوہ انگلستان، جرمنی، ڈنمارک اور ناروے کے تجارتی بیڑے بھی بحر قلزم میں پہنچنے لگے۔ جس سے ان ملکوں کی دولت میں اضافہ ہونے لگا۔ تجارت بڑھی تو بینک بھی قائم ہونے لگے۔ زر مبادلہ کی سرگرمیاں بھی بڑھیں اور بحری قوانین کا نفاذ بھی صلیبی جنگ کے ہی زمانہ سے شروع ہوا۔ اس تجارت سے یورپ میں مرچوں، مسالہ جات اور عطریات کا رواج بھی ہونے لگا۔ روئی اور ریشم کی صنعتیں شام سے یورپ میں آنے لگیں۔ ہندوستان سے مسالہ اور جواہرات اور چین سے چینی برتن آنے لگے۔ اس کے علاوہ بہت سے نئے پودے اور پھل، نئے رنگ، پوشاک، شکر، لیمو، خوبانی، تربوزے، ململ، آئینے اور تسبیح کے دانے بھی یورپ میں مشرق سے آنے لگے۔

مسلمانوں کے طور طریقہ دیکھنے کے بعد صلیبیوں کے مذاق میں بھی تبدیلی آئی۔ یورپ کا طرز عمارت بھی بدل گیا۔ ان کی عمارتوں میں عرب کے تمدن کے اثرات پائے جانے لگے۔ ان کے باشندوں کا معیار زندگی بھی بڑھ گیا۔ اس سے پہلے ان کا عام خیال تھا کہ مسلمان بُت پرست ہیں اور محمد کی پوجا کرتے ہیں۔ لیکن مسلمانوں سے میل ملاپ بڑھنے کے بعد ان کی یہ غلط فہمی جاتی رہی۔ جب ان کا آپسی ملنا جلنا بڑھا تو دونوں میں ہمسایہ کے دوستانہ تعلقات پیدا ہونے لگے اور عیسائی اپنے یہاں مقامی کاریگروں اور کاشتکاروں کو رکھنے لگے۔ عیسائیوں نے اپنا یوروپی لباس چھوڑ کر عربوں کا آرام دہ لباس پہننے لگے۔ وہ ایسی غذائیں بھی کھانے لگے جن میں مسالہ اور شکر کا استعمال ہوتا تھا۔ انہوں نے مقامی باشندوں سے شادی بیاہ کا رشتہ بھی قائم کرنا شروع کر دیا۔

ان جنگوں کے علمی اثرات بھی مرتب ہوئے۔ یورپ کے جغرافیہ دانوں اور مورخوں نے لٹریچر میں مفید اضافہ کیا۔ اس کے بعد یورپ والوں کو مشرق کی زبانوں کو سیکھنے کا شوق بھی پیدا ہوا۔ 1311ء تک یورپ میں مشرقی زبانوں کے چھ اسکول کھل گئے اور مشرق کے بہت سے قصے یورپ میں لکھے جانے لگے۔ یورپ کے ملکوں کی زبانوں میں عربی کے الفاظ بدلی ہوئی شکلوں میں استعمال ہونے لگے۔ تجارت، جہازرانی اور موسیقی کے بھی اصطلاحات عربی زبان سے لیے گئے۔

عیسائی مورخوں نے ان لڑائیوں کی تاریخیں بھی لکھیں جن سے تاریخی ادب میں مفید اضافہ ہوا۔ ان پر اچھی اچھی نظمیں بھی لکھی گئیں۔ فرانسیسی شاعری پر تو صلیبی لڑائیوں کا اچھا خاصا اثر پڑا۔ ان کی وجہ سے عربی داستانی ادب بھی مغرب میں فروغ پانے لگا۔ الف لیلہ اور کلیلہ و دمنہ کی کہانیاں بھی مغرب میں سنائی جانے لگیں۔

ان جنگوں نے یورپ کو باہری وسیع دنیا خصوصاً اسلامی مشرق سے روشناس کرایا۔ یورپ کے تہذیب و تمدن کی ترقی پر اس کا نمایاں اثر پڑا۔ یورپ کے پادری اور صلیبی جب عربی کتابیں پڑھنے لگے تو عربی شاعری نے ان کے دلوں پر بہت اثر کیا اور یورپ میں شاعری عربی طرز پر مقبول ہو گئی۔ ان میں ادبی تحریک کا بھی آغاز ہوا۔ اسلامی ادب کے زیر اثر ان میں مساوات کا جذبہ ابھرا۔ اسلامی عقیدے سے فیضیاب ہو کر انہوں نے پوپ کی من گھڑت معجزات کے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ غرض یہ کہ عیسائی مذہب نے ایک نیا روپ لے لیا جسے پروٹسٹنٹ چرچ کے لقب سے پکارا گیا۔ پہلی صلیبی جنگ کے بعد اس نئے مذہبی رجحان کی بنیاد پڑ چکی تھی۔ ساتھ ہی ساتھ وہ اسلامی ادب

میں بھی دلچسپی لینے لگے۔ مثال کے طور پر ایک انگریز صلیبی رابرٹ نے قرآن مجید کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ کیا۔ اس طرح صلیبی جنگوں کی بدولت مغربی یورپ میں لکھنے پڑھنے اور تحقیق کا رجحان پیدا ہوا۔ اس کے نتیجہ میں مختلف علوم وفنون خصوصاً ریاضیات، ہندسہ، طب اور علم کیمیاء وغیرہ پر عربی کتابوں کا یورپی زبانوں خاص طور سے فرانسیسی زبان میں ترجمہ ہوا۔ کیونکہ اس دور میں فرانسیسی زبان ہی عام فہم تھی اور تمام یورپ کی زبان سمجھی جاتی تھی، اس طرح اسلام کا پیغام مغرب میں پہنچا۔ یہ ضرور ہے کہ یہ ترجمے کلیۃً صحت کے حامل نہ تھے۔ مگر پھر بھی اپنا اثر کر گئے۔ یہی رجحان بعد میں ان میں نشأۃ ثانیہ کا بھی سبب بنا۔

ان جنگوں کا ایک بڑا منفی اثر یہ ہوا کہ مسلمانوں کے خلاف ایک مذہبی جنون پیدا کر دیا گیا اور ان کے خلاف ہر طرح کی نفرت پھیلائی گئی۔ ایک طویل مدت گزرنے کے بعد بھی نفرت کی یہ آگ وقتاً فوقتاً ان کے دلوں میں سلگتی رہتی ہے۔ میدان جنگ میں ناکام ہو جانے کے بعد بھی انہوں نے مسلمانوں سے دشمنی اور عناد جاری رکھا۔ یہ ان ہی جنگوں کا نتیجہ ہے کہ بڑی تعداد میں متعصب مستشرقین پیدا ہوئے جنہوں نے اسلامی تعلیمات کو مسخ کر کے پیش کیا۔ وہ اب بھی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازش اور پروپیگنڈہ میں مصروف ہیں۔

آخر میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ صلیبی جنگوں سے جو نتائج برآمد ہوئے اور مشرق اور مغرب پر ان کے جو اثرات مرتب ہوئے وہ وسیع ہونے کے ساتھ ساتھ دور رس بھی تھے۔ مجموعی طور پر ان سے مغرب کو فوائد زیادہ اور نقصانات کم ہوئے۔ اس کے برعکس اسلامی دنیا کو ان حروب سے جو نقصانات پہنچے ان کا دائرہ بہت وسیع ہے اور جو فائدہ حاصل ہوئے وہ نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ عیسائیوں کے پاس جو معاشرتی، ثقافتی، علمی اور اخلاقی اعتبار سے دیوالیہ تھے مسلمانوں کو دینے کے لیے ان کے پاس کچھ بھی نہیں تھا جب کہ وہ مسلمانوں کی دولت، ثروت اور علمی میراث سے متاثر اور مالا مال ہوئے۔ وہ ان لڑائیوں کے مسلم سورماؤں جیسے عماد الدین زنگی، نورالدین زنگی اور صلاح الدین ایوبی کے کردار اور شجاعت سے مرعوب اور متاثر رہے جیسا کہ حسب ذیل یورپ کے مورخین کے بیانات سے ظاہر ہے۔

مشہور مورخ گبن کے مطابق عماد الدین زنگی نے فرنگیوں سے انطاکیہ میں لڑ کر اپنی سپہ گری کی شہرت قائم کی۔ اس نے اپنے عوام کی امیدوں کو پورا کیا۔ اس کے سپاہی اپنے فوجی کیمپ ہی کو اپنا ملک سمجھتے تھے۔ ان کو اپنے اس آقا کے فیاضانہ انعامات کے عطا کرنے پر پورا بھروسہ رہتا، اور وہ بھی ان کی عدم موجودگی میں ان کے خاندانوں کی پوری نگہبانی کرتا تھا۔

اس کے بعد اس کے بیٹے نور الدین نے رفتہ رفتہ مسلمانوں کی قوت کو متحد کیا، حلب کی حکومت میں دمشق کا اضافہ کیا، شام کے عیسائیوں کے خلاف بڑی طویل لڑائی لڑتا رہا، اس نے اپنی سلطنت کی سرحد دجلہ سے نیل کے ساحل تک بڑھا دی۔ عیسائی خود اس کی ہوشمندی، شجاعت، انصاف پسندی اور سیرت کی طہارت کو تسلیم کرنے پر مجبور تھے۔ اس مقدس سپاہی نے اسلام کے پہلے چار خلفاء کے جوش وخروش اور سادگی کا اعادہ کیا تھا۔ اس کے محل میں سونا اور ریشمی کپڑے نہیں دکھائی دیتے تھے۔ اس کی مملکت میں شراب کا استعمال ممنوع تھا۔ بیت المال کی آمدنی صرف عوام کی خدمت میں صرف ہوتی تھی۔ اس کی خانگی زندگی بہت ہی سادہ تھی۔ اس کی ملکہ اپنے

اخراجات کے لیے کچھ رقمیں مانگتی، تو وہ کہتا "مجھ پر خوف الٰہی طاری رہتا ہے۔ میں مسلمانوں کا صرف خزانچی ہوں۔ میں ان کے مال کا ناجائز مصرف نہیں لے سکتا۔ حِمص میں میری ملکیت میں تین دکانیں ہیں، یہی تم لے سکتی ہو"۔

اسی طرح صلاح الدین ایوبی کی رواداری، انصاف پسندی اور شجاعت کی تعریف تمام یورپین مورخوں نے کی ہے۔ گبن لکھتا ہے کہ انصاف کا تقاضا ہے کہ اس ترک فاتح کی رحم دلی کی تعریف کی جایے۔ اس نے مفتوحوں کو کسی مصیبت اور پریشانی میں نہیں ڈالا۔ وہ بیت المقدس پر قبضہ کے بعد عیسائی قیدیوں سے بھاری رقمیں وصول کر سکتا تھا، لیکن صرف تیس ہزار کی رقم لے کر اس نے سترہ ہزار قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ دو تین ہزار کو تو اس نے رحم کھا کر یونہی چھوڑ دیا۔ جب یروشلم کی ملکہ اس کے سامنے آئی تو اس نے اس سے مہربانی سے باتیں کیں۔ اس نے جنگ کے یتیموں اور بیواؤں میں خیرات تقسیم کیے۔ جنگ کے زخمیوں کے علاج اور دیکھ بھال کے لیے ہر طرح کی سہولتیں فراہم کیں۔ اس نے جس فیاضانہ رحمدلی کا ثبوت دیا، اس سے وہ نہ صرف تعریف و تحسین بلکہ محبت کیے جانے کا مستحق ہے۔

یورپ کا دوسرا نامور مورخ لین پول بھی صلاح الدین کے بارے میں رقمطراز ہے کہ جب یروشلم مسلمانوں کے حوالے کیا جارہا تھا تو اس کی سپاہ اور ذمہ دار افسروں نے شہر کے گلی کوچوں میں انتظام قائم کر رکھا تھا اور ہر قسم کی زیادتی کو روکتے تھے۔ اس کا نتیجہ تھا کہ کسی عیسائی کو کبھی کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ شہر سے باہر جانے کے سبھی راستوں پر سلطان کا پہرہ تھا تاکہ فدیہ دینے والے شہر سے باہر کسی روک ٹوک کے بغیر محفوظ طریقے سے چلے جائیں۔

لین پول مزید کہتا ہے کہ صلاح الدین کے بھائی العادل نے ایک ہزار غلام صلاح الدین سے مانگ کر آزاد کر دیئے۔ اس کے علاوہ صلاح الدین نے خود شہر میں یہ منادی کرائی کہ تمام بوڑھے جن کے پاس زرفدیہ ادا کرنے کو نہیں ہے، وہ آزاد کیے جاتے ہیں کہ جہاں چاہیں وہاں جائیں۔ جن عیسائی عورتوں کے شوہر مر چکے تھے، انہیں صلاح الدین نے بلا کر خزانے سے روپئے دیے اور وہ جہاں جہاں گئیں، اس عزت اور فیاضی کا چرچا کیا۔ ان سب باتوں کی وجہ سے صلاح الدین کا نام مسلمانوں کے محبوب حکمرانوں کی فہرست میں ہارون رشید اور بیبرس کے ساتھ اب تک سرفہرست ہے۔ یورپ میں تو گانے والوں اور ناول نگاروں کے لیے وہ ایک محبوب موضوع بنا ہوا ہے۔ اور آج بہادری کا پیکر سمجھا جاتا ہے۔

اس کے بعد لین پول کا یہ کہنا ہے کہ صلاح الدین کے ان احسانات پر جب ہم غور کرتے ہیں تو وہ وحشیانہ حرکتیں یاد آتی ہیں جو شروع کے صلیبیوں نے 1099ء میں بیت المقدس کی فتح پر کی تھیں۔ جب گوڈفرے (Godfrey) یروشلم کے راستوں سے گزرا تو وہاں مردہ پڑے اور جان بلب زخمی پڑے ہوئے تھے۔ ان بے گناہ اور لاچار مسلمانوں کو صلیبیوں نے سخت اذیتیں دے کر مارا تھا۔ قدس کی چھتوں اور برجوں پر جہاں مسلمان پناہ لینے چڑھے تھے، وہیں ان صلیبیوں نے انہیں اپنے تیروں سے زخمی کر کے گرایا تھا۔ ان کے اس کارنامے سے انسانیت کی گردن شرم سے جھک جاتی ہے۔ انہوں نے جو ہولناکیاں کیں ان سے چنگیز خاں اور ہلاکو کی سفاکیاں بھی ماند پڑ گئیں۔ لیکن یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ صلیبی اور اس قسم کی لڑائیوں سے بعد کے مسلم حکمرانوں نے کوئی سبق حاصل نہیں کیا۔ وہ مخالفین کے خلاف متحدہ محاذ پیش کرنے میں ناکام رہے۔ اس لیے ان کے اختلاف سے فائدہ اُٹھا کر یورپ کی سامراجی حکومتیں ان کو مسلسل

نقصان پہنچاتی رہیں۔ سِسلی اور اسپین کے مسلمانوں کی حکومت کو تباہ کرنے کے بعد مطمئن نہیں ہوئے تو سلطنت عثمانیہ کے مسلمانوں کو شکست دینے کے لیے برابر متحدہ کوشش کرتے رہے اور وہ کامیاب بھی رہے۔

14.5 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- سن 1092ء میں سلجوقی سلطان ملک شاہ کے انتقال کے بعد جب مضبوط سلطنت بکھرنے لگی اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے تو مسلم ایشیاء میں ان ناموافق حالات سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اور متعدد سیاسی، اقتصادی، تجارتی، معاشرتی اور مذہبی عوامل کے زیر اثر یورپ میں عیسائی دنیا کے مشرقی اور مغربی دونوں بازو اپنے ذاتی اور تاریخی اختلافات کو بھُلا کر مسلمانوں کے خلاف متحد ہو گئے اور ان کے خلاف لڑائیوں کا ایک طویل سلسلہ شروع کیا جو تاریخ میں صلیبی جنگ کے نام سے جانا جاتا ہے۔
- یورپ کے عیسائیوں نے صلیبی جنگ کے نام پر ایک مذہبی جنون پیدا کر دیا اور مسلمانوں کے خلاف ہر طرح کی نفرت پھیلائی۔ بہانہ یہ تراشا گیا کہ بیت المقدس ان ہی کی اصل عبادت گاہ ہے اور وہ اس سے کسی حال میں دست بردار نہیں ہو سکتے اور یہ کہ سلجوقی حکومت بیت المقدس میں مسیحی زائرین کے ساتھ برا سلوک کرتی ہے۔ اس لیے اس کو بے دینوں (مسلمانوں) سے آزاد کرانا یورپ کے پوپ اور پادریوں نے دینی فرض قرار دے دیا۔ اس کو ہوا فرانس کا باشندہ راہب پیٹر نے دی جو 1092ء میں فلسطین کے مقدس مقامات کی زیارت کے لیے گیا تھا۔ اور مسلمانوں کے خلاف من گھڑت داستانیں مشتہر کرنا شروع کر دیا۔ پوپ اربن ثانی اور اس کے پادریوں نے یورپ بھر میں گھوم گھوم کر بیت المقدس کے عیسائیوں کے خلاف مسلمانوں کے ظلم و ستم کی داستانیں سنانے لگے اور لوگوں کو جوش دلا کر بیت المقدس کی فتح کے لیے آمادہ کیا اور صلیبی جنگوں کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو گیا۔
- صلیبی جنگوں کی ابتداء 1096ء میں ہوئی اور ان کا خاتمہ 1292ء میں ہوا۔
- مسلمانوں کی تاریخ میں صلیبی جنگ کا عہد بہت ہی نازک ترین دور تھا۔ پوری عیسائی دنیا ان کی اور ان کے مذہب کی بیخ کنی کے لیے اُمڈ پڑی تھی۔ تقریباً دو سو برس (1292ء-1096ء) کے اثنا میں صلیبی حملہ آوروں کا سیلاب یورپ سے شام اور فلسطین پہنچتا رہا۔ پہلی صلیبی جنگ میں عیسائیوں کو کامیابی بھی ملی۔ بیت المقدس پر قبضہ کرنے کے ساتھ ساتھ انہوں نے مسلم ایشیاء میں چار عیسائی ریاستیں بھی قائم کر لیں۔
- بیت المقدس پر صلیبیوں کے قبضہ کے ردّ عمل کے طور پر مسلم دنیا نے عمادالدین زنگی، نورالدین زنگی اور صلاح الدین ایوبی جیسے سورماؤں کو جنم دیا جنہوں نے بڑی پامردی، بہادری اور ہمت سے ان کا مقابلہ کیا اور ان کے ارادوں کو ملیامیٹ کر دیا۔ اور ان کو مسلم ایشیاء سے نکال باہر کیا۔ بلاشبہ یہ مسلمانوں کی تاریخ کا بہت ہی زریں کارنامہ ہے۔
- ان صلیبی جنگوں کے دوررس سیاسی، تجارتی، اقتصادی، معاشرتی اور علمی اثرات مرتب ہوئے جن سے یورپ والوں کو بہت فوائد حاصل

ہوئے۔ یہی اثرات ان کے درمیان نشاۃ ثانیہ (Renaissance) کا سبب بھی بنے۔ اس کے برعکس مسلم دنیا کو ان لڑائیوں سے جو نقصانات پہنچے ان کا دائرہ بہت وسیع ہے اور جو فائدے حاصل ہوئے وہ نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ عیسائیوں کے پاس مسلمانوں کو دینے کے لیے کچھ بھی نہیں تھا جب کہ وہ مسلمانوں کی دولت، ثروت اور علمی میراث سے متاثر اور مالامال ہوئے۔

- ان جنگوں کا ایک بڑا منفی اثر یہ ہوا کہ مسلمانوں کے خلاف ایک مذہبی جنون پیدا کر دیا گیا اور ان کے خلاف ہر طرح کی نفرت پھیلائی گئی۔ ایک طویل مدّت گزرنے کے بعد بھی نفرت کی یہ آگ ان کے دلوں میں وقتاً فوقتاً سلگتی رہتی ہے جس کی وجہ سے میدان جنگ میں ناکام ہو جانے کے بعد بھی انہوں نے مسلمانوں سے دشمنی اور عناد جاری رکھا۔ وہ اب بھی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازش اور پروپگنڈہ میں مصروف ہیں۔

14.6 نمونہ امتحانی سوالات

14.6.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. صلیبی جنگ کی ضرورت اس لیے پڑی کہ عیسائیت کی فلاح کے لیے..... کو یورپ کی طرف بڑھنے سے روکا جائے۔

(a)منگولوں (b)عربوں (c)ترکوں (d)ایرانیوں

2. صلیبی جنگوں کی ابتداء کس سن عیسوی میں ہوئی؟

1082(a) 1096(b) 1196(c) 1292(d)

3. صلیبی جنگوں کا خاتمہ کس سن عیسوی میں ہوا؟

1292(a) 1096(b) 1192(c) 1454(d)

4. صلیبی جنگ کے آغاز کے وقت ایشیائے کوچک پر کون سی مسلمان حکومت تھی؟

(a)ایوبی (b)سلجوقی (c)عثمانی (d)سامانی

5. 1144ء میں صلیبی شہر الرہا(Edessa) کا مسلمانوں کے ہاتھوں سقوط وہ چنگاری تھی جس نے..... صلیبی جنگ کو بھڑکا دیا۔

(a)پہلی (b)دوسری (c)تیسری (d)آخری

6. صلیبیوں نے الرہا(Edessa) پر قبضہ کس سن میں کیا تھا؟ 1098ء میں اڈیسہ۔

(a)1098ء (b)1048ء (c)1058ء (d)تمام غلط

7. سن..... میں جب سلطان مصر نے بیت المقدس پر مکمل قبضہ کر کے تمام مسیحی فوجوں کو شام سے نکال دیا۔

1234ء(a) 1240ء(b) 1241ء(c) 1244ء(d)

8. عہد صلیبی کے کس مسلم سپہ سالار کی رواداری، انصاف پسندی اور شجاعت کی تعریف تمام یورپین مورخوں نے کی ہے؟

(a)صلاح الدین ایوبی (b)عماد الدین زنگی (c)الپ ارسلان (d)ظاہر بیبرس

9. یہ ایک فیصلہ کن جنگ تھی جس میں صلیبیوں نے فاش شکست کھائی:

(a)اجنادین (b)حطین (c)ذات السلاسل (d)عین جالوت

10. صلیبی جنگوں کے کیا اثرات مرتب ہوئے جن سے یورپ والوں کو بہت فوائد حاصل ہوئے؟

(a) تجارتی (b)معاشرتی (c)علمی (d)سب صحیح

14.6.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. صلیبی جنگوں کے تاریخی پس منظر پر روشنی ڈالیے۔
2. صلیبی جنگوں کے اسباب پر نوٹ لکھیے۔
3. عماد الدین زنگی اور نورالدین زنگی کے کارناموں کا ذکر کیجیے۔
4. صلیبی جنگوں کے نتائج پر روشنی ڈالیے۔
5. بیت المقدس کی تاریخی اور مذہبی حکومت پر ایک مختصر نوٹ لکھیے۔

14.6.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. شام اور فلسطین کو صلیبیوں سے آزاد کرانے میں صلاح الدین ایوبی کا رول متعین کیجیے۔
2. صلیبی لڑائیوں کے اثرات کا جائزہ پیش کیجیے۔
3. صلاح الدین ایوبی کی رواداری، انصاف پسندی اور شجاعت کی تعریف میں یورپین مورخوں نے بہت لکھا۔ اس پر روشنی ڈالیے۔

14.7 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. کروسیڈ اور جہاد : محمد اکبر خاں
2. صلیبی جنگ : سید صباح الدین عبد الرحمن
3. مختصر تاریخ اسلام : مولانا غلام رسول مہر
4. اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانشگاہ پنجاب، لاہو، جلد 12
5. Islamic Dynasties of the Arab East : Abdul Ali
6. The Crusades : T. A. Archer
7. Crusade, Commerce and Culture : S. Atia Aziz

اکائی 15: بحری ممالیک

اکائی کے اجزا:

15.0 تمہید

15.1 مقاصد

15.2 ممالیک تعارف اور پس منظر

15.3 بحری مملوک سلطنت کا قیام

15.0 نظم و نسق

15.1 اہم حکمراں

15.1.1 ملک ظاہر بَیبَرس (1260-1277)

15.1.2 منصور قلاؤن (1279-1290)

15.2 بحری ممالیک کے دور میں علوم کا ارتقاء

15.2.1 علم طب کا ارتقاء

15.2.2 بحری مملوک دور میں دیگر علوم اور اہم شخصیات

15.3 بحری مملوک دور میں فن تعمیر اور فنون لطیفہ (آرٹ) کی ترقی

15.4 سماجی مذہبی اور معاشی حالات

15.5 اکتسابی نتائج

15.6 نمونہ امتحانی سوالات

15.6.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

15.6.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

15.6.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

15.7 تجویز کردہ اکتسابی مواد

15.0 تمہید

تاریخ میں مملوکوں کا عروج ایک منفرد واقعہ ہے۔ ایسی مثال اسلامی تاریخ کے علاوہ کسی اور قوم میں نہیں ملتی۔ عربی میں لفظ مملوک کا معنی غلام ہے۔ یہ سلاطین یا امراء کے غلام تھے۔ اس لفظ کا استعمال سب سے پہلے وسط ایشیا کے ترکی النسل سفید فام غلاموں کے لئے کیا گیا تھا۔ بعد میں مغربی ایشیا کے دوسرے علاقوں کے غلاموں کو بھی اس زمرے میں شامل کر لیا گیا۔ مملوکوں نے اپنی قابلیت سے اپنے آپ کو ممتاز کیا اور آہستہ آہستہ کاروبار سلطنت میں مہارت حاصل کی اور جب ان کے مالک اور بادشاہ حکومت نظام سلطنت کو چلانے میں کمزور پڑنے لگے تو مملوکوں نے زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لی اور تاریخ میں ایک روشن باب رقم کیا، اور گذشتہ کل کے غلام' آج کے سپہ سالار اور آنے والے کل کے حکمراں بن گئے۔

15.1 مقاصد

اس اکائی میں کا مقصد یہ ہے کہ آپ مملوک سلاطین کے پس منظر اور ان کی حکومت کا جائزہ لیں سکیں۔ اس اکائی کو پڑھنے کے بعد آپ بحری ممالیک کے اہم حکمراں اور ان کے کارناموں کی درجہ بندی کر سکیں گے۔ اس اکائی کے مقاصد میں یہ بات بھی شامل ہے کہ آپ بحری ممالیک کے دور میں علوم وفنون کی ترقی اور فن تعمیر و آرٹ کی صورتحال کا جائزہ پیش کر سکیں اس اکائی کے ذریعہ آپ بحری ممالیک کے دور کے سماجی و معاشی حالات پر گفتگو کر سکیں گے۔

15.2 ممالیک تعارف اور پس منظر

مملوک کا لفظ غلام کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ تاریخ کی اصطلاح میں مملوک سلاطین کے لیے خدمات انجام دینے والے مسلمان سپاہی تھے، جنہیں عموماً فوج کے لیے تربیت دی جاتی اور سلطان کے دستہ خاص اور فوج کے اعلی عہدوں پر فائز کیا جاتا تھا۔

وقت کے ساتھ ساتھ سلاطین اور درباری معاملات میں ان کی براہ راست شمولیت کی بنا پر وہ فن سیاست میں ماہر ہو گئے اور رفتہ رفتہ زبردست عسکری قوت حاصل کر لی۔ ان غلاموں نے مالک بادشاہوں کی کمزوری اور نااہلیت کے پیش نظر زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔ مملوک سلطان بنے اور شان وشوکت کے ساتھ حکومت کے فرائض انجام دے کر تاریخ کے صفحات میں اپنی جگہ بنا لی۔ قرون وسطی میں مملوک حکومتیں دو علاقوں میں قائم ہوئیں مصر و شام اور ہندوستان۔ جن میں مصر وشام کی مملوک سلطنت سن 1250ء سے 1517ء تک قائم رہی۔

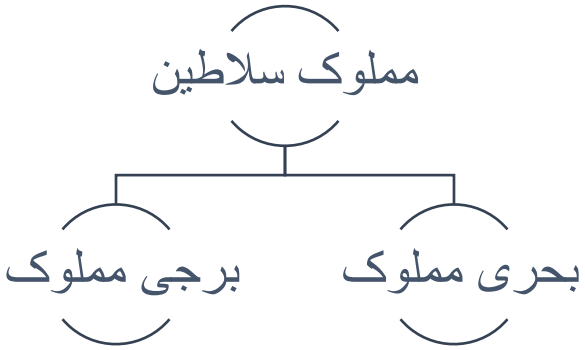

مصری مملوک سلاطین دو خاندانوں میں تقسیم تھے۔ ان میں ایک خاندان بحری مملوکوں کا تھا جنہوں نے 1250ء سے 1382ء تک حکومت کی۔ دوسرا خاندان برجی مملوک کا تھا انہوں نے بحری مملوکوں کے بعد 1382ء سے 1517ء تک حکومت کی۔

وجہ تسمیہ

ایوبی سلاطین نے مخصوص فوجی دستے قائم کرنے کے لئے مختلف علاقوں سے ممالیک کو حاصل کر کے ان کی باقاعدہ فوج تیار کی تھی۔ یہ مملوک سپاہی بے حد جانباز اور فنون جنگ بالخصوص شہسواری اور تیر اندازی میں بہت ماہر ہوتے تھے۔ بحری مملوک نسلاً زیادہ تر ترک اور منگول تھے جو ایوبی سلطان ملک الصالح ایوبی کے غلام تھے۔

ملک الصالح نے نہ صرف ان کی خصوصی فوجی تربیت پر توجہ دی بلکہ دیگر سیاسی اور سماجی علوم و فنون کے مبادیات کی تعلیم و تربیت بھی دی۔ ملک الصالح کی زیر قیادت یہ سپاہی صلیبی جنگوں میں اپنی بہادری کے جوہر دکھا کر خواص و عوام میں مقبول ہو گئے۔ انہوں نے اپنی قابلیت سے اپنے آپ کو ممتاز کیا اور آہستہ آہستہ کاروبار سلطنت پر اثر انداز ہونے لگے اور جب ایوبی حکومت کمزور پڑی اور کوئی حکومت کے امور سنبھالنے کے لیے کوئی اہل جانشین نہ رہا تب انہوں نے خود کو منظم کر کے زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔

تاریخ میں یہ بات لکھی گئی ہے کہ مملوک سلطنت میں حکومت موروثی نہیں ہوتی بلکہ جو غلام سردار طاقتور ہوتا حکومت اسی کو ملتی تھی۔ تاہم بحری ممالیک میں کچھ سلاطین کے جانشین ان کے بیٹے ہوئے ہیں لیکن وہ خالص اپنی بہادری اور قابلیت کی بنا پر حکومت حاصل کی۔

15.3 بحری مملوک سلطنت کا قیام

پس منظر

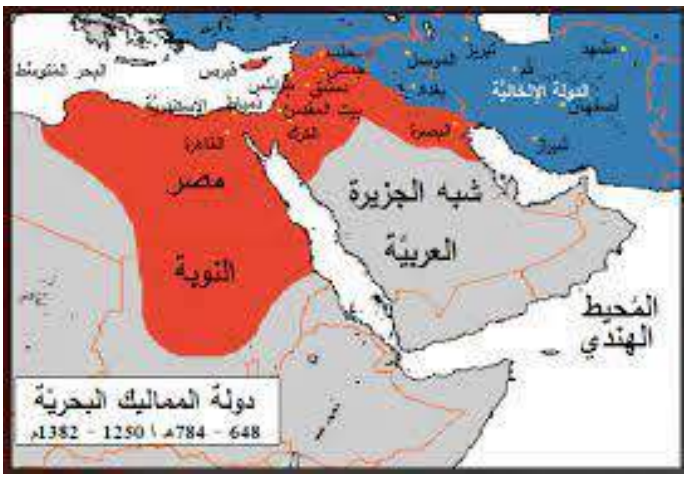

پہلا مملوک سلطان جو تخت نشین ہوا اور سلطنت مملوکیہ کی بنیاد ڈالی وہ عزالدین ایبک تھا۔ عزالدین ایبک کو حکومت ملنے کی وجہ ملکہ شجرۃ الدر تھی۔ شجرۃ الدر دراصل ایوبی سلطان ملک صالح نجم الدین کی باندی تھی جسے بعد میں نجم الدین نے نکاح کر لیا تھا۔ شجرۃالدر نے کچھ دنوں تک حکومت بھی کی تھی اور ان چند دنوں میں اس نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ ہ نظم و نسق اور حکومت کرنے کی کتنی غیر معمولی صلاحیت رکھتی ہے اسی روز کے بعد اس نے اس کی وفات کے

بعد شجرۃ الدر نے عزالدین ایبک جو ایک ترک سپہ سالار تھا، سے نکاح کر لیا تھا اور اس کے بعد حکومت کے فرائض اپنے شوہر کے سپرد کر دیا تھا۔

عزالدین ایبک نے سلطان بننے کے بعد سب سے پہلے شام کی ایوبی حکومت کے امرا کو جواب دیا جو خود کو مصری ایوبیوں کا جائز وارث تصور کرتے تھے اور اس کے بعد اس وقت کے دو زور آور فتنے صلیبی اور منگول جن سے بغداد کے عباسیوں کی طرح شام کے ناتواں ایوبی بھی منگولوں کے ہاتھوں بری طرح تباہ ہو چکے تھے سے فتوحات حاصل کر کے مصر میں اسلامی سلطنت کو باقی رکھا اور ایک عظیم حکومت کو استحکام بخشا۔ انہیں مملوکوں کا یہ عظیم کارنامہ ہے کہ ان کے ہاتھوں منگولوں کو عین جالوت کی فیصلہ کن جنگ میں ذلت آمیز شکست ہوئی۔ جس کے بعد منگولوں نے پھر کبھی مصر و شام کا رخ نہیں کیا۔ مملوکوں نے تقریباً پونے تین صدی (1517-)1250 تک حکومت کی۔ ان کے زیر قیادت سلطنت کی چاروں طرف توسیع ہوئی۔ ان سلاطین کی سیادت عموماً مقامات مقدسہ یعنی مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ پر بھی قائم رہی نیز انہوں نے خلافت عباسیہ کا بھی احیا کیا۔

بحری ممالیک نے کل ایک سو بتیس سال حکومت کی اور اس دور میں جملہ چوبیس 24 بادشاہ نے زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔ ان میں سے چار بادشاہ نے جملہ 84 سال حکومت کی اور مصر میں اپنے کارناموں سے مصر کو استحکام و عروج بخشا اور علوم و فنون کی سرپرستی کرتے ہوئے ہر میدان میں اپنے لازوال نقوش ثبت کیے۔

فہرست بحری سلاطین 1250–1382

عزالدین ایبک 1250	علی بن ایبک 1257	قُطز 1259	الظاہر بیبرس 1260
سلامش بن بیبرس 1279	منصور قلاوون 1279	الاشرف خلیل بن قلاوون 1290	ناصر محمد بن قلاوون (حکومت کا پہلا دور) 1293
کتبغا 1294	حسام الدین لاجین 1296	ناصر محمد بن قلاوون (حکومت کا دوسرا دور) 1296	بیبرس II 1298
ناصر محمد بن قلاوون (حکومت کا تیسرا دور) 1309	ابو بکر بن ناصر محمد 1340	کُجک بن ناصر محمد 1341	احمد بن ناصر محمد 1342
اسمعیل بن ناصر محمد 1342	شعبان بن ناصر محمد 1345	حاجی بن ناصر محمد 1346	حسن بن ناصر محمد (حکومت کا پہلا دور) 1347
صالح بن ناصر محمد 1351	حسن بن ناصر محمد (حکومت کا دوسرا دور) 1354	صلاح الدین بن حاجی 1361	

منصور محمد بن شعبان 1361	شعبان بن حسن 1363	علی بن شعبان 1376	حاجی بن شعبان 1382

15.0 نظم ونسق

مملوک سلطان مطلق العنان ہوتے تھے۔ تاہم ایک مجلس وزراء امور سلطنت میں سلطان کو مدد دیا کرتی تھی، جس میں مملوکوں کے اعلیٰ سپہ سالار سلطان کی بائیں یا دائیں جانب اپنے اپنے رُتبے کے مطابق بیٹھا کرتے تھے۔ نشستوں کی یہ حسب مراتب ترتیب مملوک عہد کے آغاز ہی سے قائم تھی۔ نمائندہ سلطان جو سلطان کے عدم موجودگی میں مقرر ہوا کرتا تھا سپہ سالار اعظم یعنی امیر کبیر کہلاتا تھا، جس کا عہدہ بعد میں اتابک کے عہدے کے ساتھ ضم کر دیا گیا۔ یہ سب کے سب اعلیٰ عہدہ داروں میں شمار ہونے لگے۔

مملوک سلاطین عموماً پچیس امرا کو منتخب کرتے ان کو حکومت کا اختیار دیتے تھے اور وہ حکومتی کونسل ممبر سمجھے جاتے تھے۔ ایک سلطان کی وفات یا کسی اور وجہ کی بنیاد پر ان میں سے کسی ایک کو منتخب کر کے بادشاہ بنا لیتے۔ سلطان تخت نشین ہونے کے بعد باقی ممبران کونسل کے درمیان عہدے اور ذمہ داریاں سپرد کرتا تھا۔ جن میں زیر اعظم سے لیکر تمام اہم عہدے شامل ہوتے۔ تاریخ میں یہ بات نہایت اہم ہے کہ مملوک سلاطین مصر اکثر زرخیز غلام ہوتے تھے اور اپنی ذاتی قابلیت کی بنا پر حکومت پر پہنچتے تھے۔ مملوک فوج کا ایک اصول یہ بھی تھا کہ جتنے فوجی مارے جاتے یا فوت ہوتے اسی قدر سرکیشی / چرکیسی غلام خرید کر تعداد پوری کی جاتی۔

15.1 اہم حکمراں

تاریخی اعتبار سے بحری مملوک سلاطین کو برجی ممالیک پر فوقیت حاصل ہے۔ انہوں نے 132 سال تک حکومت کی اور اسلام کے نامور غازی اور سلاطین پیدا کئے۔ ان میں ظاہر بیبرس، منصور قلاوون، اشرف خلیل اور ناصر محمد نے اپنے کارناموں کی بنا پر اہمیت و شہرت حاصل ہوئی۔ تاہم یہاں بحری ممالیک کے سب سے اہم اور نامور حکمراں ملک الظاہر بیبرس کا تفصیلی ذکر کیا جارہا ہے۔

15.1.1 ملک ظاہر بَیبَرس (1260-1277)

مملوک سلطنت کا سب سے پہلا نامور اور اکثر مورخین کے مطابق سب سے اہم حکمراں ہے۔ اس نے کل سترہ سال حکومت کی۔ ترتیب کے اعتبار سے سلطان بیبرس بحری مملوکت کے چوتھے حکمراں تھے۔ لیکن درحقیقت مملوک سلطنت کی بنیادیں ان کے دور میں ہی مستحکم ہوئیں۔ ملک الظاہر کے دور میں مصر کی سلطنت ایسی مستحکم حکومت تھی جس سے دشمنان اسلام خوف کھاتے تھے۔ الظاہر بیبرس کو نہ صرف بحری بلکہ تمام مملوک سلطنت کا سب سے اہم بادشاہ مانا جاتا ہے۔ اسکے ہمعصر بادشاہوں میں منگول کا ہلاکو خاں اور برصغیر کا غیاث الدین بلبن شامل ہیں۔

ملک الظاہر ایک عظیم مجاہد، اور ایک باتدبیر سیاست دان تھا۔ حکومت کی ذمہ داری سنبھالنے سے پہلے ہی الظاہر بیبرس نے مختلف جنگوں میں اپنا لوہا منوالیا تھا۔ اپنی صلاحیتوں، اور کارناموں کی بنا پر عوام وخواص میں مقبولیت حاصل تھی۔ سلطان بننے سے قبل ہی صلیبی جنگ بازوں کو تباہ کر دیا۔ علویوں اور باطنیہ اسماعیلیہ کی ذریات کو بھی بیکار کر کے رکھ دیا۔

معرکہ عین جالوت

معرکہ عین جالوت نہ صرف سلطنت مملوکیہ بلکہ تمام تاریخ اسلام میں ایک نہایت اہم واقعہ شمار ہوتا ہے کیوں کہ تاریخ عالم اور بالخصوص تاریخ اسلام کا سیاہ دور تھا اور تمام اسلامی حکومتیں منگولوں اور تاتاریوں کے ہاتھوں ملیامیٹ ہو رہی تھیں انہوں نے اپنی راہ میں آنے والے ہر علاقے کو تباہ و برباد کر دیا تھا۔ سیف الدین قطز جو سلطنت مملوکیہ کا تیسرا حکمراں تھا اس نے سنا کہ منگول فوج نے پوری قوت سے شام حلب، موصل کے علاقوں میں بھی بربادی پھیلا دی ہے اور ان کا اگلا ہدف مصر ہے تو اس نے ملک الظاہر بیبرس کی قیادت میں فوج لیکر فلسطین میں عین جالوت کے میدان میں صف آرائی کی اور 15 رمضان المبارک سن 655ھ مطابق 3 ستمبر 1260ء بروز جمعہ کو ہلاکو خاں اور اس کی فوج کو پے در پے ایسی بدترین شکست دی اور نہ صرف مصر منگولوں کے حملوں سے محفوظ ہو گیا بلکہ شام اور یورپ کے علاقے بھی مغل افواج کی شکست و ریخ سے بچ گئے۔

عباسی خلافت کا احیا

بیبرس کا دوسرا اہم کارنامہ یہ تھا کہ اس نے قاہرہ میں عباسی خلیفہ کا خیر مقدم کیا۔ ملک الظاہر کو تخت نشین ہونے کے بعد معلوم ہوا کہ خاندان عباسیہ کے آخرہ خلیفہ مستعصم باللہ کے چچا ابو القاسم قید خانے سے بچ کر نکل گئے ہیں اور ملک شام میں کہیں روپوش ہیں۔ دراصل یہ وہ واحد عباسی شہزادہ تھے جو منگولوں کے قتل عام سے بچ گیا تھے۔ بیبرس نے انہیں تلاش کروایا اور قاہرہ بلا کر اسے عباسی خلیفہ نامزد کیا اور خود اس کے نام سے حکومت کرنے لگا۔ حالانکہ یہ عباسی خلافت برائے نام تھی، اصل اقتدار ممالک ہی کو حاصل تھا۔ تاہم بیبرس نے بغداد سے عباسی خلافت ختم ہونے کے بعد قاہرہ میں عباسی خلافت کا سلسلہ جاری کر دیا جسے بغداد سے منگولوں نے نکال دیا تھا۔ چنانچہ اس نے 1261ء میں خلافت کو بحال کیا۔ پھر بیبرس نے خود خلیفہ سے "قیم الدولہ" کا خطاب لے لیا اور اپنے آپ کو شریک حکومت مقرر کرایا اور باقاعدہ آداب و رسوم کے ساتھ ملکی اقتدار اپنے پاس منتقل کرالیا۔ مملوک عہد کے خاتمے تک یہ خلافت عباسیہ مصر میں رہی۔ ہر خلیفہ سلطان کی تخت نشینی پر اس کی اطاعت کا اقرار اور کل اختیارات اسے تفویض کر دیتا تھا۔ اس طرح خلیفہ کے تمام اختیارات زائل ہو گئے اور اس کی حیثیت ایک ایسے برائے نام حاکم کی سی رہ گئی، جس کو نہ تو کچھ اختیار حاصل تھا نہ ہی اس کے پاس کوئی اثر و رسوخ تھا۔

بیبرس کا ایک اور اہم ناقابل فراموش کارنامہ یہ تھا کہ اس نے 1263ء سے لے کر 1271ء تک ہر سال فوجی مہم کے ذریعہ شام کے تقریباً تمام مسلم مراکز کو صلیبیوں کے قبضے سے واپس لے لیا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے اسمٰعیلی فدائیوں کی طاقت کو ہمیشہ کے لئے کچل کر رکھ دیا جو ایک طویل عرصہ سے مسلم حکمرانوں کے لئے پریشانی کا باعث بنے ہوئے تھے۔ بیبرس ایک عظیم سپہ سالار ہونے کے ساتھ ساتھ ایک کامیاب منتظم کار اور مدبر سیاست داں بھی تھا۔ اس نے عوام کی سماجی اور معاشی حالت کو بہتر بنانے کے لئے بہت سے اقدامات کئے۔

15.1.2 منصور قلاؤن(1279-1290)

منصور قلاوون بیبرس کی وفات کے دو سال بعد تخت نشین ہوا اور لائق جانشین ثابت ہوا۔ قلاؤن کے عہد میں ایل خانی حکمرانوں اباقاخان اور ارغون نے یورپ کے مسیحیوں کو مصر کے خلاف ایک نئی صلیبی جنگ شروع کرنے اور بیت المقدس کو فتح کرنے کی ترغیب دی۔ اباقاخان نے مسیحیوں کے تعاون سے شام پر حملہ بھی کیا لیکن قلاؤن نے حمص کے پاس 1280ء میں اباقاخان کو شکست دے کر اس منصوبے کو ناکام بنادیا۔ اس نے صلیبیوں کے ساتھ جنگی مہم کو جاری رکھا اور بچے ہوئے صلیبیوں کو نکال باہر کرنے کا کام مکمل کیا۔ اس نے 1285ء میں طرطوس کے مضبوط قلعہ پر 38 دن کے محاصرے کے بعد قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد طرابلس پر بھی قابض ہو گیا۔ سلطان قلاؤن کے انتقال کے بعد اس کے فرزند اور جانشین اشرف خلیل نے 1291ء میں عکہ، صور، صیدا، حیفا اور دیگر شہروں کو کو فتح کرنے کا کام پورا کیا جو صلیبیوں کی آخری پناہ گاہ تھی اور اسی کے ساتھ شام کی تاریخ میں صلیبیوں کا دور دورہ اختتام کو پہنچا۔ اشرف خلیل کی وفات کے بعد اس کا چھوٹا بھائی ناصر محمد اس خاندان کا آخری معروف سلطان بنا۔ اس کے بعد آنے والے 12 سلطانوں کی حالت کٹھ پتلی کی حیثیت سے زیادہ نہیں تھی۔ سلطنت کی طاقت اب برجی مملوکوں کے ہاتھوں میں جانے لگی یہاں تک اس خاندان کے آخری سلطان صالح شعبان کو برقوق نے 1382ء میں معزول کر دیا جو برجی مملوکوں کا سردار تھا۔

منصور قلاؤن نے کا دور فن تعمیر اور علمی ترقی کے لیے بھی بہت مشہور ہوا۔ اس کا تعمیر کردہ بیمارستان منصوریہ اس دور کا سب سے زیادہ ترقی یافتہ شفاخانہ اور طبی تحقیق کا مرکز تھا۔ اس بیمارستان سے کئی اہم شخصیات وابستہ رہیں جن میں سب سے اہم نام ابن نفیس کا ہے۔

15.2 بحری ممالیک کے دور میں علوم کا ارتقاء

ناگزیر جنگی مصروفیات کے باوجود مملوک سلاطین نے علمی، ادبی اور فن کارانہ مشاغل کی فیاضانہ سرپرستی اور ہمت افزائی کی جس کی وجہ سے بڑی تعداد میں بلند پایہ علمی اور ادبی ہستیاں پیدا ہوئیں۔ طب اور دوسرے علوم پر اس دور میں کئی مفید کتابیں لکھی گئیں اور مشہور اطباء اور علماء پیدا ہوئے۔ مصر میں چونکہ امن و امان حاصل تھا اور یہ منگولوں کے فتنے سے محفوظ تھا لہٰذا اقطاع عالم اہل علم و فضل اور ماہرین فن مصر کا رُخ کرنے لگے جس سے مصر اور پھر شام علم و فن کے مرکز بن گئے تھے۔

15.2.1 علم طب کا ارتقاء

ابن نفیس اس دور کے سب سے بڑے طبیب تھے۔ انہوں نے کئی اہم طبی کتابیں تصنیف کیں، ان کا سب سے اہم کارنامہ گردش خون کا نظریہ پیش کرنا ہے یہ نظریہ یورپ سے تین سو سال پہلے ہی پیش کر دیا تھا کہ انسان کے جسم میں دوران خون کس طرح ہوتا ہے۔

مملوکوں نے علم طب کے فروغ میں کافی دلچسپی لی۔ قاہرہ میں سلطان قلاؤن کا بنایا ہوا شاندار منصوری اسپتال اس بات کا شاہد ہے جس میں مریضوں کی دیکھ بھال کے لئے ہر قسم کی سہولیات مہیا تھیں۔ اس کا انچارج ابن النفیس اپنے وقت کا سب سے بڑا طبیب اور مشرح (Anatomist) تھا۔ اسی نے شریانوں کے درمیان دوران خون کا انکشاف کیا۔ اس کے تین سو سال بعد ولیم ہاروے سے اس انکشاف کو

منسوب کرنا ابن النفیس کے ساتھ مغرب والوں کی ایک بڑی ناانصافی ہے۔

ابن النفیس علم طب پر کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ اس کو زیادہ شہرت اپنی کتاب "شرح تشریح القانون" سے ملی۔ یہ ابن سینا کی کتاب "القانون" کی شرح ہے۔ اس میں بڑے علمی انداز میں پھیپھڑوں اور ان کے دوران خون کے بارے میں لکھا گیا ہے۔ ابن نفیس، سلطان بیبرس کے شخصی طبیب بھی تھے۔ علم طب پر ان کی دوسری مشہور اور ضخیم کتاب کا عنوان "الشامل فی الطب" تھا۔ علم طب پر یہ دائرۃ المعارف (Encyclopedic) کی حیثیت رکھتی ہے۔

ابن القف (1233-1285) اس دور کے ایک ماہر جرّاح (Surgeon) تھا۔ اس کی کتاب "عمدۃ الجرّاحین" فن جراحت کی پہلی کتاب ہے۔ اس کی دوسری اہم کتاب حفظان صحت اور بیماریوں کے علاج پر مشتمل ہے۔

علاج امراض جسم طب کی ایک دوسری شاخ ہے جس نے مملوک دور میں نمایاں ترقی کی۔ شام اور مصر میں آنکھ کے امراض کے واقعات زیادہ ہونے کی وجہ سے اس شاخ کی ترقی پر خاص توجہ دی گئی اور بہت سے نامور اطباء پیدا ہوئے۔ اس موضوع پر خلیفہ ابن ابی المحاسن کی کتاب "الکافی فی الکحل" ور صلاح الدین یوسف کی کتاب "نورالعیون" بہت مشہور ہوئیں۔ خلیفہ ابن المحاسن آنکھ کی سرجری میں بہت ماہر تھا۔ اسے اپنے فن پر اتنا اعتماد تھا کہ ایک مرتبہ بغیر کسی جھجک کے ایک ایسے شخص کی آنکھ کی سرجری موتیا بند نکالنے کے لئے کر دی جس کی ایک آنکھ بالکل ناکارہ تھی۔

15.2.2 بحری مملوک دور میں دیگر علوم اور اہم شخصیات

مصر و شام میں بحری مملوک کا دور علم و ادب کی ترقی کے اعتبار سے مصر اس زمانے میں سب سے آگے نکل گیا تھا۔ اس دور میں با کثرت ایسے اہل علم پیدا ہوئے جن کے پائے کے علما اس دور میں یا اسکے بعد بھی شاذ و نادر ہی نظر آتے ہیں۔

اس دور میں علماء نے علم بیطریات (Veterinary)، علم فلکیات، علم حساب اور ٹریگنو میٹری میں بھی بہت دلچسپی لی اور اہم کتب کی تصنیف کی۔ ابو بکر ابن المنذر البیطار (متوفیٰ 1340) کی کتاب "کامل الصناعتین فی البیطرۃ والزردقۃ" اور عبد المؤمن دمیاطی کی کتاب "فضل الخیل" بیطریات کے علم میں بہت مشہور اور مستند تھیں۔

علم حساب میں ابن الحصائم، ابن الشاطر، بہت مشہور ہوئے۔ ابن خلکان، مصنف "وفیات الأعیان" محمد بن شاکر بن احمد الکُتُبی مصنف "فوات الوفیات" جیسے علماء بحری مملوک سلطنت سے تعلق رکھتے ہیں۔

حافظ ابن تیمیہ

آپ کا پورا نام تقی الدین ابن تیمیہ تھا۔ شمالی شام کے شہر حران میں پیدا ہوئے۔ دمشق میں تعلیم حاصل کی۔ بیس سال کی عمر میں تمام علوم میں ماہر ہو چکے تھے۔ ابن تیمیہ زور قلم کے ساتھ ساتھ زور تلوار کے جوہر بھی دکھائے ہیں۔ چونکہ ان کا زمانہ منگولوں کی سرکشیوں کی روک تھام کا زمانہ تھا اس لیے ابن تیمیہ خود بھی میدان جنگ میں اترے اور دمشق کے قریب منگولوں کو شکست دی۔

تاہم ابن تیمیہ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے دینی علوم کی تجدید کی اور اسلامی عقائد کا دفاع کیا۔ آپ عوام کی اصلاح کی ہمیشہ فکر کرتے اور برائیوں کی روک تھام کے لیے اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس کو ختم کرنے کے لیے میدان عمل میں کود پڑتے۔ اس سلسلے میں دمشق میں شراب بند کروانے کا کارنامہ بہت اہم ہے۔

آپ کثیر التصانیف تھے اور مختلف موضوعات جیسے تفسیر، حدیث، فقہ، فلسفہ، منطق، تصوف پر متفرق کتابیں تحریر کیں۔ آپ ہمیشہ انتہائی غور و فکر کے بعد رائے دیتے اس بارے میں خود ان کا قول ہے کہ ایک آیت کی تفسیر کے لیے بسا اوقات وہ سو سو تفاسیر کا مطالعہ کرتے ہیں اور اسکے بعد اللہ سے دعا کرتے ہیں، اور اس کے بعد جب بات شرح صدر ہو جاتی ہے تب اسے ضبط قلم کرتے ہیں۔

ابن تیمیہ کی تصانیف کی تعداد کئی سو ہے ان میں حسب ذیل کتابیں بہت اہم اور عوام و خواص میں نہایت مقبول ہیں۔

تفسیر قرآن جو 30 جلدوں پر مشتمل ہے، الجواب الصحیح یہ کتاب عیسائیت کی رد میں تصنیف کی گئی۔ منہاج السنت: اس میں اہل سنت والجماعت کے عقائی کا دفاع کیا گیا ہے، الرد علی المنطقین: اس میں فلسفہ اور منطق کے بجائے قرآن و سنت کو اختیار کرنے کی تاکید ہے اور اس کتاب میں ارسطو کے فلسفے پر تفصیل سے تنقید درج ہے۔ ابن تیمیہ نے بے جا تقلید کے خلاف آواز اٹھائی اور مسلمانوں میں فکری آزادی کو ابھارنے میں اہم رول ادا کیا۔ آپ نے علوم کی بنیاد منطق پر رکھنے کے بجائے تجربے پر رکھنے پر زور دیا۔ اس سلسلے میں حکومت کا دباؤ اور قید و بند کی صعوبتوں کو بھی برداشت کیا اور قید کی حالت میں ہی آپ کا انتقال ہوا۔

ابن قیم

حافظ ابن قیم ابن تیمیہ کے قابل اور نامور شاگرد ہیں۔ کئی کتابیں تصنیف کیں ہیں جن میں سب سے زیادہ شہرت زاد المعاد اور اعلام الموقعین کو ملی۔ زاد المعاد عقائد کے موضوع پر احیاعلوم الدین (غزالی) کے ہم پلہ جامع کتاب ہے۔

محی الدین نووی

امام نووی نے دمشق میں مختلف اساتذہ سے علم حاصل کیا، پھر مختلف مدارس کی مسند ہائے درس کو زینت بخشی، تصنیف و تالیف کا نہایت وقیع کام کیا جن میں صحیح مسلم کی شرح تہذہب الاسماء واللغات کتاب الاذکار اور ریاض الصالحین جیسی نہایت اہم کتابیں ہیں جن کو عوام و خواص میں انتہائی مقبولیت حاصل ہے۔

اس دور میں سوانحی اور تاریخی ادب 'جغرافیہ اور لسانیات پر بھی متعدد مشہور کتابیں لکھی گئیں۔ اس دور کے نامور مورخین میں سب سے اہم نام ابو الفدا اور ابن کثیر کا آتا ہے۔

شمس الدین ذہبی

آپ بلند پایہ مورخین اور محدثین میں شمار ہوتے ہیں اور متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔۔ ساری عمر درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں گزاری۔ سیر اعلام النبلاء علم اسماء الرجال اور تراجم پر امام صاحب کی مشہور و معروف تصنیف ہے۔

احمد النویری (متوفی:1332ء)، مصنف ''نھایۃ الاَرب''

آپ مصر کے مایہ ناز مسلم دائرۃ المعارف محقق۔ خطاط۔ شاعر و ادیب تھے۔ نہایۃ الارب فی فنون الادب آپ کی معرکۃ الارا تصنیف ہے۔

ابو الفدا

محمود بن محمد المعروف ابو الفدا اس دور کے سب سے اہم مورخ اور جغرافیہ داں ہیں۔ کئی کتابیں تصنیف کیں۔ تاریخ کے موضوع پر ان کی تصنیف تاریخ البشر قبل از اسلام سے لیکر آٹھویں صدی ہجری تک کی تاریخ کا احاطہ کرتی ہے۔ ان کی فن جغرافیہ پر تصنیف کی گئی تصنیف تقویم البلدان اس موضوع پر ایک اہم تصنیف ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بھی زمین کے گول ہونے کے قائل تھے۔

ابن کثیر

اسمعیل بن عمر المعروف ابن کثیر نے یوں تو مختلف موضوعات پر قلم اٹھایا ہے لیکن آپ کی سب سے زیادہ شہرت بطور مورخ کے ہوئی۔ ان کی تاریخ البدایہ والنہایہ بڑی مفصل اور مستند اسلمی تاریخ شمار کی جاتی ہے۔ یہ تاریخ کائنات کے ارتقا اور تخلیق آدم سے شروع ہو کر ان کے زمانے یعنی بحری مملوک دور تک کی تاریخ پر مبنی ہے۔ اس میں ہر دور کے علما اور دوسرے مشہور لوگون کے بھی حالات درج کیے گئے ہیں۔ اس کتاب کا کئی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

صلاح الدین خلیل صفدی

صلاح الدین خلیل کا نام اس لحاظ سے نہایت قابل ذکر ہے کہ ان کی تصنیف الوافی انہوں نے تیس جلدوں میں تحریر کی ہے ان کی تصنیف کا اکثر حصہ مفقود ہے لیکن جو دستیاب ہے صرف اس میں چودہ ہزار لوگوں کے حالات درج ہیں اسی بنا پر ان کو دنیا کا سب سے بڑے سوانح نگار شمار کیا جاتا ہے۔

15.3 بحری مملوک دور میں فن تعمیر اور فنون لطیفہ (آرٹ) کی ترقی

بحری مملوک سلاطین نے تعلیم کے فروغ کے ساتھ ساتھ فن تعمیر اور فنون لطیفہ کے بھی بڑے سرپرست تھے۔ اس دور کی تعمیرات اب بھی صحیح سلامت قائم ہیں جو طلبہ اور زائرین دونوں کے لئے کشش کا ذریعہ بنی ہوئی ہیں۔

بحری مملوک دور میں عمارتیں بنانے کا کام بڑی سرگرمی سے ہوا۔ چونکہ یورپ اور مشرق کے درمیان ہونے والے ہر قسم کی سمندری تجارت پر مملوکوں کا کنٹرول تھا' ان کی آمدنی میں کافی اضافہ ہوا جسے بڑی دریادلی کے ساتھ انہوں نے تعمیری کاموں پر صرف کیا اور مصر اور شام میں گذشتہ اسلامی سلطنتوں کی طرح اپنی شاہکار تعمیرات چھوڑی ہیں۔ مملوک دور کی فن تعمیر میں قدیم عربی، ایرانی مصری کے علاوہ آرمینیائی اور بازنطینی طرز تعمیر کی آمیزش بھی پائی جاتی ہے۔

مملوک دور میں فن تعمیر کو اس بات سے بھی کافی فروغ ملا کہ بہت سے مسلمان کاریگر اور صنعت کار منگولوں کے حملے سے پہلے موصل، بغداد اور دمشق سے بھاگ کر مصر میں پناہ لینے کے لئے آ بسے تھے۔ ان کے اثر سے میناروں کی تعمیر میں اینٹ کی جگہ پتھر کا استعمال کیا جانے لگا اور فن سنگ تراشی نے خوب ترقی کی۔ انہوں نے پتھروں سے خوبصورت اور مزین ستون اور گنبدوں کی تعمیر کی اور سجاوٹ کے لئے مختلف رنگ کے پتھروں کا استعمال کیے۔ اس دور کی عمارتوں میں سے چند محلات اب بھی محفوظ ہیں جو فن تعمیر کی مہارت پر دلالت کرتی ہیں۔

ان عمارتوں میں مساجد، مقابر، مدارس، شفاخانے، محلات، حمام حوض اور آبشارات شامل ہیں۔ مملوک یادگاروں میں چند محلات اب بھی محفوظ ہیں جو فن تعمیر کی مہارت پر دلالت کرتی ہیں۔ اس عہد میں متعدد قلعے قاہرہ، حلب، اور دمشق میں دوبارہ تعمیر کیے گئے۔

ایوبیوں تک کے زمانے میں صرف ایک جامع مسجد ہر شہر یا مضافات کی جداگانہ بستیوں میں ہوتی تھی جہاں نماز جمعہ ادا کی جاتی تھی، لیکن مملوک عہد میں یہ دستور ہو گیا کہ اکثر سلاطین اور والیوں نے نماز جمعہ کے لئے بڑے شہروں میں جامع مسجدیں بنوائیں۔ بیبرس، قلاؤن، محمد الناصر، سلطان حسن مساجد قاہرہ میں قابل ذکر ہیں۔ اسی طرح ولایات کے صدر مقامات یعنی حلب، دمشق اور طرابلس میں بھی متعدد مساجد بنوائی گئیں۔

مملوک دور میں فن تعمیر کا آغاز ملکہ شجرۃ الدر کے زمانے سے ہی ہو گیا تھا جس کا مقبرہ آج تک موجود ہے جو فاطمی دور کے مقبرہ رقیہ کے طرز پر تعمیر کیا گیا تھا۔ ملک الظاہر بیبرس کے دور میں اس نے رفاہی تعمیرات پر زیادہ توجہ کی اور سڑکیں اور پل کی تعمیرات کے ساتھ ساتھ بعض قلعوں کی از سر نو تعمیر کیں اور اکثر قلعوں کو مضبوط کیا۔ قاہرہ میں قدیم چوديواری نقشے پر ایک بڑی مسجد کی تعمیر کی۔ اس کے احاطے کی دیواریں آج بھی قائم ہیں۔ اس مسجد کی تعمیر میں چوبینہ اور مرمر کا استعمال کیا گیا۔ اس مسجد کی تعمیر میں سلجوقی فن تعمیر کی جھلک نظر آتی ہے۔

اس دور کی زیادہ تر یادگار عمارتیں بیبرس کے نائب منصور قلاوون کے دور سے وابستہ ہیں۔ بلکہ یہ کہنا بجا ہو گا کہ قلاوون نے مصر میں عمارتوں کا ایک عظیم الشان مجموعہ تعمیر کرایا۔ اس مجموعہ میں ایک شفاخانہ، مدرسہ اور خود اسکا مقبرہ بھی شامل ہے۔ ان کی باقیات آج بھی موجود ہے اور ان میں مقبرہ اس وقت سب سے اچھی حالات میں ہے۔ یہ مجموعہ عمارات گوتھک، موری، سلجوقی، شامی جیسے مختلف طرز تعمیر پر مشتمل ہے۔ مقبرہ کا گنبد مثمن ہے جو ایک مربع نقشے کے کمرے پر اٹھایا گیا ہے۔ اس کا ہال ساٹھ فٹ ہے جو چالیس فٹ اونچی دیواروں سے گھرا ہوا ہے۔ اس میں گول سری دریچے اور نوکدار کمانوں کو سنگ خارا کے ستونوں پر بنایا گیا ہے۔ گنبد کے نیچے قبر ہے جو ایک لکڑی کے مستطیلی مقصورہ سے گھری ہوئی ہے۔ اس مقبرہ کا مینار تین منزلہ ہے پہلی اور دوسری منزل مربع اور اوپری منزل مدور ہے۔ اس مینار کی تزئین میں پچی کاری اور میناکاری سے کام لیا گیا ہے۔ ایک غلام گردش مدرسے اور مقبرے کو الگ کرتی ہے۔ مدرسہ میں ایک کھلے صحن میں دونوں بازووں پر دو ایوان اور ان کے بازو طلبہ کے لیے دو منزلہ حجرے بنائے گئے ہیں۔ مسجد و مدرسے کے مغربی سمت میں بیمارستان منصوری واقع ہے یہ اپنی وسعت اور خدمات کے اعتبار سے اس وقت کا سب سے ترقی یافتہ شفاخانہ شمار کیا جاتا تھا۔

منصور قلاوون کے بعد سلطان الناصر محمد نے تعمیری کاموں میں زیادہ دلچسپی لی۔ وہ ایک بہت بڑا معمار اور غیر معمولی شخصیت کا حامل حکمراں تھا کہا جاتا ہے کہ وہ بعض وقت ایک ہی دن میں تعمیرات پر تین سو دینار یک مشت صرف کرتا تھا اس کی تعمیر کردہ عمارتوں میں ایک مدرسہ اور مقبرہ شامل ہے جو کہ قاہرہ میں موجود ہے اس مدرسہ میں چاروں سنی مکتب فکر کی تعلیم کا انتظام تھا۔ ان میں سے ہر مکتب فکر کے لیے ایک ایوان مختص تھا۔ یہ ایوان ایک مشترکہ کھلے صحن کے چاروں بازوں کے اطراف بنائے گئے تھے۔ اس عمارت سے متصل الناصر کا مقبرہ الناصریہ تعمیر کیا گیا جو ایک گنبد دار عمارت ہے۔

مملوک دور میں سلاطین کے علاوہ امرا نے بھی نفیس اور خوبصورت تعمیرات کا اضافہ کیا ہے۔ ان میں امیر سالار اور امیر سنجر الجوالی کا بنوایا ہوا مقبرہ اور مدرسہ مملوک فن تعمیر کی ایک عمدہ مثال شمار ہوتی ہے۔ یہ مقبرہ اور مدرسہ قاہرہ کے جنوب میں مسجد ابن طولون کے قریب ہی ایک پہاڑی پر بنائے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ امیر قسوں کا مقبرہ اور خانقاہ، امیر بہلوان کا مینار بھی اپنی منفرد طرز تعمیر کے لیے شہرت رکھتا ہے۔

سلطان حسین جو سلطان الناصر کا بیٹا ہے اس سے بھی ایک فن تعمیر کا کارنامہ منسوب ہے۔ یہ بھی مسجد مقبرہ اور مدرسہ پر مشتمل عمارت کا مجموعہ ہے۔ پوری عمارت کئی ایکڑ کے رقبہ پر پھیلی ہوئی ہے۔ اس میں شامل مدرسہ مصر کا سب سے بڑا مدرسہ تھا۔ اس کی تعمیر میں تقریباً نو سال لگے۔ اس میں چاروں سنی مکتب فکر کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اس میں چار ایوان وسطی کھلے صحن کے اظراف بنائے گئے ہیں جس کے بیچ میں وضو کے لیے حوض بنا ہوا ہے۔، ان ایوانوں ہر نوکدار قوسی چگتیں ڈالی گئی ہیں۔ مقبرہ کا نقشہ مربع ہے اور اسکے اوپر گنبد تعمیر کیا گیا تھا جو ترکوں کے ساتھ جنگ کے وقت گولہ باری میں ضائع ہو گیا تھا۔ مسجد سلطان حسین کے بارے میں مقریزی کا کہنا ہے کہ دنیا کے تمام اسلامی ممالک میں کوئی عبادت گاہ ایسی نہیں جو اس مسجد کا مقابلہ کر سکے۔ اس کی تعمیر بغیر ایک دن کے وقفے کے تین سال مسلسل جاری رہی اور اس پر ہر روز بیس ہزار درہم صرف ہوتے تھے۔ مقریزی کے مطابق اس مسجد کی سب سے قابل لحاظ خصوصیت اس کے ایوانوں کی وسعت ہے جو کہ ایوان کسری سے بھی زیادہ بڑے تھے۔ اس مسجد کا گنبد بھی اس وقت کی تمام عمارتوں سے زیادہ عریض تھا۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اس دور میں ٹیکسٹائیل، شیشے اور چاندی وغیرہ سے متعلق علوم و فنون بھی کافی ترقی پر تھے جن سے صلیبی لوگ بھی متاثر اور مستفید ہوئے اور بعد میں یورپ میں ان فنون کو پہنچانے کا ذریعہ بنے۔

15.4 سماجی مذہبی اور معاشی حالات

مملوک سماج میں عوام کے مختلف نمایاں درجات تھے جن کی ساخت طبقاتی حق وراثت کے اصول پر قائم تھی۔ فوج میں صرف غلاموں ہی کو اعلیٰ عہدوں پر ترقی دی جاتی تھی۔ آزاد عوام کو صرف ادنیٰ مقام ہی ملتا تھا۔

سلطان کے ذاتی پاسبانوں کو "خاصکی" کہتے تھے۔ اسی طرح امیروں کے لئے بھی پہرہ دار مقرر ہوتے تھے۔ محکمہ فوج میں یہ شعبے شامل تھے: (الف) سلطان کی خصوصی فوج۔ (ب) جند الغلقۃ' اس میں بھرتی کئے ہوئے سپاہی ہوتے تھے جنہیں نقد تنخواہ یا جاگیر کی پیداوار کا

حصہ ملتا تھا۔(ج) سلاطین سابقہ اور امرائے کبار کے ذاتی سپاہی۔ فوجی مہمات کے متعلق عموماً مجلس امراء فیصلہ کیا کرتی تھی۔ امراء کو اپنا لشکر مسلّح کرنے اور برقرار رکھنے کے لئے نقد روپیہ ملتا تھا تاکہ دشمن کے ملک پر چڑھائی کے وقت اپنی اپنی فوج لا سکیں۔

فوجی سرداروں کے علاوہ دیوانی عمال "اصحاب القلم" کا تقرر ہوتا تھا۔ عمائدین مذہب قانونی اور تعلیمی عہدوں اور دوسری کئی خدمات پر مقرر ہوتے تھے۔ نظم ونسق کے لئے باقاعدہ عمال ہوتے تھے جو غیر فوجی محکموں میں کام کرتے تھے۔ سلطان کے محاصل کا ذریعہ مالیانہ اراضی، جزیہ، جاگیروں کی آمد وغیرہ تھا۔ اس آمد میں سے وہ فوج اور عمال کا خرچ دیا کرتا تھا۔ بعض اوقات سلطان جبری خرید وفروخت کے ذریعہ بھی روپیہ پیدا کر لیا کرتا تھا۔ حکومت مقررہ قیمت پر مال خرید لیتی اور خریداروں کو مجبور کرتی تھی کہ وہ معینہ قیمتوں پر اس سے خریدا کریں۔ اس کے علاوہ کچھ اجارہ داریاں بھی تھیں، جن سے سلطان کو نفع ہوتا تھا۔ سلطان کا ایک اور حصول زر کا دل پسند ذریعہ یہ ہوا کرتا تھا کہ وہ کسی بڑے آدمی کے یہاں چلا جاتا اور مہمان کی حیثیت سے اس سے رقم خطیر لے لیا کرتا تھا۔

دوسرا طبقہ تاجروں اور فن کاروں کا تھا۔ چونکہ یہ لوگ زیادہ تر شہروں میں رہتے تھے، اس لئے زراعت پیشہ لوگوں کے مقابلہ میں جاگیرداروں کے استحصال سے محفوظ رہتے تھے۔ اس لحاظ سے یہ لوگ نہ صرف خوشحال تھے بلکہ سماج میں ان کی حیثیت کاشت کاروں سے بہتر تھی۔ کاشت کار مملوک سماج کے سب سے نچلے پائیدان پر تھے۔ حالانکہ سلاطین اور امراء نے زراعتی پیداوار میں اضافہ کرنے کے اقدامات کیے تھے مگر اس سے سب سے زیادہ فائدہ ان ہی کو پہنچتا تھا اور کاشت کاروں کو بہت تھوڑا حصہ ملتا تھا۔

بحری مملوک سماج کی ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ ابتدائی سلاطین کے دورِ حکومت میں عوامی سطح پر ملک کے نظم وضبط کی حالت اطمینان بخش تھی۔ مملوکوں نے عوام کے اختلافات کی اصلاح کے لئے بہت سے اقدامات کئے جن میں شراب پر پابندی عائد کرنا، شراب کی دکانوں کو بند کرنا اور مجرموں کو ملک بدر کرنا شامل تھا۔ علاوہ ازیں مملوک حکمرانوں نے عوامی فلاح وبہبود کے بہت سے کام کئے۔ مثال کے طور پر غریبوں اور محتاجوں کی مدد کے لئے بہت سی پناہ گاہیں تعمیر کروائیں جو تکیہ کے نام سے مشہور تھیں۔ اسی طرح مسافروں کو پانی مہیا کرانے کے لئے مختلف جگہوں پر پانی کے چشمے قائم کئے۔ سیاح ابن بطوطہ جو ملک الناصر محمد کے دور میں مصر گئے تھے انہوں نے مصر کی خوشحالی اور ترقی کے بارے میں دلچسپ احوال نقل کیے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس دور میں قاہرہ کا شہر اپنی وسعت اور ترقی کے اعتبار سے لوگوں کو مبہوط کر دیتا ہے۔

مملوکوں کا دوسرا اہم کارنامہ یہ تھا کہ انہوں نے مصر اور شام کے درمیان گھوڑوں کے ذریعہ ڈاک کا ایک مکمل نظام قائم کیا۔ ہر منزل (پوسٹ اسٹیشن) پر آگے سفر کے لئے گھوڑے تیار رہتے تھے۔ اس نظام کی تیزی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ قاصدوں کو قاہرہ پہنچنے میں دمشق سے چار دن، حلب سے چھ دن لگتے تھے۔ اس کے علاوہ تیز ہوائی خبر رسانی کے لئے کبوتروں کو تربیت دی جاتی تھی اور انہیں استعمال بھی کیا جاتا تھا۔

بحری مملوکوں نے ایوبیوں کی تقلید کرتے ہوئے اہل السنہ کی تعلیمات کی تبلیغ اور اشاعت میں دلچسپی لی۔ مذہبی تعلیم کے فروغ کے لئے بے شمار عالیشان مساجد تعمیر کروائیں جن کے ساتھ مدارس بھی ملحق ہوتے تھے۔ علماء کو حکومت کی سرپرستی اور امداد حاصل تھی۔ یہ

لوگ عوام میں بے حد مقبول تھے۔ اسلامی شریعت ملک کا قانون تھی۔ حکومت فقہ اسلامی کے چاروں مکاتب فکر کو صحیح اور جائز تسلیم کرتی تھی۔

15.5 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- مملوک سلاطین کے لیے خدمات انجام دینے والے مسلمان سپاہی تھے۔ انہیں عموماً فوج کے لیے تربیت دی جاتی اور سلطان کے دستہ خاص اور فوج کے اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوتے تھے۔
- وقت کے ساتھ ساتھ وہ فن سیاست میں ماہر ہوگئے اور زبردست عسکری قوت بن گئے۔ ان غلاموں نے مالک بادشاہوں کی کمزوری اور نااہلیت کے پیش نظر زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لی اور شان وشوکت کے ساتھ حکومت ان حکومتوں میں مصر و شام کی مملوک حکومت سن 1250ء سے 1517ء تک قائم رہی۔
- مصری مملوک سلاطین دو خاندانوں میں تقسیم تھے۔ ان میں ایک خاندان بحری مملوکوں کا تھا جنہوں نے 1250ء سے 1382ء تک حکومت کی۔ دوسرا خاندان برجی مملوک کا تھا انہوں نے بحری مملوکوں کے بعد 1382ء سے 1517ء تک حکومت کی۔
- مملوک حکومت میں باپ کے بعد بیٹے کو جانشینی حاصل نہیں ہوتی بلکہ جو غلام سب طاقتور ہوتا وہ حکومت کا حق دار قرار دیا جاتا۔ اس سلسلے میں ہم نے دیکھا کہ ایک سو بتیس سال کے مختصر عرصے میں 24 بحری مملوک سلاطین ہوئے۔ جن میں ملک الظاہر بیبرس، منصور قلاوون، اور ملک الناصر محمد کے دور حکومت کو ان کے فتوحات اور کارناموں کی بنا پر بہت شہرت حاصل ہے۔
- بحری مملوک دور کے اہم کارناموں میں منگولوں کے حملوں کی روک تھام سر فہرست ہے۔ اسی طرح شام کے ساحلوں سے صلیبیوں کا خروج بھی ان کا ایک نمایاں کارنامہ شمار کیا جاتا ہے۔
- بحری مملوک کے دور میں مصر و شام میں عوام خوش حال تھی، تجارت کو فروغ حاصل ہوا اور علوم وفنون نے ترقی کی اور کثرت سے مساجد، مدرسے، اور شفاخانے اور مقبرے تعمیر کیے گئے۔ مملوک دور کی عمارتیں اپنی منفرد فن تعمیر کے لیے کافی شہرت رکھتی ہیں۔ ان تعمیرات میں سلطان، منصور قلاوون کا مقبرہ، شفاخانہ حسن ابن قلاوون کی مسجد اور مدرسہ اپنے فن کا شاہکار سمجھی جاتی ہیں۔
- مصر و شام میں بحری مملوک کا دور علم وادب کی ترقی کے اعتبار سے مصر اس زمانے میں سب سے آگے نکل گیا تھا۔ اس دور کی مشہور شخصیات میں تقی الدین ابن تیمیہ، ابن قیم، ابن کثیر، ابو الفدا جیسی شخصیات شامل ہیں۔
- ابن نفیس اس دور کے سب سے بڑے طبیب تھے۔ انہوں نے کئی اہم طبی کتابیں تصنیف کیں، ان کا سب سے اہم کارنامہ

گردش خون کا نظریہ پیش کرنا ہے یہ نظریہ یورپ سے تین سو سال پہلے ہی پیش کر دیا تھا کہ انسان کے جسم میں دوران خون کس طرح ہوتا ہے۔

- مملوک دور اپنے فن تعمیر کے لیے بھی شہرت رکھتا ہے جس میں مساجد مدارس شفاخانے اور محل شامل ہیں۔

15.6 نمونہ امتحانی سوالات

15.6.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. بحری ممالیک کا عہد حکومت سن.....سے.....تک شمار کیا جاتا ہے۔

(a).1250ء سے 1382ء (b).1215ء سے 1382ء (c).1326ء سے 1428ء (d).1362ء سے 1430ء

2. جنگ عین جالوت کا معرکہ.....کے خلاف ایک فیصلہ کن جنگ شمار کی جاتی ہے۔

(a).فاطمی (b).منگول (c).صلیبی (d).ایوبی

3. ..... مملوک سلطان نے ایک شفاخانہ تعمیر کیا تھا جس میں علاج کے علاوہ طب کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔

(a).بیبرس (b).ملک الناصر (c).قلاوون (d).اشرف خلیل

4. ..... مملوک سلطان نے عباسی خلافت کا احیا کیا۔

(a).عزالدین ایبک (b).سیف الدین قطز (c).ملک الظاہر بیبرس (d).کوئی نہیں

5. .....ماہر طبیب نے ولیم ہاروے سے تین سو سال پہلے گردش خون کا نظریہ پیش کیا تھا۔

(a).ابن نفیس (b).ابن سینا (c).ابن بیطار (d).ابن قیم

6. امام ابن قیم کی معرکۃ الاراکتاب.....ہے۔

(a).تہافۃ الفلاسفہ (b).الرد علی المنطقین (c).ریاض الصالحین (d).زاد المعاد

7. موجز القانون.....کی تصنیف ہے؟

(a).ابن سینا (b).ابن ماجد (c).ابن نفیس (d).ابن حجر

8. عین جالوت کی جنگ.....سن میں لڑی گئی۔

1250.(a) 1255.(b) 1258.(c) 1260.(d)

9. .....بحری سلطان نے تین مرتبہ حکومت کی۔

(a).بیبرس (b).قلاوون (c).الناصر محمد (d).سب صحیح

10. سلطان کے ذاتی پاسبانوں کو.....کہتے تھے؟

(a).خاصکی (b).جند الغلقۃ (c).غلام (d).سپاہی

15.6.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. مملوک کی اصطلاح سے کیا مراد ہے؟ بحری و برجی مملوکوں کی وجہ تسمیہ پر روشنی ڈالیں؟
2. مملوک حکومت کی قیام کا تاریخی پس منظر بیان کیجیے۔
3. علم طب کے میدان میں بحری مملوک میں کیا ارتقا ہوا؟
4. مشہور مفکر ابن تیمیہ کے کارناموں پر ایک نوٹ لکھیے۔
5. صلیبیوں اور منگولوں کے حملوں کی روک تھام میں مملوک حکومت کے رول کا تنقیدی جائزہ لیجیے۔

15.6.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. بحری ممالیک کے حکومت کے قیام اور اسکے اہم کارناموں کا تنقیدی جائزہ پیش کیجیے۔
2. ملک الظاہر بیبرس اور منصور قلاوون کے کارناموں پر تبصرہ کیجیے۔
3. بحری مملوک کی علمی سرپرستی اور اس دور کی اہم علمی شخصیات پر ایک مضمون تحریر کیجیے۔

15.7 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ : ثروت صولت
2. تاریخ اسلام : نجیب شاہ اکبر آبادی
3. تاریخ تہذیب اسلامی : یاسین مظہر صدیقی
4. دولت ممالیک فی مصر : نور الہدی، وفا ابتسام
5. Abdul Ali, Islamic Dynasties of the Arab East
6. The History of Arabs : Philip k. Hitti

اکائی 16: برجی ممالیک

اکائی کے اجزا:

16.0 تمہید

16.1 مقاصد

16.2 برجی ممالیک وجہ تسمیہ و تعارف

16.3 برجی حکومت قیام و استحکام

16.4 سیف الدین برقوق

16.5 برجی ممالیک کا زوال

16.5.1 مملوکوں کی عثمانیوں سے آزادی

16.6 برجی ممالیک کے دور میں علمی احوال

16.7 برجی مملوک دور کی تعمیرات

16.8 تمدنی احوال

16.9 اکتسابی نتائج

16.10 نمونہ امتحانی سوالات

16.10.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

16.10.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

16.10.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

16.11 تجویز کردہ اکتسابی مواد

16.0 تمہید

پچھلی اکائی میں آپ نے مصر کے بحری مملوک سلاطین ان کے کارناموں کے بارے میں پڑھا تھا۔ بحری ممالیک کے زوال کے بعد

یہ حکومت برجی ممالیک نے سنبھالی اور اسلامی تاریخ میں اپنے کارنامے درج کیے۔ اس اکائی میں ہم برجی حکومت کے قیام واستحکام کارناموں کے بارے میں گفتگو کرنے کے ساتھ ساتھ مملوک سلطنت کے زوال پر بھی روشنی ڈالیں گے۔

16.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد یہ ہے کہ آپ مصر میں برجی ممالیک کے قیام واستحکام کا جائزہ لے سکیں۔ اس اکائی کو پڑھنے کے بعد آپ اہم برجی سلاطین کے کارناموں پر روشنی ڈال سکیں گے نیز فن تعمیر اور فنون لطیفہ میں ان کی خدمات کا خاکہ پیش کر سکیں۔ اسی طرح مملوک دور کے علمی سماجی اور معاشی احوال کا تنقیدی جائزہ لے سکیں گے اور ان کے زوال کے اسباب کو بیان کر سکیں گے۔

16.2 برجی ممالیک وجہ تسمیہ وتعارف

جیسے کہ آپ نے پچھلی اکائی میں پڑھا کہ مملوک سلاطین دو خاندانوں میں بٹے ہوئے ہیں۔(۱) بحری سلاطین اور (۲) برجی سلاطین۔ بحری سلاطین کی وجہ تسمیہ یہ تھی کہ ان کا سلسلہ ان محافظوں کی نسل سے چلا جن کے مکانات اور محلات دریائے نیل کے جزیرے روضہ کے قریب بنے ہوئے تھے۔ برجی ممالیک اصل میں وہ خاص فوج تھی جو بحری مملوک سلطان منصور قلاوون نے بنائی تھی۔ یہ فوجی قاہرہ کے قلعے کے برجوں میں رہا کرتے تھے۔ اسی مناسبت سے وہ برجی مملوک کہلائے جاتے ہیں۔

نسلی طور پر بحری سلاطین عموماً ترک تھے اور ان کے یہاں موروثی وراثت کا اصول قائم تھا۔ جب کہ برجی سلاطین کوہ قاف علاقہ کے کاکیشیاء النسل تھے۔ جنہیں چرآکسہ کہا جاتا ہے۔ ان میں سے دو سلاطین خوش قدم اور بوغا یونانی نسل کے تھے۔ برجی مملوکوں کی حکومت کی بنیاد ملک الظاہر برقوق نے 784ھ مطابق 1382ء میں ڈالی۔ ابتداء میں سلطان برقوق نے بھی بحری سلاطین کی طرح اپنے بیٹے کو جانشین متعین کیا اور آگے اس کا دوسرا بیٹا بھی کچھ عرصے کے لئے تخت نشین ہو گیا۔ لیکن اس کے بعد مملوک فوج نے موروثی نظام کو ختم کر دیا اور بہادری اور قابلیت کی بنیاد پر سلطان کا تقرر کیا جانے لگا ان کے درمیان یہ بھی معمول تھا کہ جس امیدوار کو فوجی کمانڈروں کی اکثریت کی حمایت حاصل ہوتی تھی وہی سلطان بنا دیا جاتا تھا۔

16.3 برجی حکومت قیام واستحکام

مصر وشام میں بحری حکومت کے زوال نے برجی مملوک کو موقع فراہم کیا کہ وہ اپنی طاقت کا لوہا منوا کر زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لے لیں۔ کل ملا کر 23 برجی سلطانوں کی حکومت 135 سالوں تک قائم رہی۔ ان میں سے صرف 9 سلاطین ہی موثر رہے جنہوں نے 124 سالوں تک حکومت کی۔ ان کے نام تھے: برقوق، فرج، مؤید شیخ، برس بے، جقمق، اینال، خوش قدم، قائت بے اور قانصوہ الغوری۔ باقی 14 صرف نام کے سلطان تھے اور کسی اہمیت کے مالک نہیں تھے۔ اس سلسلے کے آخری سلطان طومان بے کو عثمانی ترکوں نے جنگ میں بری طرح شکست دی اور طومان بے کو سولی پر چڑھا دیا اور مصر پر قابض ہو گئے۔

برجی سلاطین کی فہرست اس طرح ہے۔

1. برقوق	1382	2. فرج بن برقوق (حکومت کا پہلا دور)	1398
3. عبدالعزیز بن برقوق	1405	فرج بن برقوق (حکومت کا دوسرا دور)	1406
4. العادل المستعین باللہ (یہ ایک عباسی خلیفہ تھے جن کو سلطان بنایا گیا)			1412
5. المؤید شیخ	1412	6. احمد بن المؤید	1421
7. سیف الدین طَطَر	1421	8. محمد بن طَطَر	1421
9. الأشرف برس بے	1422	10. یوسف بن برس بے (صرف 3 ماہ حکومت کی)	1453
11. جقمق	1453	12. عثمان بن جقمق	1453
13. سیف الدین اینال	1453	14. احمد بن اینال (4 مہینے تک حکومت کی)	1460
15. خوش قدم	1467	16. سیف الدین بل بے	1468
17. تیمور بُغا	1468	18. قایت بے	1468
19. محمد بن قایت بے	1495	20. الظاہر قانصوہ	1498
21. الأشرف جانبلات	1500	22. الأشرف قانصوہ الغوری	1501
23. طومان بے	1517		

برجی ممالیک کا دور بحری ممالیک کے مقابلے میں زیادہ عرصہ باقی رہا لیکن اس میں برقوق کے علاوہ کوئی حکمراں ایسا نہیں جس نے اسلام کی تاریخ میں بحری ممالیک کے مقابلے میں اہم رول نہیں ادا کیا ہو۔ عموماً مورخین جزیرہ قبرص کی فتح اس خاندان کی واحد کامیابی قرار دیتے ہیں لیکن یہ بات بلکلیہ درست نہیں ہے۔ اس دور میں علمی اور فنی اعتبار سے ترقی کے شواہد ملتے ہیں جن کا آگے ذکر کیا جائے گا۔

16.4 سیف الدین برقوق

سیف الدین برقوق مصر و شام میں برجی خاندان کا پہلا سلطان تھا۔ برقوق چرکس نژاد تھا اور غلام کے طور پر یلبغا العمری کے گھرانے کے لیے 1363-1364ء میں حاصل کیا گیا تھا۔ وقت کے ساتھ ساتھ وہ ترقی کرتا گیا اور نہ صرف فوج کا اہم امیر بنا بلکہ سلطان کے دربار کا ایک اہم درباری بنا۔

سلطان ناصر الدین محمد کے 1340ء میں انتقال کے بعد اس کے بیٹوں اور پوتوں میں اور ان کے ساتھ دینے والے مملوکوں میں اقتدار کے لیے لڑائیاں شروع ہو گئیں اور اس طرح یکے بعد دیگرے کئی سلطان آئے اور گئے۔ اس سے بحری خاندان کی حکومت پر پکڑ کمزور

ہوتی گئی۔ چنانچہ جب زین الدین شعبان سلطان بنا تو برجی مملوکوں نے بغاوت کی اور اسے قتل کر کے اس کی جگہ اس کے سات سالہ بیٹے علاء الدین علی کو سلطان بنا دیا۔ اس سازش میں برقوق بھی شامل تھا۔ لیکن علاء الدین علی جلد ہی مر گیا اور اس کی جگہ اس کے چھوٹے بھائی صلاح الدین حاجی کو سلطان بنا دیا۔ اس دوران برقوق کی طاقت بہت بڑھ چکی تھی چونکہ حکومت کے کافی اختیارات اس نے سنبھال لیے تھے۔ تمام فرائض اور تمام تر ذمہ داریاں اس نے دیگر ساتھیوں سے بھی لے کر اپنے گھر کے لوگوں کو دینی شروع کر دیں۔ اس طرح برقوق اپنی طاقت کا جال پھیلاتا چلا گیا اور آخر کار 1382ء میں صلاح الدین حاجی کو ہٹا کر خود سلطان بنا۔

آٹھ سال حکومت کے بعد شام کے دو ضلعوں نے بغاوت کی جن میں ایک حلب تھا جو یلبغا النصیری کے ذمہ تھا اور دوسرا ملطیہ (موجودہ ترکی میں) جس کا ضلعدار منطاش تھا۔ شام پر مکمل طور سے قبضہ کرنے کے بعد وہ دونوں مصر جا پہنچے۔ برقوق ان کی اس بغاوت کے لیے تیار نہیں تھا اور جب قاہرہ کا محاصرہ ہوا تو اس نے اپنی جان بچا کر بھاگنے کی کوشش کی مگر پکڑا گیا۔ اسے قیدی بنا کر قلعہ کرک (موجودہ اردن میں) کے سپرد کر دیا۔ اس دوران ان باغیوں نے صلاح الدین حاجی کو دوبارہ سلطان کے عہدے سے فائض کیا۔ مگر مملوکوں کی آپس میں جھڑپیں شروع ہو گئیں اور برقوق کے ساتھیوں نے باغیوں کو قاہرہ میں شکست دی اور برقوق 1390ء کو قاہرہ لوٹ آیا۔

برقوق کے دور میں مملوک پہلے کی طرح مضبوط نہیں تھے۔ اس دوران تیموری سلطنت کے صاحب قرن امیر تیمور بیگ گورکانی نے عراق پر حملہ کیا۔ اس زمانے میں عراق پر قرہ قویونلو کے سربراہ قرا یوسف نوین بن محمد کی حکومت تھی جو امیر تیمور کا مجرم تھا وہ اپنی جان بچا کر مصر بھاگ گیا اور برقوق کی پناہ میں آ گیا۔ امیر تیمور کو برقوق کا اس کے دشمن کو پناہ دینا ناگوار گزرا۔ اس نے فوراً خط کے اور اپنے ایلچی کے ذریعے قرا یوسف کو اس کے حوالے کرنے کا مطالبہ کیا مگر برقوق نے واضح انکار کر دیا۔

برقوق شوال 801ھ یعنی جون 1399ء میں امیر تیمور کے جواب ملنے سے پہلے انتقال کر گیا۔ اس کے جاں نشین بیٹے ناصر الدین فرج نے باپ کی غلطی کا خمیازہ بھگتا اور تیمور سے جنگ کا سامنا کرنا پڑا جس میں اسے شکست فاش ہوئی اور اس نے شام کے علاقوں کو نیست و نابود کر دیا جس کی بنا پر برجی مملوک سلطنت مزید کمزور ہو گئی۔

مملوک حکومت کی توسیع میں برجی ممالیک کا کردار بھی اہم رہا جن میں زیادہ تر عیسائی حکومتوں سے مسلمانوں کے مقبوضات دوبارہ حاصل کرنے کے سلسلے میں ہیں۔ اس سلسلے میں جزیرہ قبرص جس پر صلیبی قابض تھے، کی فتح اہم شمار کی جاتی ہے۔

16.5 برجی ممالیک کا زوال

مملوک سلطنت بالخصوص برجی مملوک سلطنت کے زوال کے متفرق اسباب تاریخ میں بیان کیے گئے ہیں جن کا جائزہ لے کر ہم یہاں چند اہم اسباب شمار کریں گے۔

بغاوتیں

سب سے پہلی وجہ یہ تھی کہ چرکسی مملوکوں کا دور آپس کے جھگڑوں کا دور تھا۔ جسکی بنا پر حکومت میں انتشار اور لامرکزیت پھیلی

ہوئی تھی۔ بغاوتوں کی کثرت تھی۔ پھر بھی برجی سلاطین بحری مملوک کی حکومت بحری ممالیک سے کم مستحکم نہیں تھی۔ ان میں آٹھ حکمراں ایسے تھے جنہوں نے سات سال سے انتیس سال تک کی طویل حکومت کی اور مجموعی طور پر کل آٹھ حکمرانوں نے ایک سو سولہ سال حکومت کی۔ اس تناسب میں دیکھا جائے تو برجی ممالیک کے کل ایک سو اڑتیس 138 سال میں صرف بائیس سال ایسے رہے جن کو بدامنی یا بغاوتوں کا دور شمار کیا جائے گا۔ اس میں جملہ پندرہ حکمراں تخت پر بیٹھے اور ایک سو سولہ سال مصر میں ان کی حکومت نہات مستحکم رہی۔

تیمور کا حملہ

برجی مملوک نے بحری مملوک کے بعد حکومت سنبھالی تھی اور وہ ان کی طرح مستحکم نہیں تھے۔ جیسے آپ نے اوپر پڑھا کہ برقوق کے دور میں اس نے امیر تیمور کے دور میں اس کے دشمن احمد جلائر کو پناہ دی اور عثمانی حکمراں بایزید کے ساتھ تیمور کے خلاف بنانے کی سازش کی۔ اس کی اس غلط پالیسی کی بنا پر مصر کو تیمور کے حملے کا سامنا کرنا پڑھا۔ یہ حملہ برقوق کے بیٹے اور جانشین کے دور میں ہوا تھا کیوں کہ الناصر فرج نے تیمور کے سفیروں کو قتل کر کے تیمور کو برانگیختہ کر دیا۔ تیمور کی انتقامی کاروائی میں نہ صرف مصر بلکہ شام کو بھی نیست و نابود کر دیا۔ اس طرح مصر و شام کی معاشی اور سماجی صورت حال کافی حد تک تباہ ہو گئی۔ جو آگے کبھی بحال نہ ہو سکی۔

قحط و طاعون

معاشی ترقی کے اعتبار سے برجی ممالیک کا دور تاریخ کا تاریک دور شمار ہوتا ہے۔ امیر تیمور کے حملے کے کچھ ہی عرصے بعد پے در پے آنے والی طاعون اور قحط کی وباؤں نے مصر کی خوش حالی اور زرخیزی کو مفلوک الحالی میں تبدیل کر دیا تھا۔ ہو سکی تھی۔ طاعون کی وجہ سے بستیوں کی بستیاں اجڑ گئیں اور قحط کی وجہ سے لوگ نقل مکانی کرنے لگے اور مصر کی آبادی ایک تہائی رہ گئی۔ سلطان برس بائے کے دور حکومت میں جب شدید طاعون کی وبا پھوٹ پڑی تو سلطان نے اسے عوام کے گناہوں کی سزا سے تعبیر کیا اور عورتوں پر گھروں سے باہر نکلنے پر پابندی لگا دی۔ اور جب مردم شماری کی گئی تو مصر میں صرف 2170 بستیاں شمار کی گئیں جبکہ چوتھی صدی ہجری میں ان کی تعداد دس ہزار تھی۔ نقل مکانی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ عوام پر زبردست محاصل عائد کیے گئے تھے جسکی وجہ سے جان و مال محفوظ نہ تھا اور جعلی سکہ چلتا تھا۔

نئے بحری راستوں کا انکشاف

برجی مملوکوں کے آخری دور میں اہل یورپ نے ہندوستان کا بحری راستہ دریافت کر لیا تھا، اب تک مصر جو ایک اہم تجارتی شاہراہ پر واقع تھا بحری راستے کی دریافت کی بنا پر یہ تجارتی راستہ بند ہو گیا۔ اور ہندوستان سے ہونے والی تجارت کو پرتگالیوں نے روک دیا جس کی بنا پر معاشی صورتحال اور بھی خراب ہو گئی، اور عدن پر پرتگالی حملے کے بعد ہندوستانی تجارت بلکل ہی ختم ہو گئی۔

قدامت پرستی

مسلمانوں کے علمی زوال کے اثرات برجی ممالیک کے یہاں بھی نظر آتے ہیں کیوں کہ ان سلاطین نے بھی اس علمی ترقیات کی

طرف فراخدلی نہ دکھائی اور ایجادات و انکشافات میں نہ خود معاون بنے نہ ہی اس دور کی ایجادات سے استفادہ کیا۔ بارود کی ایجاد کے بعد آتش گیر اسلحہ کا استعمال عام ہو گیا تھا لیکن برجی افواج نے قدیم تلوار تیر کمان اور نیزوں پر اکتفا کیا اور ان جدید اسلحہ کو جوانمردی کے خلاف قرار دیا اور اپنی شکست کے لیے خود میدان ہموار کیا۔

عثمانیوں کا حملہ

پندرہویں صدی کے نصف اخر میں قائم ہونے والی عثمانی حکومت سے ابتدا میں ممالیک کے اچھے تعلقات تھے۔ مملوک سلطان برقوق اور اس کے جانشین نے امیر تیمور کے خلاف محاز بنایا تھا۔ لیکن آگے چل کر عثمانیوں کی بڑھتی ہوئی طاقت نے برجی ممالیک کو خوفزدہ کر دیا اور انہوں نے ایران کی صفوی حکومت کے ساتھ مل کر عثمانیوں کے خلاف محاذ بنالیا۔ اور ایک بڑی طاقت کو اپنا دشمن بنالیا۔ سن 1516ء میں عثمانی سلطان سلیم اول نے ایران میں صفوی حکومت کو شکست دے کر مصر و شام پر حملہ کیا 24 اگست 1516ء کو حلب کے پاس مرج الدابق کی فیصلہ کن جنگ کے بعد مصر و شام سے مملوک حکومت کا بلکلیہ خاتمہ ہو گیا۔ برجی ممالیک کے آخری سلطان طومان بے کو سولی پر چڑھا دیا اور صدیوں تک دار الحکومت رہنے والا شہر قاہرہ ایک صوبائی شہر بن گیا۔ سلطان سلیم اول عباسی خلیفہ متوکل ثالث کو بھی اپنے ساتھ استنبول لے گیا اس طرح اسلامی خلافت جو بغداد سے مصر میں آگئی تھی مصر سے ترکی منتقل ہو گئی۔

مملوک قوم کا زوال

جیسا کے آپ نے جائزہ لیا وقت کے ساتھ ساتھ مملوک ایک قوم کی طرح نمو پا چکے تھے۔ اور باقاعدہ طور پر اتنے سال حکومت کرنے کے بعد ان کی تعداد بہت کثیر تھی اور حیثیت نہایت مستحکم ہو چکی تھی گو کہ انہیں پہلے جیسے اختیارات حاصل نہیں رہے۔ مملوک سلطنت 1517ء تک قائم رہی اور جب سلطنت عثمانیہ کے سلطان سلیم اول نے جنگ مرج دابق اور جنگ ردانیہ میں مملوک سلطان قانصوہ غوری کو شکست دے کر مملوک سلطنت ختم کر دی تاہم مملوک عثمانی سلطنت کے زیر انتظام بھی کام کرتے رہے۔

16.5.1 مملوکوں کی عثمانیوں سے آزادی

1768ء میں سلطان علی بے الباکر نے عثمانیوں سے آزادی کا اعلان کیا لیکن مملوکوں کی اس تحریک کو سختی سے کچل دیا گیا۔ اس موقع پر جارجیا سے نئے مملوک بھرتی کیے گئے۔

نپولین نے 1798ء کو مصر پر حملے میں مملوکوں کو شکست دی۔ 1811ء میں فرانسیسی دستوں کی روانگی کے بعد مملوکوں نے سلطنت عثمانیہ اور برطانیہ سے آزادی کے لیے جدوجہد جاری رکھی۔ 1833ء میں مملوک رہنماؤں ابراہیم بیگ اور عثمان بیگ نے روسی جنرل قونصل کو خط لکھا کہ وہ سلطان اور ان کے درمیان ثالث کا کردار ادا کریں تاکہ وہ جنگ بندی کے بعد اپنے آبائی وطن جارجیا جا سکیں۔ استنبول میں روسی سفیر نے ثالثی سے انکار کر دیا کیونکہ اسے جارجیا میں مملوکوں کی واپسی سے خطرہ تھا جہاں آزادی کی تحریک زوروں پر تھی اور مملوکوں کی واپسی سے اسے مزید توانائی ملتی۔

1805ء میں قاہرہ میں بغاوت پھوٹ گئی جو مملوکوں کے لیے اقتدار حاصل کرنے کا بہترین موقع تھا لیکن وہ اپنے داخلی مسائل کے باعث وہ اس موقع سے فائدہ نہ اٹھا سکے۔ 1806ء میں مملوکوں نے کئی مرتبہ ترک افواج کو شکست دیں اور جون کے مہینے میں دونوں افواج نے امن معاہدے پر دستخط کر دیے۔ جس کے تحت 26 مارچ 1806ء کو مصر کے گورنر مقرر کیے گئے محمد علی پاشا کو عہدے سے ہٹا دیا گیا اور مصر کا ریاستی انتظام ایک مرتبہ پھر مملوکوں کے حوالے کر دیا گیا۔ لیکن مملوکوں کی داخلی کشیدگی اور تنازعات نے انہیں اس موقع سے فائدہ نہ اٹھانے دیا اور محمد علی اپنی طاقت برقرار رکھنے میں کامیاب رہا۔

محمد علی جانتے تھے کہ اگر اسے مصر پر اپنی گرفت مضبوط رکھنی ہے تو اسے مملوکوں سے سودے بازی کرنا ہوگی۔ وہ اب بھی مصر کی زمینوں کے مالک ہیں اور ان کی زمینیں اب بھی دولت و طاقت کا ذریعہ ہیں۔

11 مارچ 1811ء کو محمد علی نے عرب میں وہابیوں کے خلاف اعلان جنگ کا جشن منانے کے لیے تمام مملوکوں کو محل میں مدعو کیا۔ قاہرہ میں منعقدہ اس تقریب میں تقریباً 600 مملوک (ایک ذریعے کے مطابق 700) شریک تھے۔ مکتم پہاڑی سے نیچے آتی ہوئی ایک تنگ شاہراہ پر واقع دروازوں کے قریب محمد علی کی افواج نے ان پر حملہ کرتے ہوئے تقریباً تمام مملوکوں کو قتل کر دیا۔ روایت ہے کہ صرف ایک مملوک جس کا نام حسن تھا زندہ بچا۔

اگلے چند ہفتوں میں مصر بھر میں سینکڑوں مملوکوں کو قتل کیا گیا۔ صرف قاہرہ کے قلعے میں ایک ہزار مملوک قتل ہوئے۔ مصر بھر کی گلیوں میں تقریباً تین ہزار مملوک اور ان کے رشتہ دار قتل ہوئے۔

مصر میں مملوکوں کو زیر کرنے کی محمد علی کی ان کوششوں کے باوجود ان کا ایک گروہ جنوب کی طرف موجودہ سوڈان میں فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ 1811ء میں ان مملوکوں نے دنقولہ، سینار میں ریاست قائم کی۔

16.6 برجی ممالیک کے دور میں علمی احوال

برجی ممالیک کا دور علمی ترقی کے اعتبار سے اس اوج پر نظر نہیں آتا جیسا کہ ہم نے بحری ممالیک کے دور میں ملاحظہ کیا۔ اس کی کئی وجوہات ہیں۔ جیسا کہ آپ نے اوپر مطالعہ کیا کہ مصر و شام میں قحط و طاعون کی وجہ سے ہر طرح کی سرگرمی اثر انداز ہوئی۔ دوسری طرف پورا عالمی اسلام منگول حملوں کا شکست خوردہ تھا اور علمی و فکری آسودگی کے لیے مناسب لاھول باقی نہ رہا تھا۔ یہ دور صرف مصر میں ہی نہیں بلکہ بیشتر اسلامی ممالک میں علمی و اخلاقی انحطاط کا دور رہا۔ تاہم برجی ممالیک کے دور میں علمی اعتبار سے تفسیر، حدیث فقہ اور تاریخ پر تصانیف تحریر کی گئیں۔ یہاں ہم اس دور کی چند اہم علمی شخصیات کا ذکر کریں گے جن کی تصانیف کو عوام و خواص میں یکساں مقبولیت حاصل ہوئی۔

جلال الدین السیوطی

قرون وسطی کے مسلمان علما میں امام جلال الدین سیوطی کا نام ان کی علمی خدمات کے اعتبار سے نہایت مقبول ہے۔ آپ اپنے دور کے مشہور مفسر، محدث فقیہ اور مورخ تھے۔ آپ کثیر التصانیف تھے مختلف موضوعات پر 500 سے زیادہ کتابیں تصنیف کیں۔ خود اپنے

بارے میں فرماتے ہیں کہ 'اللہ نے مجھے سات علوم یعنی تفسیر، حدیث فقہ، نحو، معانی، بیان وبدیع میں تبحر عطا فرمایا ہے'۔ آپ کی تفسیر جلالین کے ساتھ ساتھ آپ کی تصنیف کی گئی تاریخ بھی اس وقت کے دور تک کی تاریخ کا احاطہ کرتی ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی

آپ کی پیدائش بحری سلطان شعبان کے دور میں ہوئی۔ برجی ممالیک دور کے مشہور محدث تھے۔ آپ کی تصنیف فتح الباری صحیح البخاری کی سب سے اچھی شرح سمجھی جاتی ہے۔ فن حدیث کے علاوہ فن اسماء الرجال اور فن تاریخ کے موضوع پر آپ نے کئی اہم کتابیں تصنیف کی ہیں ن کی کتابوں کی تعداد 150 سے اوپر بتائی جاتی ہے۔

مُقریزی

تقی الدین ابو العباس احمد ابن علی ابن عبد القادر ابن محمد المقریزی مصری تاریخ داں تھے۔ آپ قاہرہ میں پیدا ہوئے اور عمر کا زیادہ تر حصہ مصر میں ہی گذارا۔ مقریزی نے سینکڑوں تصانیف لکھی۔ اہم تصانیف میں مقافا ہے، یہ مصری شخصیات کے بارے میں حروف تہجی سے ترتیب دیا ہوا انسائیکلوپیڈیا ہے۔ اس کی 16 جلدیں ہیں۔ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ مکمل ہو کر 80 جلدوں میں ہوتا۔ مقریزی کی کتاب الخطط المقریزی جس کا پورا نام المواعظ والاعتبار بذکر الخطط والاثار ہے، مصر کی تاریخ پر نہایت اہم کتاب شمار ہوتی ہے۔

ابن خلدون

مشہور مورخ ابن خلدون عالم اسلام کے مایہ ناز مورخ اور سماجیات کے باوا ادم شمار ہوتے ہیں۔ ان کی پیدائش گو کہ تونس میں ہوئی لیکن ایک عرصہ انہوں نے مصرو دمشق میں گذارا اور قاہرہ میں ان کا انتقال ہوا۔ تاریخ کے علاوہ فقہ حدیث و فقہ میں بھی ماہر تھے۔ جامع الازہر میں بحیثیت مدرس بھی فرائض انجام دیے اور سلطان نے انہیں فقہ مالکی کے منصب فقہ پر فائز کیا تھا۔ دمشق کے قیام کے دوران امیر تیمور سے بھی ملاقات کی۔ کتاب العبر و الدیوان ان کی معرکۃ الارا تصنیف ہے اس کتاب سے زیادہ اس کتاب پر لکھے گئے ان کے مقدمہ شہرت کا حامل ہے۔

بدر الدین عینی

امام بدر الدین عینی برجی ممالیک دور کے مایہ ناز محدث، فقیہ اور فقہ حنفی کے بہت بڑے شارح ہونے کے علاوہ مورخ بھی تھے۔ 20 سے زیادہ کتابیں تصانیف فرمائیں۔

سخاوی

برجی دور کے اہم محدث میں ان کا شمار ہوتا ہے ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ عالم اسلام کے آخری محدث تھے ان پر علم حدیث ختم ہو گیا۔ فن حدیث کے علاوہ تفسیر، علم الفرائض، تاریخ، علم الاوقات اور حساب کے ماہر تھے۔ علامہ زرکلی نے ان کی تصانیف کی تعداد 200 لکھی ہے جو مختلف موضوعات پر مشتمل ہے۔

ابو العباس احمد القلقشندی

مصری شاعر، ادیب اور ماہر ریاضیات تھے۔ کثیر التصانیف تھے "صبح الاعشٰی فی صناعۃ الانشا" آپ کی سب سے مشہور تصنیف ہے۔

شہاب الدین ابن ماجد

اس دور کی سب سے اہم شخصیت شہاب الدین ابن ماجد کی ہے۔ ماہر جہاز راں تھے اور اس موضوع پر نہ صرف کتابیں تصنیف کیں بلکہ بحری نقشے بھی بنائے تھے۔ بحر ہند اور اس سے متصل سمندروں کا انہوں نے برسوں سفر کیا۔ جہاز سازی اور جہاز رانی کے فن میں یکتا تھے۔ اور ان علوم پر کم و بیش تیس کتابیں تصنیف کیں تھیں۔ ان کتابوں میں سب سے اہم کتاب 'الفوائد فی اصول علم البحر وال قواعد' ہے۔

پرتگالی جہاز راں واسکو ڈ گاما 1498 میں ابن ماجد سے مشرق افریقہ میں ملا تھا اور اسی کے نقشوں کی مدد سے واسکو ڈی گاما نے ہندوستان تک جانے کا راستہ تلاش کیا تھا۔ کہتے ہیں کہ ابن ماجد کے جہاز کے آلے واسکوڈی گاما کے جہاز کے آلوں سے بہتر تھے۔

16.7 برجی مملوک دور کی تعمیرات

بحری مملوک کا خاندان جن کے بیشتر سلاطین ترک تھے سنہ 1382ء کے قریب ختم ہو گیا اور ان کی جگہ برجی مملوکوں نے لے لی ان سلاطین کو عمارتیں بنانے سے بڑی دلچسپی تھی۔ اس دور میں مصر میں جو عمارتیں تعمیر کی گئیں وہ اسلامی فن تعمیر کی آخری یادگار شمار ہوتی ہیں۔

برجی مملوک کے عہد میں مسجدیں اور مدرسے چھوٹے بننے لگے۔ اس کی اولین مثال مملوک امرا کی تعمیرات میں ملتی ہے۔ ان میں سب سے معروف امیر الفائی الیوسفی کا مدرسہ اور مسجد ہے۔ اس دور میں مدرسہ اور مساجد میں سبیل کا اضافہ ہوا عموماً سبیل مسجد یا مدرسہ کے کسی گوشہ میں ضمیمہ کے طور پر بنائی جانے لگی جو ایک حوض سے متصل ہوتی تھی اور اسکے اطراف کانسی کا جنگلہ ہوتا تھا، سبیل کے اوپر چھت ہوتی تھی۔

برجی سلاطین کی تعمیرات میں سلطان 'برقوق' مؤید اور قایت بے کی مساجد اپنے منفرد اور خوبصورت طرز تعمیر کا شاہکار سمجھی جاتی ہیں۔ سلطان برقوق کے تعمیر کردہ عظیم الشان مدرسے میں پہلی مرتبہ سپاٹ چھت ڈالی گئی جبکہ اس سے پہلے قوس دار لداو چھتیں مدارس کا واحد نشان سمجھی جاتی تھیں۔ طرز تعمیر کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ مملوک دور میں مدرسہ جو مسجد کا ہی ایک حصہ ہوتا تھا اس کی حیثیت کم ہونے لگی اور دھیرے دھیرے مساجد کی حیثیت صرف ایک عبادت گاہ کی رہ گئی۔ مسجد کے ساتھ مقبرہ بنانے کا رواج حسب سابق باقی رہا۔ برجی مملوک کے دور میں پتھر کے شاندار گنبد والے مقبرہ بنانے کا چلن بہت زیادہ عام ہوا۔ سلطان برقوق اور قائد بے کے مقبروں پر شاندار سنگی گنبد اسکی عکاسی کرتا ہے

تعمیر کاری کے لحاظ سے برجی مملوک دور کی قائت بائی کے دور کی عمارتیں آخری نشانی سمجھی جاتی ہیں۔ اور مملوک دور اسلامی فن تعمیر کا سب سے درخشاں عہد کا شمار کیا جاتا ہے۔

مساجد کے بڑے دروازوں پر دھات کا کام کیا ہوا ہوتا تھا۔ مسجد کے لیمپ اور رنگین کھڑکیاں بہترین کانچ کے بنے ہوئے بیل بوٹوں اور عربی نقوش سے مزین ہوتے تھے اور مسجد کی اندرونی دیواریں بہترین چمکیلے ٹائلس سے آراستہ ہوتی تھیں۔

مخطوطوں کو مختلف رنگوں کے ذریعہ مزین کرنے کا فن بھی مملوک دورِ حکومت میں رائج تھا۔ اس فن کا زیادہ تر استعمال قرآن کو آراستہ کرنے کے لئے کیا جاتا تھا۔ اس دور میں مزین کئے ہوئے بہت سے مخطوطات قاہرہ کی قومی لائبریری میں آج بھی محفوظ ہیں جن سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ فن ان کے یہاں بہت رائج اور ترقی تافتہ تھا۔

اس دور میں اپلائڈ آرٹ کی تقریباً سبھی شاخوں کو مذہبی امور سے جوڑ دیا گیا تھا۔ زیادہ تر اس کا استعمال مسجد اور مسجد سے متعلق تعمیری کاموں کو زینت دینے کے لئے کیا گیا۔ مسجدوں کے کانسے کے بنے ہوئے دروازے ' مخصوص عربی طرز پر بنے ہوئے کانسے کی ناموسیں' جواہرات سے جڑے ہوئے قرآن کریم کی جزدانیں 'مسجد کے محرابوں میں خوبصورت موزیک اور خطبہ دینے کے منبروں پر خوبصورت نقوش وغیرہ یہ سب اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ یہ فنون ان کے یہاں بہت ترقی یافتہ تھے۔

مساجد کے بڑے دروازوں پر دھات کا کام کیا ہوا ہوتا تھا۔ مسجد کے لیمپ اور رنگین کھڑکیاں بہترین کانچ کے بنے ہوئے بیل بوٹوں اور عربی نقوش سے مزین ہوتے تھے اور مسجد کی اندرونی دیواریں بہترین چمکیلے ٹائلس سے آراستہ ہوتی تھیں۔

مخطوطوں کو مختلف رنگوں کے ذریعہ مزین کرنے کا فن بھی مملوک دورِ حکومت میں رائج تھا۔ اس فن کا زیادہ تر استعمال قرآن کو آراستہ کرنے کے لئے کیا جاتا تھا۔ اس دور میں مزین کئے ہوئے بہت سے مخطوطات قاہرہ کی قومی لائبریری میں آج بھی محفوظ ہیں جن سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ فن ان کے یہاں بہت رائج اور ترقی یافتہ تھا۔

16.8 تمدنی احوال

برجی مملوک سماج میں صوفیہ اور درویشوں کو عزت اور احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ حکومت کی طرف سے بہت سی خانقاہیں تعمیر ہوئیں اور ان کے انتظام کے لئے مالی امداد بھی دی گئی۔ عوام کے مذہبی عقیدے اور اعمال میں بہت سے غیر اسلامی عناصر جیسے توہم پرستی' بدعات وخرافات وغیرہ داخل ہو گئے تھے۔ قبر پرستی کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کا فطری نتیجہ یہ سامنے آیا کہ ایک طرف مزین مزارات پر ہر طرح کے نذرانے آتے' وہیں مسجدیں ویران ہو گئی تھیں۔

برجی مملوک سماج کے معاشی حالات ابتدا میں نسبتاً بہتر تھے اور مصر اور شام دونوں ہی خوش حال تھے۔ لیکن امیر تیمور کے حملے کے بعد سے ہی سماجی احوال معاشی پسماندگی کی بنا پر زوال پذیر ہو گئے۔ مصری بندرگاہوں پر قابض ہونے کے ناطے سلاطین نے تجارتی فوائد حاصل کئے۔ کیوں کہ ان ہی بندرگاہوں کے ذریعہ مشرق و مغرب کے درمیان بحری تجارت ہوتی تھی۔ لیکن اہل یورپ کے بحری راستہ دریافت کر لینے کی وجہ سے تجارتی بندرگاہ کی چہل پہل ماند پڑ گئی جنہوں نے عوام کے اقتصادی حالات کو بری طرح متاثر کیا۔ سلاطین کے شاہانہ اخراجات نیز بے شمار عوامی منصوبوں کی تکمیل کے لئے عوام سے بے جا محصولات وصول کئے جاتے تھے۔ ان اقدامات سے عوام

کے اقتصادی حالات خراب ہوتے گئے۔

مزید بر آں چودھویں صدی کے دوسرے نصف میں وقتاً فوقتاً طاعون کی وبا پھیلنے کی وجہ سے عوام کی حالت اور خراب ہو گئی۔ اس وبا سے مصر اور پڑوسی ملکوں میں بڑی تعداد میں لوگوں کی موت ہوئی۔ سلطان برس بائے کے دور حکومت میں جب شدید طاعون کی وبا پھوٹ پڑی تو سلطان نے اسے عوام کے گناہوں کی سزا سے تعبیر کیا اور عورتوں پر گھروں سے باہر نکلنے پر پابندی لگادی۔ جس کی بنا پر عوام نقل مکانی پر مجبور ہو گئی۔

16.9 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- برجی مملوک سلطانوں نے بحری مملوک سلطانوں کے مقابلے میں زیادہ طویل مدت تک حکومت کی۔ اس دور حکومت میں جملہ 23 حکمراں ہوئے۔
- برجی ممالیک کے دور میں فتوحات کا دائرہ وسیع نہیں ہوا، جزیرہ قبرص کی فتح اس خاندان کی واحد کامیابی تھی۔
- برجی مملوک کے زوال کے بنیادی اسباب میں خانہ جنگی، بغاوتیں، قحط طاعون اور علمی زوال شامل ہے۔ برجی مملوک عہد کا خاتمہ سلطان سلیم اول نے کیا۔ لیکن اس کے بعد بھی مملوک عثمانی عہدے داروں کے طور پر کام کرتے رہے اور 1811ء تک مصر کی حکومتی معاملات میں ان کی شرکت کے شواہد ملتے ہیں۔
- ناگزیر جنگی مہمات کی مصروفیات کے باوجود مملوک سلاطین علمی، فنی اور تعمیری مشاغل کی فیاضانہ سرپرستی اور ہمت افزائی کرتے رہے۔ اس کے نتیجے میں بڑی تعداد میں بلند پایہ علمی اور ادبی ہستیاں پیدا ہوئیں۔ جن میں سیوطی، ابن حجر عسقلانی، بدر الدین عینی، مقریزی، ابن خلدون اور شہاب الدین ابن ماجد شامل ہیں۔
- برجی ممالیک کو تعمیرات سے بہت دلچسپی تھی، ان کی چھوڑی گئی یادگاروں میں سلطان برقوق اور قائد بے کے دور میں تعمیر کردہ عمارتیں اپنے فن کا شاہکار سمجھی جاتی ہیں۔
- چودھویں صدی کے دوسرے نصف میں وقتاً فوقتاً طاعون کی وبا پھیلنے کی وجہ سے عوام کی حالت اور خراب ہو گئی۔ اس وبا سے مصر اور پڑوسی ملکوں میں بڑی تعداد میں لوگوں کی موت ہوئی۔ اہل یورپ کے بحری راستہ کی دریافت نے بھی مصر کی اقتصادی حالت کو کمزور کر دیا۔

16.10 نمونہ امتحانی سوالات

16.10.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. برجی مملیک کا تعلق کس سے تھا؟

(a). صلاح الدین ایوبی (b). منصور قلاوون (c). برقوق (d). سب صحیح

2. مسجد قائت بے کی تعمیر کے دور میں ہوئی؟

(a). سلطان بیبرس (b). سلطان برقوق (c). سلطان ناصر (d). سلطان قائت بے

3. برجی مملیک کا پہلا حکمراں تھا؟

(a). برقوق (b). عزالدین ایبک (c). الظاہر بیبرس (d). قطب الدین ایبک

4. برجی مملیک کا آخری حکمراں تھا؟

(a). برقوق (b). طومان بے (c). برسبائے (d). قانصورہ غوری

5. مرج الدابق کی جنگ میں فتح کس کو حاصل ہوئی؟

(a). طومان بے (b). اسمعیل صفوی (c). سلیم اول (d). سب غلط

6. مقریزی کی تصنیف کونسی ہے؟

(a). کتاب العبر والدیوان (b). الخطط (c). البدایہ والنہایہ (d). سب صحیح

7. واسکوڈی گاما کس جہاز راں کے نقشے کی مدد سے ہندوستان پہنچا تھا؟

(a). شہاب الدین ابن ماجد (b). کاتب چلیپی (c). خود اپنے (d). بدرالدین عینی

8. مصر کی ہندوستان سے تجارت ختم ہونے کی وجہ کیا تھی؟

(a). طاعون (b). قحط (c). جنگ (d). بحری راستے کی دریافت

9. دور حکومت میں مساجد اور مدارس پر مسطح چھت ڈالنے کا رواج ہوا؟

(a). بحری مملوک (b). برجی مملوک (c). صفوی (d). فاطمی

10. برجی مملوک دور کے اہم محدث تھے؟

(a). ابن حجر عسقلانی (b). مقریزی (c). ابن خلدون (d). ابن ماجد

16.10.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. برجی مملوک کے قیام حکومت کے اسباب پر ایک نوٹ تحریر کیجیے۔
2. سلطان برقوق کی خدمات پر ایک نوٹ تحریر کیجیے۔
3. برجی مملوک دور حکومت میں سماجی اور معاشی حالات پر نوٹ لکھیے۔
4. برجی مملوک دور حکومت میں علوم کی ترقی کا جائزہ لیجیے۔
5. مملوک سلطنت کے زوال پر تنقیدی نوٹ لکھیے۔

16.10.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. مملوک برجی شاہی خاندان کے عروج وزوال پر ایک تبصراتی مضمون تحریر کیجیے۔
2. علوم وفنون کی ترقی میں برجی مملوکوں کی خدمات پر روشنی ڈالیے۔
3. برجی ممالیک کے دور کا اجمالی جائزہ پیش کیجیے۔

16.11 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. تاریخ اسلام : جسٹس امیر علی، ترجمہ حسین رضوی
2. ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ : ثروت صولت
3. اردو دائرہ معارف اسلامیہ : دانشگاہ پنجاب، لاہور، جلد 21، 1987
4. دولۃ الممالیک فی مصر : نور الہدی، وفا ابتسام
5. .Abdul Ali, Islamic Dynasties of the Arab East

ایم۔اے، اسلامک اسٹڈیز

چھٹا پرچہ (عہد عباسی اور خاندانی حکومتیں)

جملہ نمبرات:70 **وقت:3 گھنٹے**

ہدایات:

1. حصہ اول میں 10 لازمی سوال ہیں جو کہ معروضی سوالات / خالی جگہ کو پر کرنا / مختصر جوابات والے سوالات ہیں۔ ہر سوال کا جواب لازمی ہے۔ ہر سوال کے لیے ایک نمبر مختص ہے۔ 10x1=10

i. عباسی عہد حکومت کا دورانیہ کیا ہے؟

(a). 750 سے 1250ء (b).750 سے 1171ء (c).640 سے 1152ء (d).کوئی نہیں

ii. عہد عباسی کا مستقل طور پر دارالخلافہ کون سے شہر میں واقع رہا؟

(a).ہاشمیہ (b).بغداد (c).کرخ (d).سامرا

iii. اموی دور خلافت کی آخری فیصلہ کن جنگ کون سی تھی؟

(a).جنگ زاب (b).جنگ نہروان (c).جنگ بیر معونہ (d).جنگ یمامہ

iv. خلافت عباسیہ کا اخری خلیفہ کون تھا؟

(a).معتصم باللہ (b).مکتفی باللہ (c).مہتدی باللہ (d).مستعصم باللہ

v. مامون رشید کے وزیر کا نام کیا تھا؟

(a).فضل بن ربیع (b).فضل بن سہل (c).فضل بن جعفر برمکی (d)ان میں سے کوئی نہیں

vi. سامرا شہر کی تعمیر کس عباسی خلیفہ نے کروائی؟

(a).سفاح (b).منصور (c).مہدی (d).معتصم

vii. صلیبی جنگوں میں مسلم اور غیر مسلم مورخین کے نزدیک سب سے زیادہ شہرت کس کو ملی؟

(a).عماد الدین زنگی (b).نور الدین زنگی (c).صلاح الدین ایوبی (d).ملک العادل ایوبی

viii. فاتح صقلیہ کس اسلامی سپہ سلار کو کہا جاتا ہے؟

(a). موسی بن نصیر (b). اسد بن فرات (c). عقبہ بن نافع (d). محمد بن قاسم

ix. فاطمی دور کا سب سے اہم حکمراں کون ہے؟

(a). القائم (b). المنصور (c). المعز (d). العزیز

x. منصور قلاوون کا تعلق کس حکومت سے تھا؟

(a). اغالبہ (b). فاطمی (c). ایوبی (d). ممالیک

(ب) حصہ دوم آٹھ سوالات پر مشتمل ہے اور پانچ سوالات کے جوابات دینے ہیں ہر سوال کا جواب تقریبا دو سو لفظوں پر مشتمل ہو گا۔ ہر سوال کے لیے 6 نمبر مختص ہیں۔ **6x1=6**

2. عہد عباسی کے قیام و استحکام پر ایک نوٹ تحریر کیجیے۔
3. خلیفہ معتصم کی سیاسی خدمات کا تعارف پیش کیجیے۔
4. عباسی دور میں علوم قرآن اور حدیث کے ارتقا پر ایک نوٹ تحریر کیجیے۔
5. بغداد شہر کی تعمیری اہمیت اور خصوصیات پر ایک نوٹ تحریر کیجیے۔
6. اغلبی حکومت کے کارناموں کا اجمالی تعارف پیش کیجیے۔
7. سامانی عہد میں علوم و فنون کی ترقی پر ایک تبصراتی نوٹ تحریر کیجیے۔
8. فاطمی حکومت کے قیام میں ابو عبداللہ الحسن کی خدمات کا تنقیدی جائزہ پیش کیجیے۔
9. برجی ممالیک کے عہد کی تعمیرات پر ایک نوٹ تحریر کیجیے۔

(ج) حصہ سوم میں پانچ سوالات ہیں۔ ان میں سے طالب علم کو کوئی تین سوالوں کے جواب دینے ہیں۔ ہر سوال کا جواب تقریبا 500 لفظوں پر مشتمل ہو گا۔ ہر سوال کے لیے 10 نمبر مختص ہیں۔

10. عہد عباسی کے نظم و نسق پر ایک تفصیلی مضمون تحریر کیجیے۔
11. عہد عباسی میں علوم و فنون کے ارتقا میں ہارون اور مامون کی خدمات کا تعارف قلم بند کیجیے۔
12. سلطان صلاح الدین ایوبی کا تعارف کرواتے ہوئے صلیبی حملوں کے اسباب و نتائج کا اجمالی جائزہ پیش کیجیے۔
13. فاطمی دور میں علم کے ارتقا پر ایک جامع مضمون قلم بند کیجیے۔
14. خلافت عباسیہ کے احیا اور مملوکوں کی روک تھام کے پس منظر میں ملک الظاہر بیبرس کا تعارف پیش کیجیے۔